بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارضِ جلال و جمال

(سفر نامہ حجازِ مقدس)

سید علی اکبر رضوی

ناشر

جاوداں

جملہ حقوق بحقِ ادارۂ ترویجِ علوم اسلامیہ کراچی محفوظ ہیں۔

کتاب کا نام : ارضِ جلال و جمال

مصنف : سید علی اکبر رضوی

سرورق : باشام

کتابت : جاوداں لیزر کمپوزرس، ایچ ۔ ۲۸، رضویہ سوسائٹی، کراچی ۔ فون : ۶۲۵۴۶۲

ناشر : ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ، کراچی

طابع : ایس وی پرنٹنگ پریس فون : ۶۶۲۱۰۷۰ / ۶۶۸۹۸۴۸

سنہ اشاعت : ۱۹۹۷ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : تین سو روپے

پیشکش

ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ، کراچی

بی ۸۱، کے ڈی اے اسکیم ۱ ۔ اے، کراچی کوڈ : ۷۵۳۵۰

فون : ۴۹۳۲۷۵۰ (منزل)

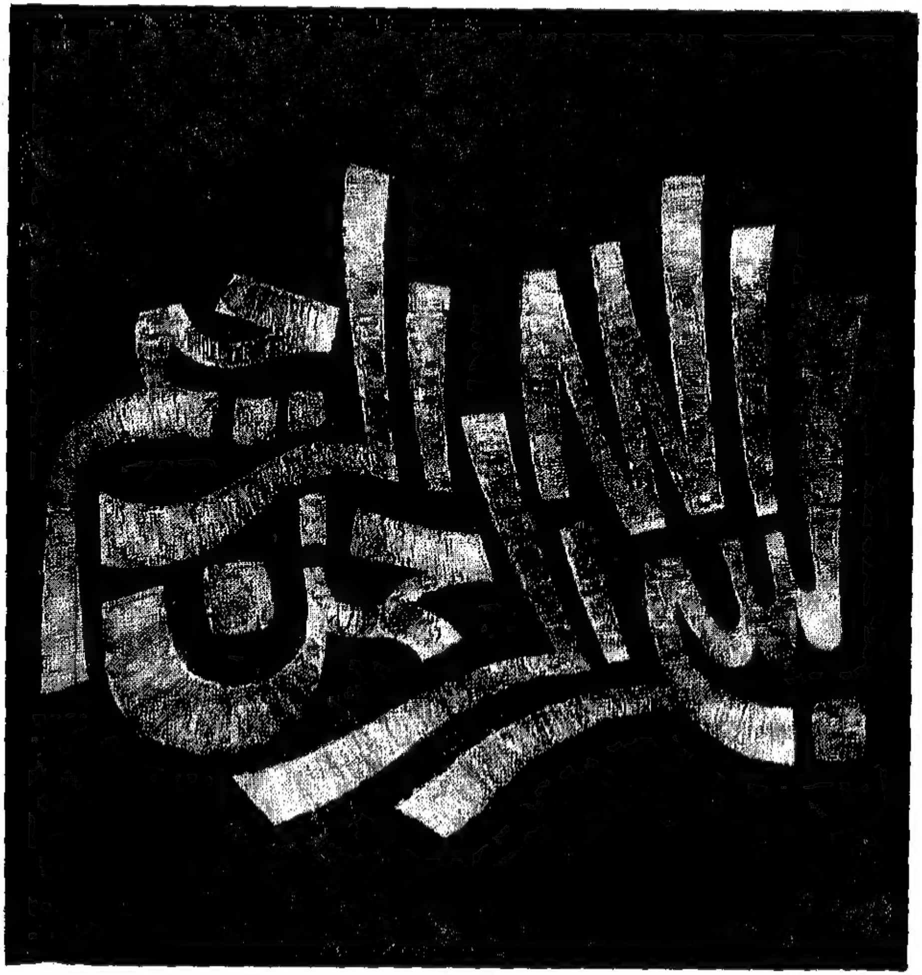

جدید طرز کی خطاطی میں بسم اللہ کا عکس۔

انتساب

میں بندۂ ناچیز اپنی اس حقیر و ادنیٰ لیکن پر خلوص قلمی کاوش کو بہ ہزار عجز و بصد ادب منسوب کرتا ہوں

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی سے جو باعثِ تخلیقِ کائنات و فخرِ موجودات ہیں۔

انتہا یہ کہ ابتدا ہی سے
پیشوا سارے انبیاء کا ہے

آپؐ کے محترم آباواجداد کے نام ہائے نامی سے جو بارِ نبوت کے حامل و امین رہے اور آپؐ کے طیب و طاہر اہلِ بیتؑ کے اسمائے گرامی سے جنہوں نے راہِ حق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا حتیٰ کہ اپنی جانیں نثار کر کے اسلام کو زندۂ جاوید کر دیا:

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ اند
پس بنائے لا الہ گردیدہ اند
(بتصرف)

اس امید پر کہ شاید میرا یہ ہدیہ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں شرفِ قبولیت پا جائے:

آنان کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بہ ما کنند

احقر العباد
سید علی اکبر رضوی عفی عنہ

اے کار ساز قبلہ حاجات و کارہا
آغاز کردہام تو رسانی بہ انتہا

مصنّف نے اپنی تصنیف

ارضِ جلال و جمال

کی فروخت سے حاصل ہونے والی کل رقم

ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ

کی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے وقف کردی ہے
اس کارِ خیر میں آپ بھی حصہ لیجئے۔

طوافِ کعبۂ دل کن اگر دلی داری
دل است کعبۂ معنی تو گِل چہ پنداری
ہزار بار پیادہ طوافِ کعبہ کنی
قبولِ حق نشود گر دلی بیآزاری

مولانائے روم علیہؒ

مستحضرات کتاب

مقدمہ
○ ڈاکٹر محمد علی صدیقی ۱۷
تقاریظ
○ ڈاکٹر سید علی رضا نقوی ۲۱
○ ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی ۲۵
○ حسین انجم ۳۱
○ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی رہا ۳۳
تصاویر
○ قرآنی مخطوطات، مکۂ مکرمہ و مدینہ منورہ کی ۳۹
نادر و نایاب تصاویر
○ حرفِ آغاز ۹۳
○ حجاز مقدس مملکتِ سعودی عرب ۹۸
○ آغاز سفر ۱۰۳
○ تاریخ جدہ ۱۱۹
○ احوالِ عمرہ ۱۲۲
○ حرمِ کعبہ سے ہوٹل کی جانب ۱۲۳
○ تاریخ مکہ ۱۲۹

○ ذکر حضرت ابراہیمؑ ۱۳۹
○ تاریخ کعبہ ۱۴۱
○ مقام ابراہیمؑ (قدم مبارک کے نشان) ۱۴۳
○ پیغمبر اکرمؐ کی عمرہ کی نیت سے مکہ میں آمد ۱۴۵
○ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان ۱۴۵
○ خانہ کعبہ کی عمارت ۱۵۷
○ خانہ کعبہ کی بے حرمتی ۱۵۹
○ خانہ کعبہ کی دوسری بار بے حرمتی اور پہلی بار قتل گاہ ۱۶۰
○ مکۂ مکرمہ کے دوسرے تاریخی مقامات ۱۶۱
○ ایمان ابو طالب ۱۶۲
○ بیت ابو طالب کی تلاش ۱۶۳
○ ذکر مولد نبی اکرمؐ ۱۶۴
○ ذکر مولد فاطمہ سلام اللہ علیہا ۱۶۴
○ ذکر بیت ارقم ۱۶۷
○ جنت المعلیٰ ۱۶۹
○ مسجد جن ۱۷۰
○ غار حرا ۱۷۱
○ ایک نکتہ ۱۷۳
○ منیٰ ۱۷۴
○ مسجد خیف ۱۷۶
○ میدان عرفات ۱۷۷
○ مسجد نمرہ ۱۷۸
○ جبل رحمت ۱۷۹

- مزدلفہ یا مشعر الحرام ۱۸۰
- وادی محسر ۱۸۰
- وہ مقام جہاں لڑکیاں زندہ دفن کردی جاتی تھیں ۱۸۱
- مدینۂ منورہ کے لئے روانگی ۱۸۵
- مکی مزاج ، مکانات اور مکانیت ۱۸۸
- مدینۂ منورہ میں آمد ۲۰۱
- تاریخِ مدینہ ۲۱۷
- یثرب سے مدینہ ۲۱۸
- مسجدِ نبویؐ کی تعمیر ۲۲۳
- فضائلِ مسجد نبویؐ ۲۲۵
- حضرتِ امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی ۲۲۸
- مدینۂ منورہ کی بے حرمتی ۲۳۳
- مسجدِ نبویؐ میں توسیعی مراحل ۲۳۹
- حادثۂ آتش زنی ۲۴۲
- تجدیدِ نو ۲۴۳
- ترکوں کے دور میں تجدید اور تعمیر ۲۴۳
- دورِ حاضر کی تجدید اور تعمیر ۲۴۳
- ابوابِ مسجد النبیؐ ۲۴۵
- قبورِ اہلِ بیتِ رسولؐ کا ذکر ۲۵۴
- مواجہ شریف میں قرآن خوانی ۲۵۵
- مساجدِ مدینہ ۲۵۷
- مسجدِ ضرار ۲۵۸
- مسجدِ جمعہ ۲۵۹

○ مسجد الفضیخ	۲۵۹
○ مسجد مشربہ ام ابراہیمؑ	۲۶۰
○ مسجد طریق السافلہ	۲۶۱
○ مسجد بنی قریظہ	۲۶۱
○ مسجد غمامہ	۲۶۲
○ مساجد سبعہ	۲۶۲
○ مسجد سلمان فارسیؓ	۲۶۳
○ مسجد علیؑ	۲۶۴
○ مسجد فاطمہؑ	۲۶۵
○ مسجد قبلتین	۲۶۶
○ مسجد ذی الحلیفہ یا مسجد شجرہ	۲۶۸
○ مسجد تعریس یا مسجد معرس	۲۶۹
○ مسجد بدر	۲۶۹
○ کنوؤں کا ذکر	۲۷۰
○ بئر آریس	۲۷۱
○ بئر عرس	۲۷۱
○ بئر رومہ	۲۷۲
○ بئر بضاعہ	۲۷۲
○ بئر علیؑ	۲۷۲
○ "مناجات"	۲۸۸
○ مسجد قبلتین میں حاضری	۲۹۵
○ جدہ میں آمد	۲۹۹
○ واقعۂ غزوۂ خیبر	۲۹۹
○ حجاز مقدس میں آخری جمعہ	۳۰۳

چہرہ نما

نام	:	الحاج سید علی اکبر رضوی
والد کا نام	:	سید محمود اشرف رضوی مرحوم
مقام و تاریخ پیدائش	:	۱۹۲۴ء بر سرا آئمہ اعظم گڑھ (یو۔پی) بھارت
اولادیں	:	پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں ۔ شاہدہ رضوی ، نرگس رضوی ، برجیس رضوی ، فرزانہ رضوی اور رضوانہ رضوی ۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں ہادی علی رضوی ، مہدی علی رضوی اور محسن علی رضوی
تعلیم	:	لاء گریجویشن ۱۹۴۳ء
ملازمت	:	۱۹۴۴ء میں حکومتِ ہند کی ملازمت اختیار کی ، ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے لئے تبادلہ کرا لیا ۔ ۱۹۴۹ء میں مستعفی ہوئے ۔
تجارت	:	۱۹۵۰ء میں پاک کارپٹ انڈسٹریز لمیٹڈ کے نام سے پاکستان کا پہلا قالین سازی کا کارخانہ قائم کیا ۔

○ ۱۹۵۸ء میں اس کی شاخ راولپنڈی میں قائم کی ۔

○ ۱۹۶۰ء میں حج سے مشرف ہوئے اور زیاراتِ مقاماتِ مقدسہ واقع ایران و عراق کی سعادت حاصل کی ۔

○ ۱۹۵۰ء میں برآمدات کا آغاز کیا اور پہلی کھیپ

برطانیہ کے مشہور عالم کثیر الانواع مرکز فروخت سلفریجز لمیٹڈ "SULFRIGES LTD." کو فروخت کی۔

○ اسی سال کا واحد صدارتی اعزاز برائے برآمدات قالین EXPORT PERFORMANCE AWARD FOR CARPET حاصل کیا۔

○ متعدد بار کبھی تنہا اور کبھی تجارتی وفود کے ہمراہ قالین کی برآمدات کے لئے دنیا بھر کی سیاحت کی۔ کئی بار یورپ، امریکا، کینیڈا اور آسٹریلیا میں منعقد ہونے والی تجارتی و صنعتی نمائشوں میں شریک ہوئے۔

○ ۱۹۸۰ء میں مشینی قالین سازی کا آغاز کیا اور یونیک فیبرکس پرائیویٹ لمیٹڈ (U-NIK FABRICS (PVT.) LTD.) کے نام سے ایک اور کارخانہ قائم کیا۔

○ ۱۹۸۳ء میں اونی مشینی قالین سازی کی صنعت کا آغاز کیا اور بانڈیڈ کارپٹس پرائیویٹ لمیٹڈ (BONDED CARPETS (PVT.) LTD.) قائم کیا۔

○ ۱۹۸۶ء میں اونی دھاگے کی صنعت کی بنیاد رکھی۔

○ کل پاکستان قالین سازی اور متعلقہ صنعتوں کی انجمن ALL PAKISTAN CARPET &

ALLIED INDUSTRIES کے بانی صدر ہیں

دیگر مشاغل

○ منیجنگ ٹرسٹی فلاح المومنین ٹرسٹ (مرکزی امام بارگاہ، کراچی)
○ ٹرسٹی، بلال ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی
○ بانی صدر، ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ کراچی
○ بانی صدر، مرکز حقوق شریعت (رجسٹرڈ) کراچی
○ دوامی رکن، انجمن وظیفۂ سادات و مومنین پاکستان
○ ٹرسٹی، شاہِ نجف ٹرسٹ مارٹن روڈ، کراچی
○ بانی صدر، سبزوار کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ، کراچی (اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تمام زمینیں ممبروں میں تقسیم کردیں اور اپنے لئے کوئی قطعہ ارضی نہ رکھا۔)
○ ٹرسٹی، الصادق ایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی
○ تفسیر فصل الخطاب اور متعدد دینی کتب اپنے مصارف سے شائع کیں۔
○ نادر مخطوطات و کتب کی جمع آوری محبوب مشغلہ ہے۔
○ مطالعہ کے ذوق کی بنا پر ایک نادر ذاتی کتب خانہ کے مالک ہیں۔

تصانیف

(۱) کوہِ قاف کے اِس پار

(۲) سرزمین انقلاب

(۳) ارض جلال و جمال

مزید تین کتابیں زیر تصنیف و تالیف ہیں۔

(مرتبہ حسین انجم)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی
ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکادمی، کراچی

ایک منفرد سفرنامہ

" ارض جلال و جمال " کے مسودہ کا مطالعہ کرتے وقت مجھے یقین تھا کہ سید علی اکبر رضوی صاحب اپنی اس تصنیف میں بھی " سرزمینِ انقلاب " کے اسلوبِ نگارش کی سادگی اور پرکاری کی خصوصیت برقرار رکھیں گے چونکہ انہوں نے اپنی عمر کے ایک ایسے دور میں اپنے تجربات سپردِ قلم کرنے شروع کئے ہیں جب اسلوبِ نگارش کے حوالہ سے خود کو " روحانی " کہلوانا پسند آتا ہے ۔ اس درجہ حقیقت پسند ہونا بھلا لگتا ہے کہ حقیقت پسندی نیم پختہ ذہنوں کے لئے ناقابلِ یقین اور برداشت بن جائے ۔

اس کتاب کا عنوان " ارضِ جلال و جمال " ہے اور اس کتاب میں بالترتیب مکہ و مدینہ کے سفرِ شوق کی روئیداد ہے ۔ مکہ جلال ہے تو مدینہ جمال اور سید علی اکبر رضوی صاحب نے نہ صرف ان اعتقادی مسلمات کا دلچسپ پس منظر بیان کیا ہے بلکہ انہوں نے قدم قدم پر ان شہروں کے ساتھ خود کو جس طرح ہمرشتہ کیا ہے، وہ اس کتاب کا قابل قدر وصف ہے ۔

مصنف ایک باخبر اور باذوق زائر ہیں جنہوں نے اپنے سفرِ شوق کے " مراکز " کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ان تبدیلیوں پر بھی نظر رکھی ہے جو تاریخی ارتقا کے نتیجہ میں ان " مراکز " کا مقدر بنیں ۔ وہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ .... شہرِ جلال الہٰی کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں اور اس شہر کی تاریخ میں اس خوبصورتی سے شامل ہو جاتے ہیں کہ اس کا واحد متکلم شاہد بھی بن جاتا ہے اور وارث بھی ۔ ۹۱ ۔ ۹۲ صفحات

ڈاکٹر سید علی رضا نقوی
سابق صدر شعبہ فقہ و قانونِ اسلامی ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد

سادہ و پرکار

کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک ادیب اور شاعر چھپا ہوتا ہے جس کا بروز کسی بھی وقت ، کسی بھی موقع پر اور کسی بھی حالت میں ہو سکتا ہے بغیر اس کے کہ خود اس انسان کو اس کا پہلے سے احساس ہو یا اس میں خود اس کی اپنی شعوری کوشش کو کوئی دخل ہو ۔ انسان کی تعلیم اور تجربہ اس صلاحیت کو مزید جلا بخشتے ہیں اور اس کے مشاہدات اس کی ادبی تخلیقات کو چار چاند لگا دیتے ہیں ۔

معلوم ہوتا ہے کچھ ایسا ہی واقعہ الحاج سید علی اکبر رضوی صاحب کے ساتھ پیش آیا ہے جن کی تازہ ترین کتاب " ارضِ جلال و جمال " کی تخلیق سے قبل دو نہایت دلچسپ نثری تخلیقات " کوہِ قاف کے اس پار " اور " سرزمینِ انقلاب " پہلے ہی منصہ ظہور پر آچکی ہیں ۔ ان کی پہلی تصنیف " کوہِ قاف کے اس پار " بخوبی اس ادبی ذوق اور تخلیقی صلاحیت کی آئینہ دار تھی جو اس وقت تک ان کے وجود میں پنہاں تھی ۔ اب بالآخر " ارضِ جلال و جمال " نے ان کی ان خوبیوں اور صلاحیتوں کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے اور ان کا ادبی اور شعری ذوق ، جو ان کی گذشتہ تخلیقات کے علاوہ جدید ترین تصنیف میں جگہ جگہ جھلک رہا ہے ، اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ شاید وہ دن دور نہیں جب کسی وقت بھی اچانک سید صاحب موصوف کا ادبی مایہ کسی شعری تخلیق کی صورت میں جلوہ گر ہو جائے گا ۔

" ارضِ جلال و جمال " میں رضوی صاحب نے کمال سادگی سے یک گونہ

پرکاری کا مظاہرہ فرمایا ہے ۔ وہ اس ارض جلال و جمال کی سیر کرتے وقت بڑی چابکدستی سے قاری کو ہمہ وقت اپنے ہمراہ لے کر چلتے ہیں ، حتیٰ کہ اس معنوی سفر میں جب بعض مقامات کی زیارت کے دوران ، وفورِ جذبات کے زیرِ اثر ان پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ، تو قاری بھی اس وقت اس جذباتی کیفیت میں پوری طرح ان کا شریک ہوتا ہے اور اس عالمِ کیف میں ان کے بیساختہ بیانِ شوق اور اظہارِ سرور سے محظوظ ہوتا ہے ۔

اس سفرنامہ کی جملہ امتیازی خصوصیات میں سے ایک نہایت خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مقدس مقامات ، مزارات یا مساجد کے ذکر سے پہلے فاضل مصنف ان کے تاریخی پس منظر کو واضح کر کے قاری کو اس مقام ، مزار یا مسجد کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ کر دیتا ہے ، اور اس طرح وہ قاری کو اس مقدس مقام یا متبرک عمارت کی زیارت کے لئے ہر طرح آمادہ کر کے ، اس جگہ یا عمارت کی عظمت کا صحیح ادراک کرا دیتا ہے اور اس مرحلہ پر جب وہ اپنے مشاہدہ کو بیان کرتا ہے تو قاری کامل طور پر اس کی شدت ، گہرائی اور گیرائی سے لطف اندوز ہوتا ہے ، گویا وہ بنفسِ نفیس اس جگہ حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف حاصل کر رہا ہوتا ہے ۔

ان مقامات کے تفصیلی بیانات کے ساتھ ان کی گذشتہ اور موجودہ تصاویر اور نقشہ جات قاری کو ان کے گذشتہ اور حال کے تقابلی مطالعہ کا موقع فراہم کرتے ہیں ، خاص طور سے جنت البقیع کے مزاراتِ مقدسہ کی وہ تصاویر جو سعودی حکمرانوں کے ہاتھوں ۱۹۲۵ء کے انہدام سے قبل کا نقشہ پیش کرتی ہیں اور قاری کے دل میں اس عظیم زیاں کا احساس دلاتی ہیں جو امتِ مسلمہ کو ان عاقبت نااندیشانہ اور مجنونانہ اقدامات کے نتیجہ میں پیش آیا ہے ۔

علاوہ ازیں جگہ جگہ آیات ، احادیث اور عربی ، فارسی اور اردو کے اشعار نے

اس سفرنامہ کی ارزش ، حسن اور جاذبیت کو دوبالا کر دیا ہے ۔

اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف ان خواتین اور حضرات کے دلوں میں جذبہ زیارت موجزن ہو جاتا ہے جو ابھی تک ان عتباتِ عالیات کی زیارت سے محروم رہے ہیں بلکہ " وصف العیش نصف العیش " کے بمصداق ان لوگوں کو بھی مستفیض ہونے کا موقع فراہم ہوتا ہے جو ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اور ان کے دل میں ان مقاماتِ مقدسہ کی دوبارہ زیارت کا شوق انگڑائی لینے لگتا ہے ۔

آخر میں درگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ وہ سید صاحب موصوف کی طرح جملہ مومنین کو حج و عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور فرمائے اور " ارض ِ جلال و جمال" کے محترم مصنف کے ساتھ ان کی بھی جملہ نیک آرزوؤں کی تکمیل کے ضروری وسائل مہیا فرمائے اور رضوی صاحب موصوف کو اپنے خزانہ قدرت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی مزید توفیقات عطا فرمائے ! آمین

ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی
شعبہ اردو، جامعہ کراچی

قابلِ احترام اور باعثِ فخر

کسی بھی سفرنامے میں مکمل حالاتِ زندگی نہیں ہوتے ۔ نہ وہ سوانح عمری ہوتا ہے ۔ وہ صرف روزنامچہ بھی نہیں ہوتا اور نہ اس میں شخصی خاکہ ہوتا ہے بلکہ اس میں رودادِ سفر ہوتی ہے یا کسی سیاحت کی کہانی ہوتی ہے جو سفر کرنے والا خود اپنی زبانی بیان کرتا ہے ۔ گویا کسی ملک یا جگہ کی سیاحت کا آنکھوں دیکھا حال ہوتا ہے ۔ ان سفرناموں میں کسی بھی ملک کا تاریخی جغرافیہ ، تمدنی ، ثقافتی جھلکیاں اور رہن سہن ، بود و باش کے طریقوں کا ذکر ہوتا ہے ۔ سفرنامے میں سیاح صرف اپنی ذات کے تجربات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ ذات کے علاوہ اس ملک کی صدیوں کی تاریخ کا خلاصہ ہوتا ہے ۔ سفرنامہ نہ نمودِ غبار ہے اور نہ جلوۂ سراب بلکہ سیاحت کی سرگذشت و روداد ہے ۔ جس طرح خرمن و برق کا معاملہ آتش و خس کا افسانہ ہے ، اسی طرح سفرنامہ زندگی کی سیر و سیاحت کا جزوی افسانہ ہے ۔ اس میں سیاح ، ناول کے سفینے میں بیٹھ کر صفحۂ آب پر نقش نہیں کھینچتا بلکہ پانی کی ان گنت موجوں کی طرح کائنات کی وسعت و بیکرانی کا احاطہ کرتا ہے ۔ ہماری نثری اصنافِ ادب میں سفرنامے کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جس میں خارجیت اور داخلیت کا امتزاج ہوتا ہے ۔ سفرنامہ صرف چشم دید واقعات و مشاہدات پر لکھا جاتا ہے ۔ واقعات کی صداقت میں جس ذمے داری کو آنکھیں پورا کر سکتی ہیں وہ کان نہیں ، کیونکہ ایک چیز کا بغور مشاہدہ کئے بغیر اس کے بارے میں حقیقی جذبات اور تاثرات کا پیدا ہونا ممکن نہیں ۔ مثال کے طور پر جس شخص نے مکۂ معظمہ اور مدینہ

طیبہ کو بچشم خود دیکھا اور ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اس کے جذبات و تاثرات کی گہرائی اور خلوص کا کیا کہنا بہ نسبت اس شخص کے جس نے بچشم خود ان کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب سید علی اکبر رضوی نے مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کا سفرنامہ " ارض جلال و جمال " کے عنوان سے لکھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ عنوان بہت مناسب ہے، کیونکہ مکہ جلال ہے اور مدینہ جمال۔ مکے میں اللہ تعالیٰ کا جلال و کبریائی، جبروت و سطوت عیاں ہے جبکہ مدینے میں اللہ کے محبوب کے حسن و جمال کی جلوہ آرائی ہے۔ اس سفرنامے کی خوبی یہ ہے کہ مصنف کا سینہ، جذبہ دینی سے مملو ہے اور یہ سفر نامہ، وفور جذبات اور مذہبی جوش و خروش کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس لئے اس میں متاثر کن یا تاثیری کیفیت پائی جاتی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے:

" میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ایمان کامل پر خاتمہ ہو اور جب تک زندگی باقی ہے رزق حلال عطا فرماتا رہے۔"

اس دعا سے مصنف کے دینی لگاؤ اور سچے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر مصنف نے مدینۂ منورہ میں شب بیداری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

" نماز تہجد بھی ادا کی اور نماز فجر بھی۔ اس کے بعد نماز تشکر اور سجدۂ تشکر میں محو ہو گیا۔ وقت کی قید و بند سے آزاد ہو گیا اور بے حساب سجدے کئے اور ادا کرتا ہی رہا۔ جی یہی چاہا:

آج سجدوں کی انتہا کر دوں
شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے"

اس عبارت سے مصنف کے شوقِ سجدہ کے علاوہ ان کے جذبہ عبودیت اور احساسِ بندگی کا اظہار ہوتا ہے ۔ جو ذوق و شوق اور اللہ ربِ کائنات کے حضور نیاز مندی اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے ، وہ بلاشبہ مصنف کے پورے وجود میں موجزن ہے ۔ ایک اور موقع پر مصنف نے لکھا ہے :

" آج ہم زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گذارنا چاہتے تھے ، دعائیں اور سجدے کرنا چاہتے تھے ۔ بچپن میں بزرگوں نے کچھ دعائیں اور مناجاتیں حفظ کرائی تھیں ، بے اختیار یاد آنے لگیں ۔ دل ہی دل میں ان کو پڑھنا شروع کر دیا ۔ جی چاہتا ہے کہ رب العزت کی لو میں سجدے پر سجدے کرتا رہوں اور ہمہ وقت حضورِ قلب سے دعائیں مانگتا رہوں ۔ پروردگارِ ارض و سما بار بار مانگنے سے خوش ہوتا ہے ۔ بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ "

ان عبارتوں سے مصنف کے دلی جذبات اور خالص مذہبی احساسات کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنف میں اسلام سے محبت ، شغف اور دینی مودت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ دین کی سچی چاہ اور اپنے مذہب اور شعائرِ اسلام میں کھو جانے کی جو کیفیت ان کے ہاں پائی جاتی ہے ، وہ بہت قابلِ احترام اور باعثِ فخر ہے ۔ یہ جذبہ اسلامی ، اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو مبدأ فیض نے ان کو عطا کیا ہے اور سچ پوچھئے تو انہوں نے جو مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام و اکرام ہے کہ اس نے ان کو اس دولت سے بہرہ یاب کیا ۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس دولتِ ایمانی اور حرارتِ ایمانی سے سرفراز کرے ۔ (آمین) ۔

اس سے قبل بھی مصنف کے دو سفرنامے " کوہِ قاف کے اس پار " اور " سرزمینِ انقلاب " منظرِ عام پر آچکے ہیں اور ملک میں ان کی پذیرائی ہوئی ہے ۔ " ارضِ جلال و جمال " میں مصنف نے سرزمینِ حرم کے روح فرسا مناظر اور تسکینِ

دل و جان لمحات کی بڑی خوش اسلوبی سے عکاسی کی ہے ۔ بعض سفرنامے ذوق ِ تجسس کی بنا پر لکھے جاتے ہیں ، جیسے ابن ِ بطوطہ کا سفرنامہ کہ اس نے دنیا کا حال جاننے کے لئے سفرنامہ لکھا ، لیکن بعض سفرنامے خوش عقیدگی اور دینی اعتقادات کی تسکین کے لئے لکھے جاتے ہیں ۔ سید علی اکبر رضوی صاحب نے اپنا سفرنامہ " ارض ِ جلال و جمال " اسی دینی وابستگی کے اظہار کے لئے لکھا ۔ یہ ایک نیک جذبہ ہے ۔ اپنے دین ِ اسلام سے محبت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے ، اس لئے ان کا شوق ِ سفر ، مقامات ِ مقدسہ کی طرف کشاں کشاں لے گیا ، کیونکہ ان کی زیارت سے ان کو تسکین ِ دل و جان حاصل ہوتی ہے اور ان کی روح کو سکون ملتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس سفرنامے میں مشاہدات و کیفیات کے علاوہ اپنی قلبی واردات کا بھی اظہار کیا ہے ۔

یوں تو دنیا میں بڑے بڑے سیاح ہوئے جنہوں نے اپنے سفرنامے لکھے ۔ ان میں واسکو ڈی گاما ، مارکو پولو ، ہیوئن سانگ ، ابن ِ بطوطہ اور البیرونی کے نام بہت مشہور ہیں ۔ اردو میں جن سفرناموں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان میں مولانا شبلی کا سفرنامۂ مصر و شام ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا سفر حجاز ، مولانا مسعود عالم ندوی کا دیار ِ عرب ، مولانا محمد علی کا سفر یورپ ، سید احتشام حسین کا ساحل اور سمندر اور ابن ِ انشا کا سفرنامہ چلتے ہو تو چین کو چلئیے ، یہ سب بہت اچھے سفرنامے ہیں اور ان کی ادبی حیثیت ہے ۔

سید علی اکبر رضوی کے سفرنامے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشاہدات و تجربات کے علاوہ سادہ اسلوب ِ بیان اختیار کیا ہے ۔ ان کا سفرنامہ لکھنے کا انداز ، دلکش اور پرتاثیر ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اردو میں سفرناموں کے لٹریچر میں سفرنامۂ " ارض ِ جلال و جمال " اضافہ ثابت ہو گا اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔ ان کا یہ سفرنامہ دینی ، تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے بھی خاصے کی چیز ہے ۔

مکہ اور مدینہ دنیائے اسلام کے دو مقدس شہر ہیں ، اس لئے مصنف نے ان مقدس شہروں سے دینی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ شہر ہیں جہاں سے آفتاب رسالت طلوع ہوا جو فخر کائنات اور افضل الانبیا تھے اور جنہوں نے اقوام عالم کو اخوت ، انسانیت ، سچائی اور عدل گستری کا سبق دیا اور جس کی ضوفشانیوں نے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دیا ۔ ان مقدس شہروں کی خاک سے وہ خیرالبشر اٹھا جس نے عربوں کے جاہل اور وحشی قبائل کو انسانیت کا پیغام دیا ، جس نے ان کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا اور ان میں بڑے بڑے صاحب سیف و قلم اور صاحب کردار پیدا کئے ۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل تعلیم و تربیت نے ایک معاشرے کو جنم دیا جو دنیا میں سب سے زیادہ حیرت انگیز انقلاب کا باعث ہوا اور جس نے دنیا کو حقیقی جمہوریت سے آشنا کیا ۔ یہ ہیں وہ سچے دینی جذبات جن کا اظہار مصنف نے اپنی کتاب " ارض جلال و جمال " میں کیا ہے :

این شمع لالہ روشن کردہ اند
از کنار جوے ما آوردہ اند

سفرنامہ اگرچہ سوانح نہیں ہوتا ، لیکن اس میں سیاح کے ظاہر و باطن ، عادات و اطوار ، اخلاق و معاشرت اور زندگی کے نشیب و فراز کی جھلک بھی نظر آتی ہے ۔ اس سفرنامے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف کی باطنی کیفیت اور ذہنی رجحانات کا بے تکان اظہار ہے ۔ پورے سفرنامے میں مذہبی سرشاری اور والہانہ عقیدت کی اسپرٹ جاری و ساری نظر آتی ہے ۔ سچ پوچھئے تو سفرنامہ نہ تاریخ ہے نہ افسانہ بلکہ سچائی اور حقیقی زندگی کا ریکارڈ ہے ۔ یوں تو انسان کی پوری زندگی ایک سفر ہے اور مہد سے لحد تک ، انسان ، زندگی کے سفر میں مصروف عمل رہتا ہے کیونکہ انسان کی پوری زندگی سفر سے عبارت ہے :

میرا سفر ہے در وطن میرا وطن ہے در سفر

حقیقت یہ ہے کہ سفرنامہ " ارضِ جلال و جمال " میں اسلام یا دینِ حنیف سے محبت کی والہانہ کیفیت پائی جاتی ہے ۔ علی اکبر صاحب نے اپنے بیٹوں کو جو دعا دی ہے وہ بھی ان کے دل سے نکلی ہوئی آرزو ہے ۔ گویا اس سفرنامے پر " از دل خیزد بردل ریزد " والی بات صادق آتی ہے ۔ اس سفرنامے کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں بلکہ مصنف جو زائر حرم ہیں ، انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کو بغیر ملمع کاری کے بیان کر دیا ، اس لئے اس سفرنامے کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے :

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

سادگی و پرکاری سفرنامہ " ارضِ جلال و جمال " کا امتیازی وصف ہے ۔ مجھے امید ہے کہ یہ سفرنامہ سید علی اکبر رضوی صاحب کے دوسرے سفرناموں کی طرح قبولیت و پسندیدگی حاصل کرے گا ۔

حسین انجم
(مدیر طلوع افکار، کراچی)

دیندار و حق آثار

الحاج علی اکبر رضوی صاحب مدظلہ سے گذشتہ ڈیڑھ دو برس سے میرا نیاز مندانہ مراسم کا سلسلہ قائم ہے ۔ ادارہ جاوداں سے ان کی دو کتابیں " کوہِ قاف کے اس پار " ، اور " سرزمینِ انقلاب " شائع ہو چکی ہیں ۔ " ارضِ جلال و جمال " ان کی تیسری تصنیف ہے ۔ ان کتابوں کے ناشر ہونے کی حیثیت سے میرا رضوی صاحب سے اکثر و بیشتر رابطہ رہتا ہے ، اس لئے یہ بات میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہایت پڑھے اور کڑھے ہونے کے علاوہ حد درجہ بردبار ، بلا کے متحمل مزاج اور قیامت کے نکتہ شناس انسان ہیں ۔

میں نے سرزمینِ انقلاب میں ان کے بعض اوصافِ حمیدہ کے حوالے سے یہ قطعہ فارسی ان کی نذر کیا تھا:

علی اکبر تجارت کارِ قالی
جہاں گرد و جہاں بینِ مثالی
دلش غواصِ بحرِ حبِ یزداں
دماغش مہبطِ افکارِ عالی

اس دفعہ ایک اردو رباعی ان کی خدمت میں ہدیہ کر رہا ہوں ، اگر آپ

کو ان کی معرفتِ ذات حاصل ہے تو آپ درج بالا قطعہ اور درج ذیل رباعی سے صحیح معنیٰ میں مستفید و لطف اندوز ہوں گے ۔

رباعی

خوش خلق و خوش اطوار ہیں اکبر رضوی
دیندار و حق آثار ہیں اکبر رضوی
دولت نے بھی آلودۂ عصیاں نہ کیا
وہ صاحبِ کردار ہیں اکبر رضوی

سرودهٔ دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)

۱۳ ــ ۱۱ ــ ۱۹۹۵ م ــ ۲۱ ــ ۸ ــ ۴ ــ ۱۳۷۴ ھ ش

او

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بہ مناسبتِ تالیف وچاپ و انتشارِ کتاب ارض جلال وجمال (سفر نامہ سرزمین حجاز)
تصنیف منیف جناب آقای الحاج سید علی اکبر رضوی بزرگِ خاندانِ رضوی (کراچی)

(قصیدهٔ مادہ تاریخ)

ارضِ جلال وجمال، جلوهٔ صبحِ کمال

۱۳۷۴ ھ ش

ارضِ جلال و جمال ، روشنیِ روی او
سیدِ رضوی شده ، سروِ سخنگوی او

نورِ رسولِ خدا ، ارضِ جلال و جمال
گلبنِ پاکِ وفا ، چهرهٔ دلجوی او

آن کہ دلش زنده شد ، سوی خدائی رود
حاج علی اکبرَ است ، زائرِ نیکوی او

سرودهٔ دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)
۱۴ – ۱۱ – ۱۹۹۵ م = ۲۳ – ۸ – ۱۳۸۴ ھ ش

ہو

مدینہ نامہ
شوق دیدار مدینۃ المنورہ بہ مناسبتِ چاپِ کتابِ ارض جلال و جمال
یعنی سفر نامہ حجاز
تصنیف بسیار ارزندۂ جناب آقای الحاج سید علی اکبر رضوی دامت مجدہ العالیہ کہ باخلوص نیت و عشق حضرتِ رسول اکرمؐ و اہل بیتِ اطہارؑ سرزمین یثرب رادیدار کردہ

ہمہ چشمان ما، سوی مدینہ
ہمہ دلہای ما، سوی مدینہ
ہمہ افکار ما، افکار احمدؐ
ہمہ دربای ما، کوی مدینہ
جہانِ عارفانِ درگہ حق
شدہ پیمانگرِ روی مدینہ
اگر عشق محمدؐ بر دل آید
زنم زانو، بہ زانوی مدینہ
دلم در کوچہ ہای شہر عشاق
سپردہ راہِ مشکوی مدینہ

مدینه گفتی و بردی دل از من
شدم شعله من از هوی مدینه

محمد مصطفیٰ محبوبِ الله
جمال و خد و ابروی مدینه

دلم پیوسته این شهر زیبا
کشم رختِ صفا سوی مدینه

مرا شد آرزو گردش در آنجا
منم آویخته در موی مدینه

همه گلهای عالم گر ببویی
بود خوشبو ز خوشبوی مدینه

مدینه مرکزِ پیمانِ یاران
رسد نیرو ، ز نیروی مدینه

فرشته معتکف در دشتِ یثرب
خدا جوی و خدا گوی مدینه

بقیع آن بود چون مامنِ دل
ببین مشکینه گیسوی مدینه

در آن خانه که زہرا داشت منزل
شده روشنگرِ روی مدینه

همه آسودگانِ شهر محبوب
مثالِ بلبلِ کوی مدینه

نمازِ زائران در مسجدِ او
کند دل را رضا جوی مدینه

علی اکبر که گشته زائرِ آن
دل و جانش دعا گوی مدینه

بود او سید رضوی ز پاکان
همان گلزار گلبوی مدینه

سفر کرده که باشد رهروِ حق
مریدِ شاهِ مهروی مدینه

الهیٰ زنده و پاینده باشد
همارہ شهر نیکوی مدینه

رها دارد نوای ناله دل
برای دیدنِ روی مدینه

حصۂ تصاویر

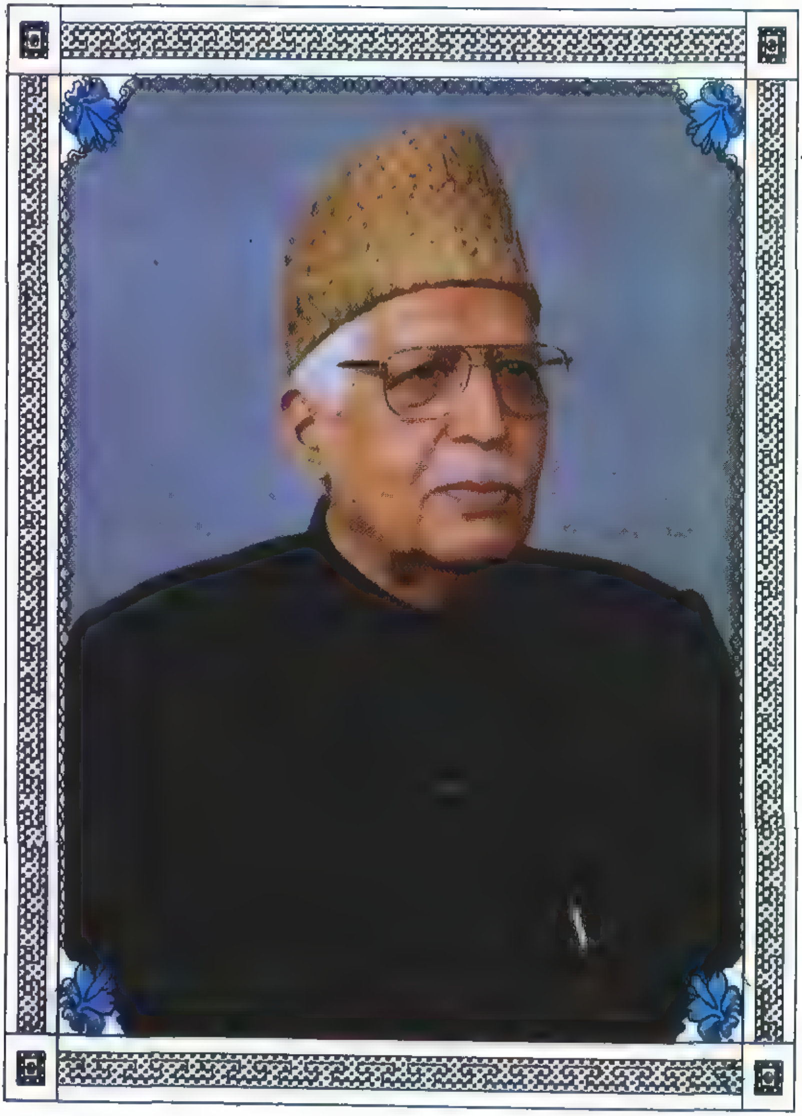

الحاج سید علی اکبر رضوی

الحاج سید علی اکبر رضوی

گود میں پسرزادہ سیف علی اکبر، درمیان میں پسرزادہ زین علی اکبر، بائیں جانب اہلیہ کنیز فاطمہ رضوی
کھڑے ہوئے دائیں جانب ہادی علی رضوی، مہدی علی رضوی اور محسن علی رضوی

تصاویرِ مکہ مکرمہ

(شہرِ جلالِ الٰہی)

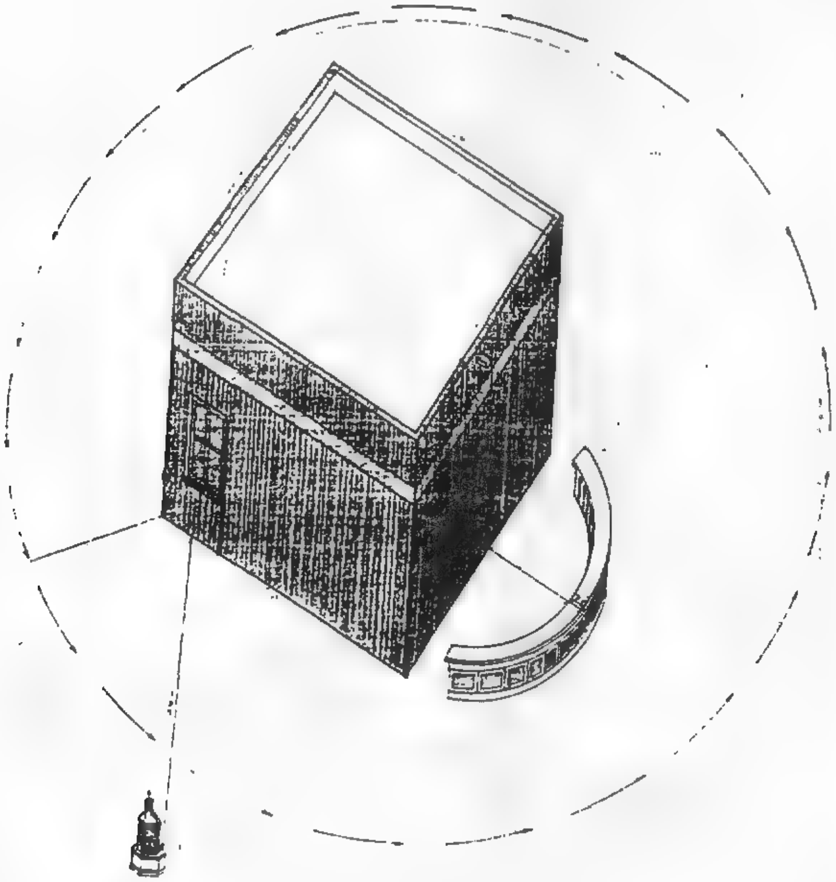

خانہ کعبہ (اسکیچ) از ضیاء آرکیٹیکٹ

نوٹ

۱۔ حجرِ اسود کا قطر تقریباً سات انچ ہے۔

۲۔ چاروں طرف سونے اور چاندی کا حلقہ ہے جس کی وجہ سے قطر بڑا ہو گیا ہے۔

۳۔ میزابِ رحمت کا پانی قبرِ اسماعیلؑ پر گرتا ہے۔ حضرت حاجرہ کی قبر بھی ساتھ ہی ہے۔

۴۔ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المعمور دنیا کے وجود میں آنے سے تقریباً دو ہزار سال قبل بہشت میں تعمیر ہوا اور کعبۃ اللہ ٹھیک اس کے نیچے ہے اور بیت المعمور کی نقل ہے۔ اسے پہلی بار حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کی مدد سے مکہ میں تعمیر کیا۔

۵۔ زمین سے حجرِ اسود کی بلندی چار فٹ گیارہ انچ ہے۔

۶۔ بابِ کعبہ زمین سے تقریباً چھ فٹ سات انچ بلندی پر ہے۔

۷۔ حجرِ اسود سے رکنِ عراقی تک کا فاصلہ تقریباً ترپن فٹ چار انچ ہے۔

۸۔ رکنِ عراقی سے رکنِ شامی چھتیس فٹ آٹھ انچ رکنِ شامی تا رکنِ یمانی اکیاون فٹ آٹھ انچ جبکہ رکنِ یمانی سے رکن اسود (حجراسود) کا فاصلہ تینتیس فٹ چار انچ ہے۔

۹۔ بیت اللہ کی بیرونی اونچائی بارہ اعشاریہ چھیانوے میٹر اور اندرونی اونچائی آٹھ اعشاریہ تیس میٹر ہے۔

۱۰۔ کعبہ کی چوکھٹ اور مقامِ ابراہیمؑ کی کھڑکی تک کا درمیانی فاصلہ تقریباً چھتیس فٹ پانچ انچ ہے۔

۱۱۔ میزابِ رحمت سے حطیم کا درمیانی فاصلہ تقریباً پچیس فٹ ہے۔

۱۲۔ حطیم میں داخل ہونے والے راستہ کی چوڑائی تقریباً چھ فٹ ہے اور باہر نکلنے کے کٹاؤ کی بھی۔

۱۳۔ حجرِ اسود کے ساتھ کالی پٹی سے طواف شروع ہوتا ہے اور ایک شوط (چکر) وہیں جا کر ختم ہوتا ہے۔

حوالہ جات "سیرت البم، مناسکِ حج و العمرہ (عربی)"
"لغتِ اسلامی (انگریزی) از Dictionary of Islam by
T.P. Hughes

(یاد رہے کہ پیمائش سے متعلق متعدد کتب میں قدرے اختلاف ہے)

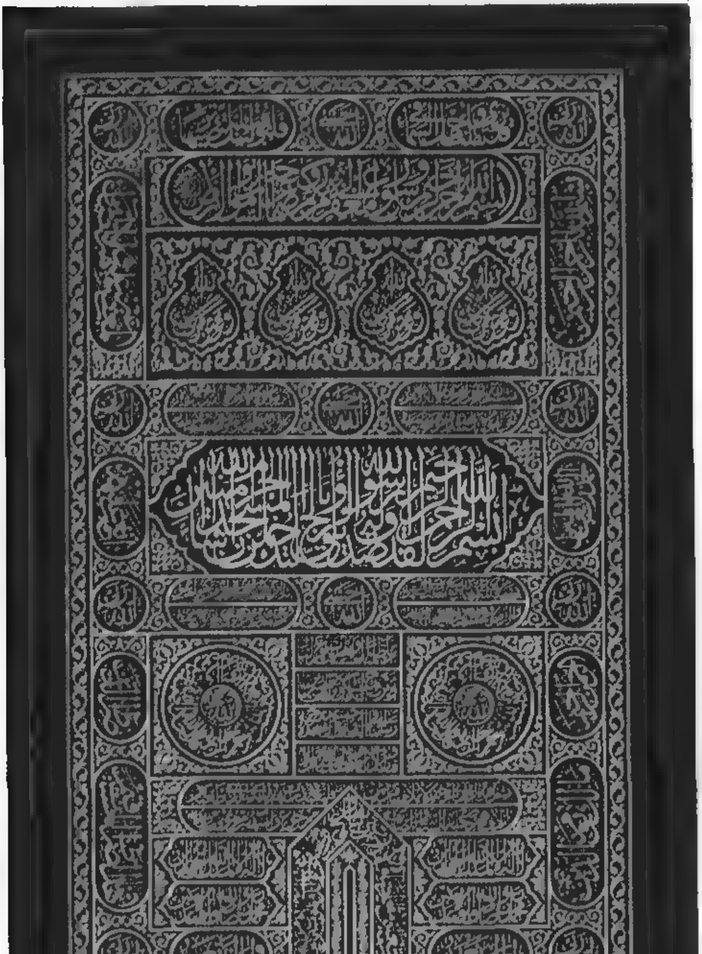

غلافِ خانہ کعبہ

غلاف کا وہ پردہ جو کعبہ کے دروازے پر ہوتا ہے اس میں زری سے سورتیں اور آیات کاڑھی گئیں ہیں

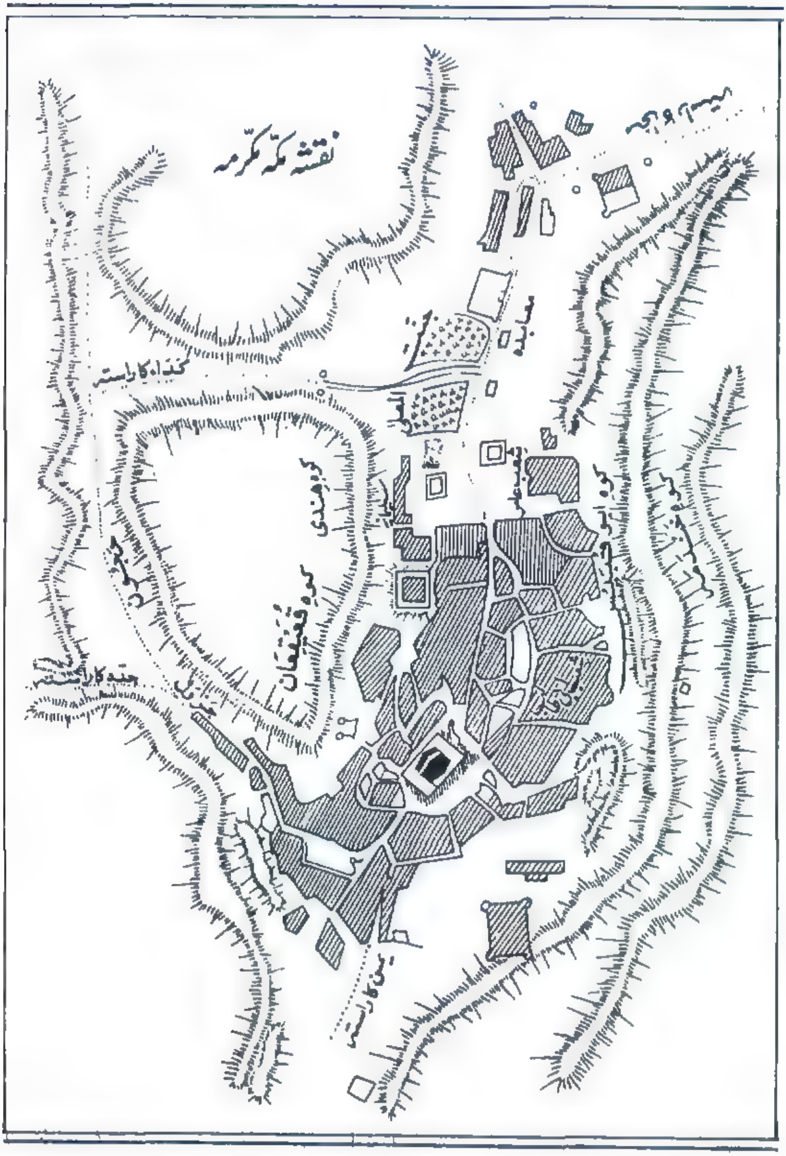

مکہ معظمہ کا نقشہ

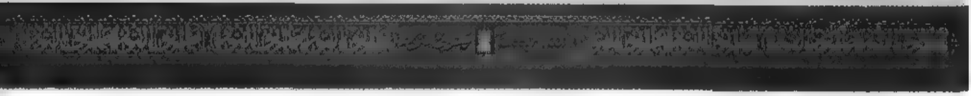

Makkah Throughout History

- Before recorded History; Makkah during Abraham.
- Year 157 before Hejrah (470 A.D.); Makkah during Gussei, the Fifth Grandfather to Prophet Mohammed (May Peace be upon Him).
- Year 12 before Hejrah (610 A.D.); Makkah during Guraish in the early days of Islam.
- Year 91 Hejrah (710 A.D.); Makkah during the Omayled Era.
- Year 310 Hejrah (923 A.D.); Makkah during the Abbasied Era.
- Year 1215 Hejrah (1800 A.D.); Makkah during the Ottoman Empire.
- Year 1412 Hejrah (1992 A.D.); Makkah today after the last extension of Almasjid Al-Haram, completed by the Custodian of the Two Holy Mosques, King Fahd bin Abdul-Aziz.

مکہ معظمہ تاریخ کی روشنی میں ۔

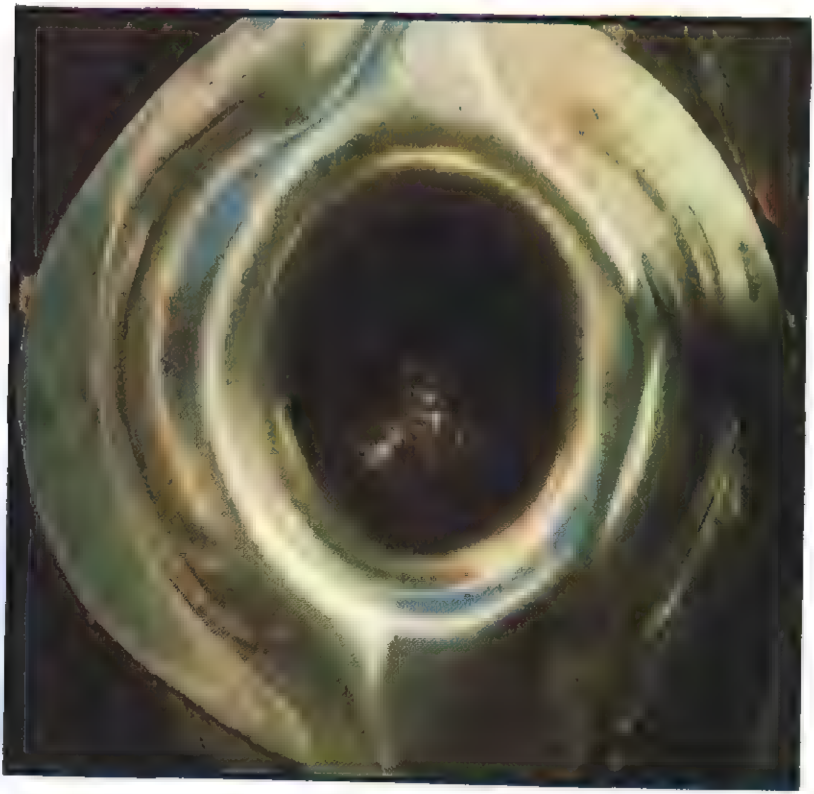

حجرِ اسود

حضور پاکؐ کی جائے پیدائش ۔ مکہ معظمہ (اب یہاں وزارت حج و اوقاف کا دفتر ہے)

محلہ بنی ہاشم، پرانے مکانات

وہ جگہ جہاں شعب ابو طالب تھی۔

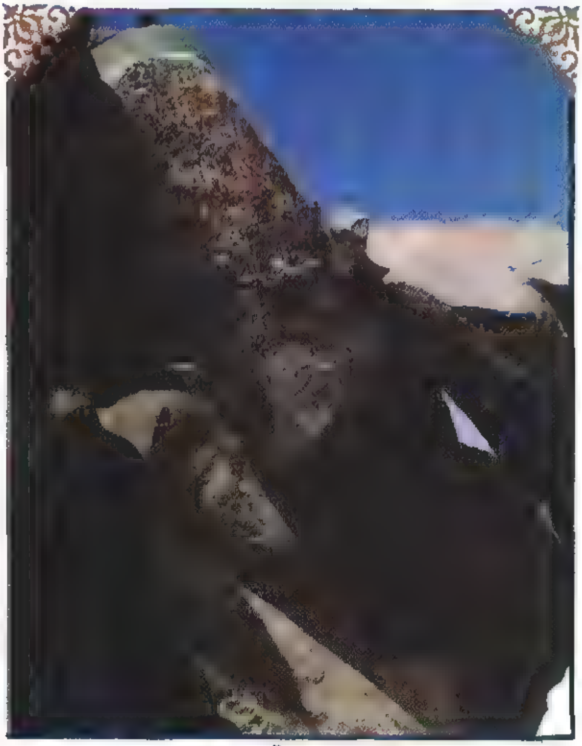

جبلِ نور پہ واقع غارِ حرا

صفا و مروہ کے درمیان "سعی" کا منظر

مقامِ حضرتِ ابراہیم

حرم اور مکہ معظمہ کا فضائی منظر

مسجد مشعر الحرام (مزدلفہ)

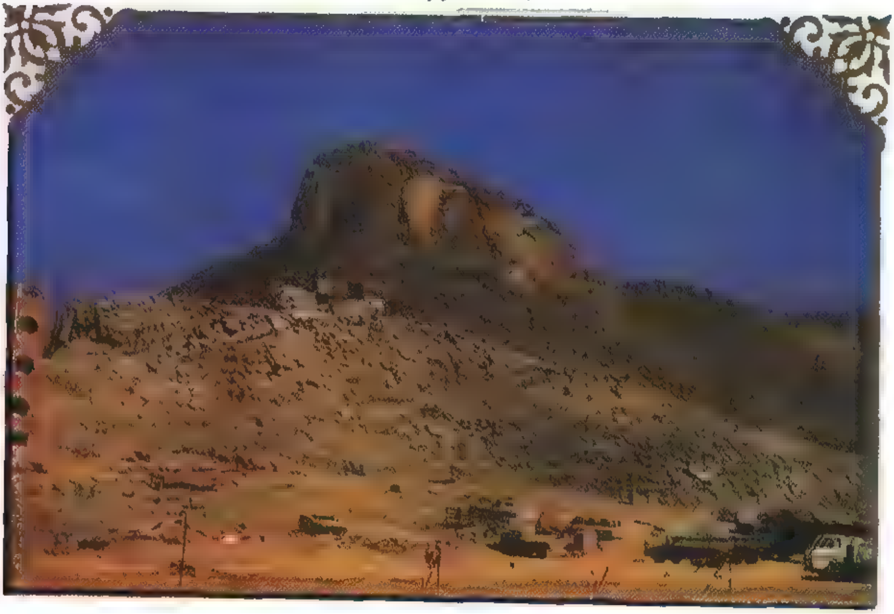

منیٰ کے راستہ میں جبل نور۔

منیٰ میں مسجد خیف۔

مصنف مع اہلیہ مسجد خیف کے دروازہ پر۔

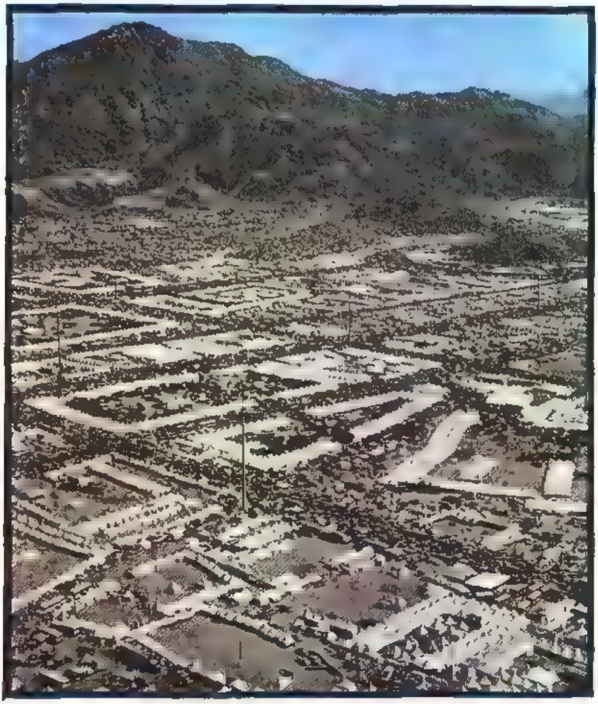

میدانِ عرفات کا فضائی منظر

جبلِ رحمت کا منظر

(مصنف اور ان کی اہلیہ اوپر جا رہے ہیں)

مصنف کی اہلیہ جبل رحمت کے دامن میں ۔

میدان عرفات میں مسجد نمرہ جہاں ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جارہی ہیں ۔

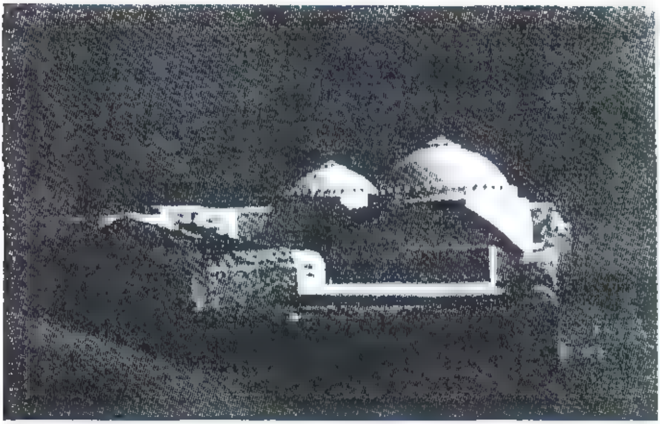

سرداران قریش حضرت عبدالمطلب و حضرت ابو طالب کے مزار ۔ (قبل انہدام)

جنت المعلیٰ کا عام منظر۔

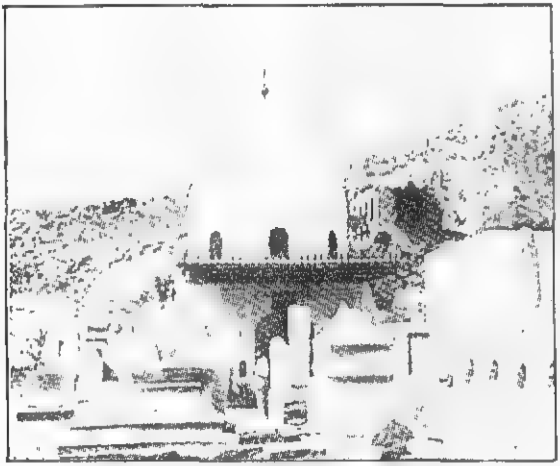

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزار کا گنبد ۔ (قبل انہدام)

جنت المعلیٰ کے قبرستان کا موجودہ منظر۔

مصنف منیٰ میں جمرہ کے پاس۔

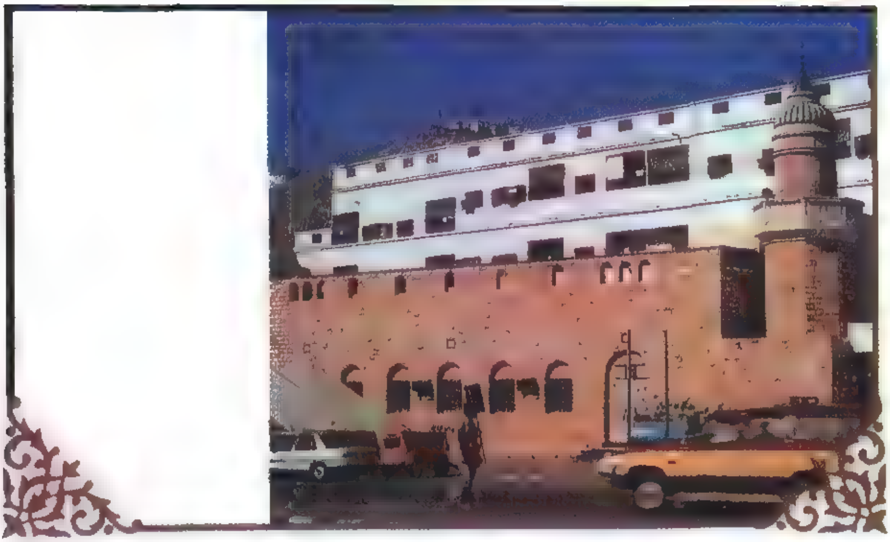

مسجد جن مکہ مکرمہ۔

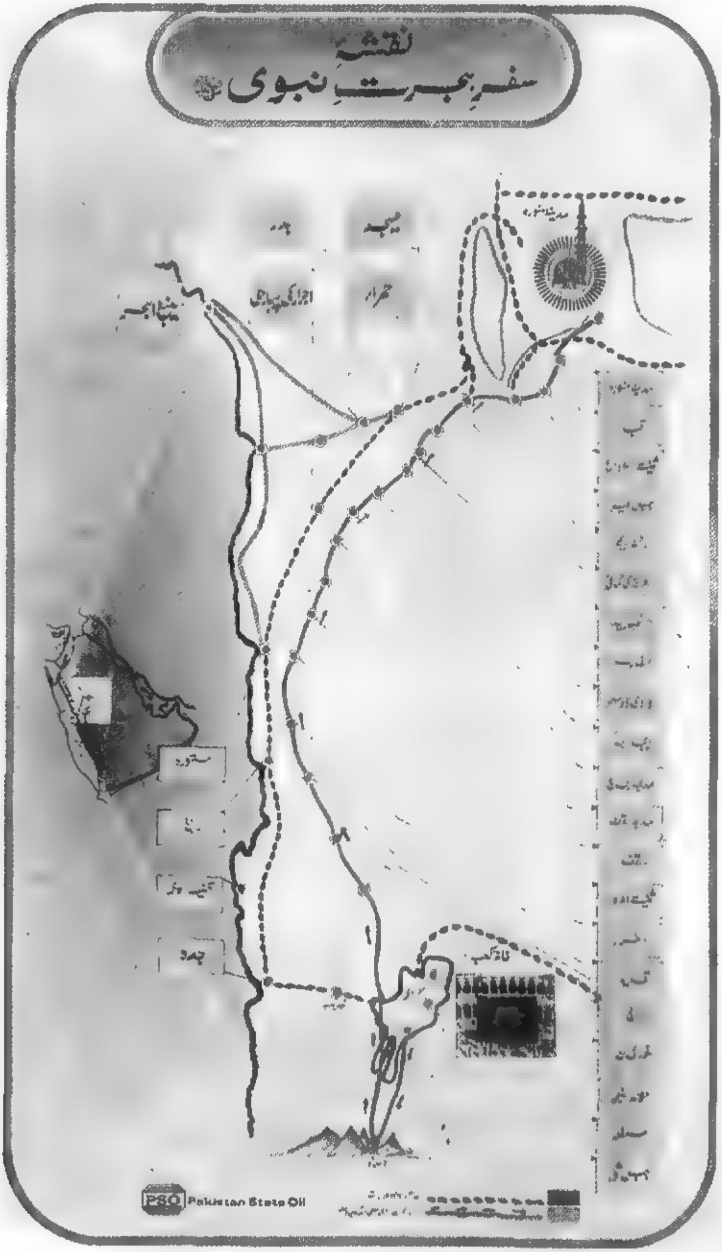

نقشہ سفر ہجرت نبویؐ۔

تصاویرِ مدینۂ منورہ

(شہرِ جمالِ محمدیؐ)

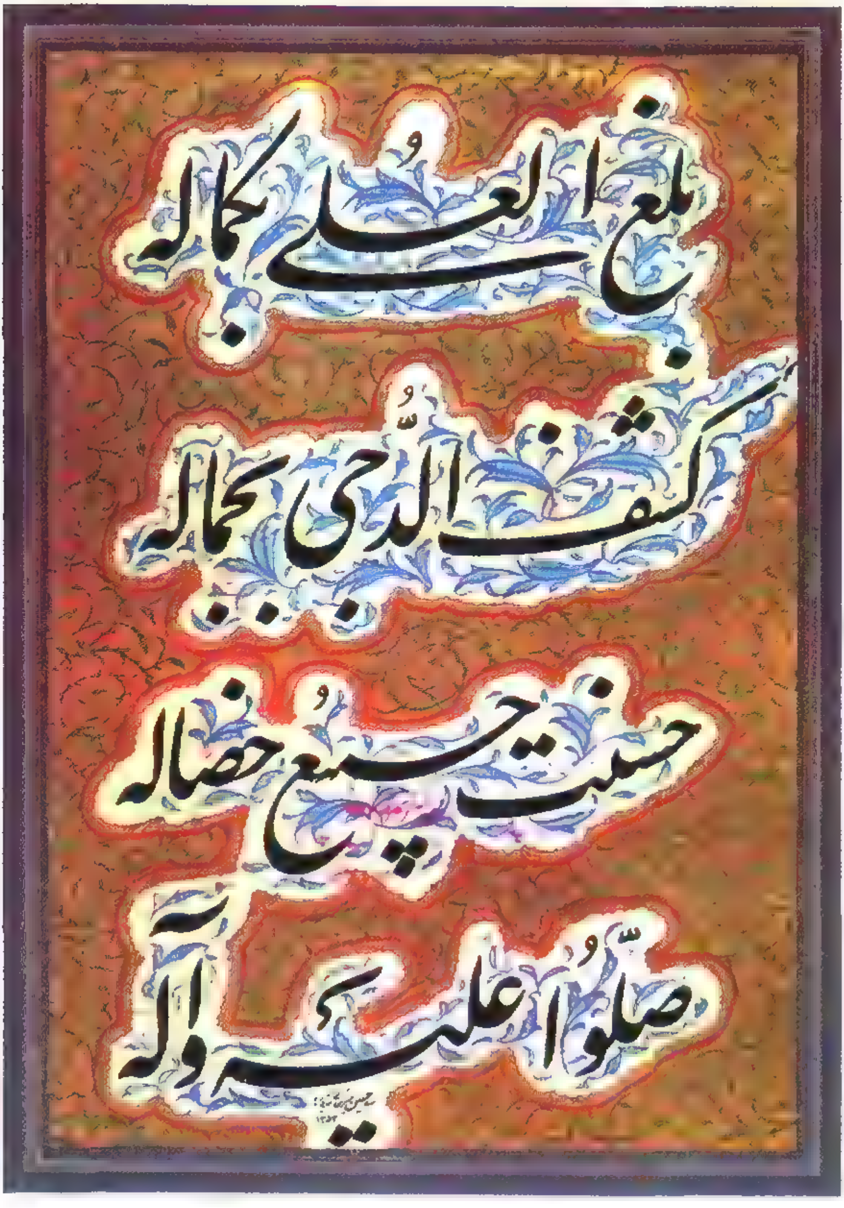

بلغ العلیٰ - سید حسین ایرانی کی خطاطی کا شاہکار

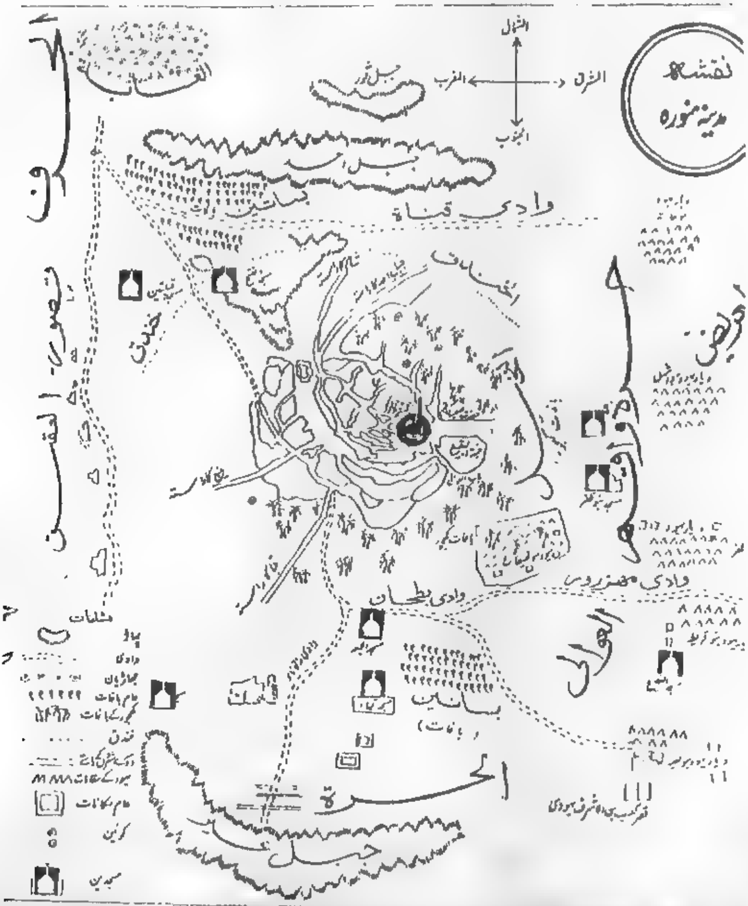

مدینہ منورہ کی قدیم تصویر جب شہر پناہ میں چار دروازے تھے۔

قبرِ رسول مقبولؐ (بڑا گول سوراخ) قبورِ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ (چھوٹے دو گول سوراخ)

مسجدِ نبویؐ، بابِ عثمانؓ (ترکوں کا خط ثلث میں شاہکار کتبہ)

حسنین علیہم السلام سے منسوب سرخ گنبد والا کمرہ جو روضہ رسولؐ کے سامنے تھا۔ اب یہ مسمار کر دیا گیا ہے۔

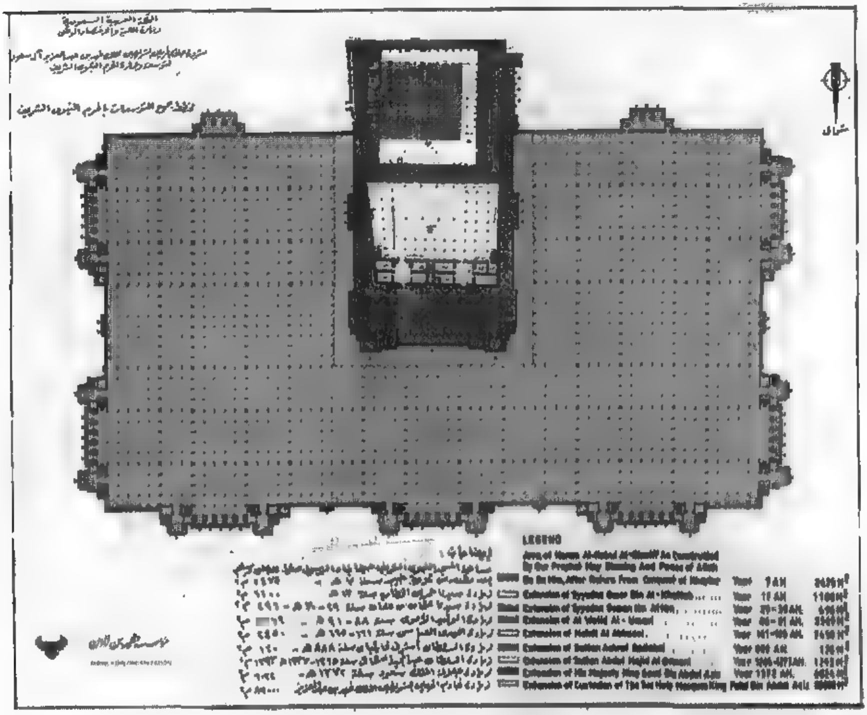

مسجد نبویؐ کی توسیع وقتاً فوقتاً۔

نقشہ مسجد نبویؐ

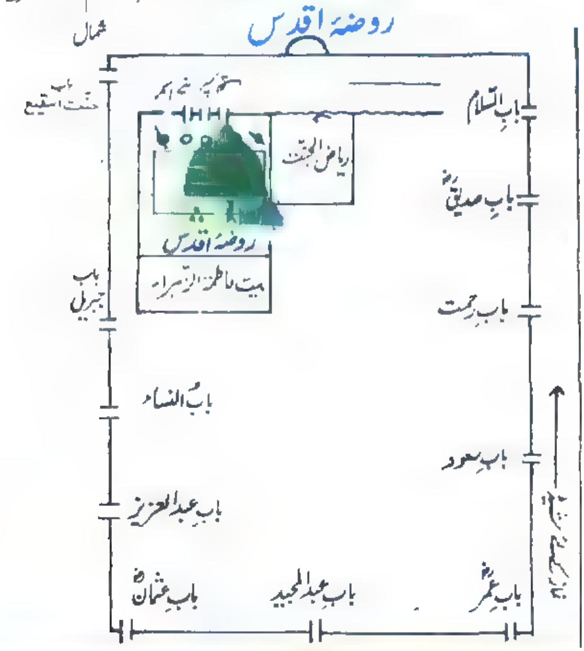

مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ) تعمیر نو کے درمیان۔

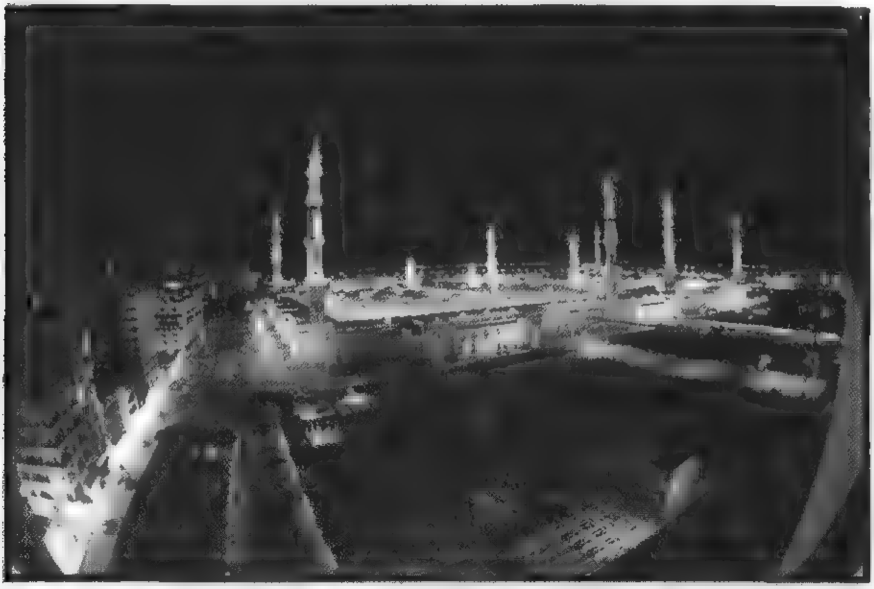

مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ) رات کا منظر۔

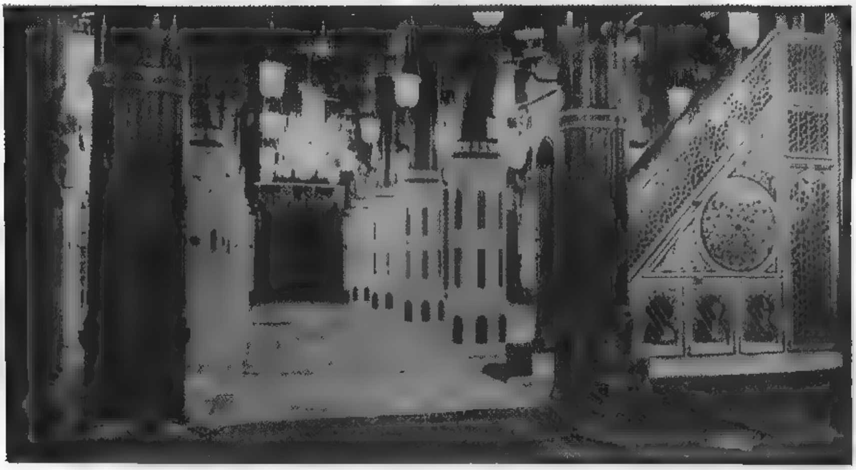

روضہ رسولؐ مدینۂ منورہ (ریاض الجنۃ کا حصہ)

حاجیوں کے قافلے (مدینہ منورہ) کی قدیم تصویر۔

رسول اللہؐ کا مکان مبارک مدینہ منورہ میں قبا کے پاس (قدیم تصویر)

بیت ابو ایوب انصاری مدینہ منورہ (قدیم تصویر)

بیت الشرف: واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ تاحیات یہاں عبادت خدا فرماتے اور مصائب آل محمد بیان کرتے رہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ (مدینہ منورہ ۱۳۹۶ھ)

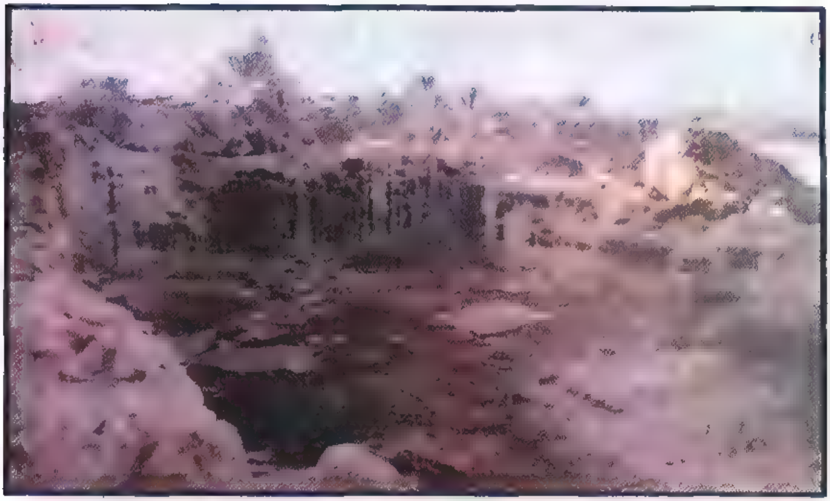

باقیاتِ بیت الاحزان (مدینہ منورہ۔ قدیم تصویر ۱۳۲۸ھ)

مقامِ بدر کی تصویر (مدینہ منورہ)

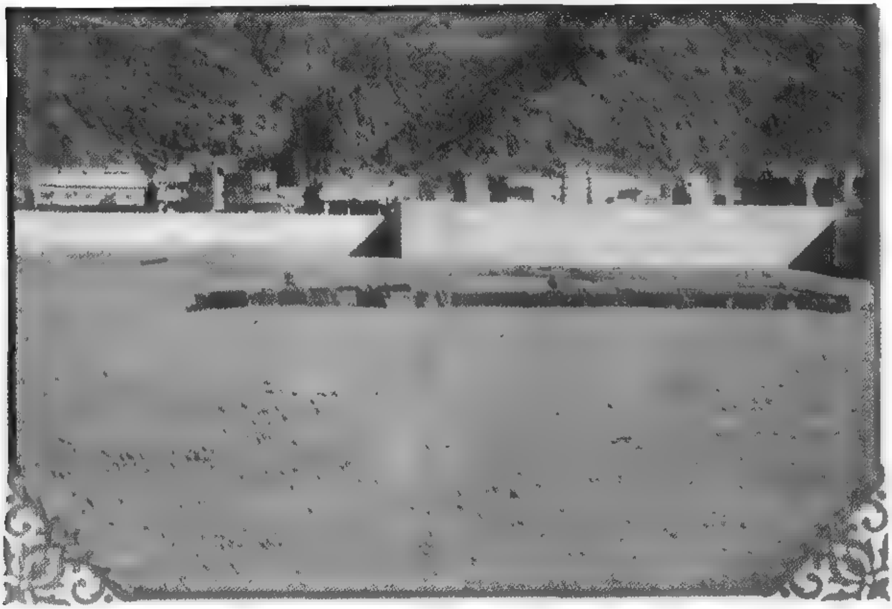

حضرتِ حمزہ کا مزار دامنِ احد میں

حضرت حمزہ کا مزار دامن احد میں (مختلف زاویے سے)

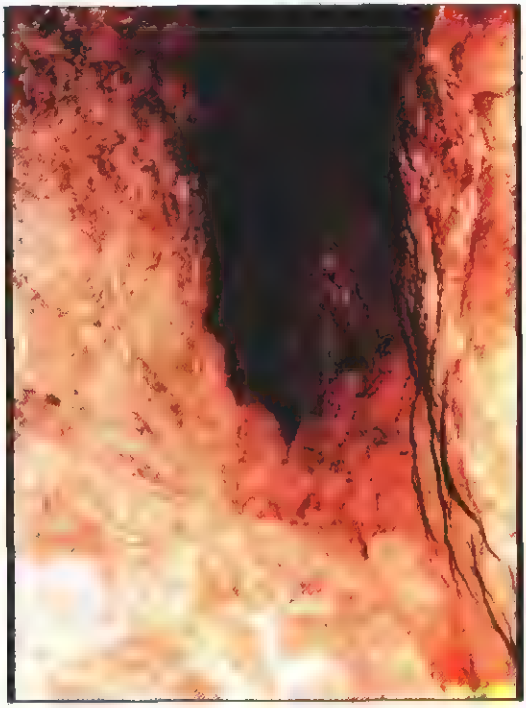

جبل احد کا وہ غار جس میں حضور اکرم نے زخمی ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

جنت البقیع کا قبرستان (مدینہ منورہ) جب مقبرے موجود تھے۔ (قبل انہدام)

جنت البقیع قبل انہدام (۱۳۲۱ھ)

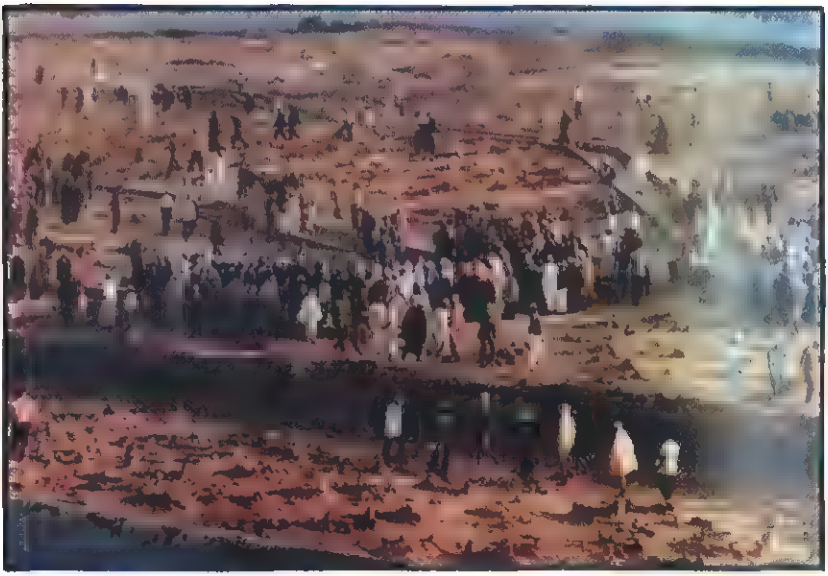

جنت البقیع (۱۳۹۵ھ)

جنت البقیع ۔ بعدِ انہدام

مسجد قباء قدیم

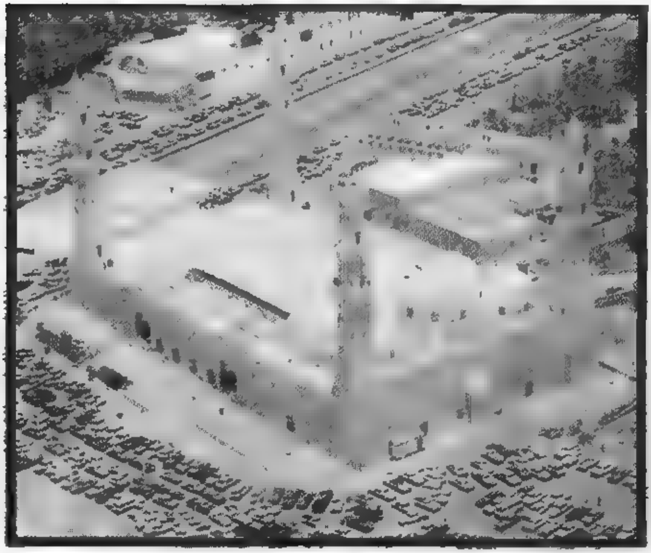

مسجد قبا جدید کا فضائی منظر

مسجد قبا (نئی تعمیر)

مسجدِ غمامہ مدینہ منورہ

مسجد قبلتین (قدیم) مدینہ منورہ

مسجد قبلتین جدید

مسجد علی مدینہ منورہ (قدیم)

مسجد جمعہ (مدینہ منورہ)

مسجدِ فتح، مدینہ منورہ کے مقام دخول پر مصنف ان کی اہلیہ اور میزبان علی عباس کے اہل خانہ

جبل سلع کے دامن میں غزوۂ خندق کی یادگار مسجدِ فتح بلندی پر ہے۔ باقی مساجد کے نام مسجد سلمان فارسیؓ، مسجد ابو بکرؓ مسجدِ عمرؓ مسجد علیؑ اور مسجد فاطمہؓ

مصنف مسجدِ فاطمہ مدینہ منورہ میں محو دعا ہیں۔

مصنف کی اہلیہ مسجدِ فاطمہ مدینہ منورہ میں محو مناجات ہیں۔

مساجد سبعہ مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد مصنف یادداشت لکھنے میں مصروف ہیں۔

مسجد فتح (مدینہ منورہ)

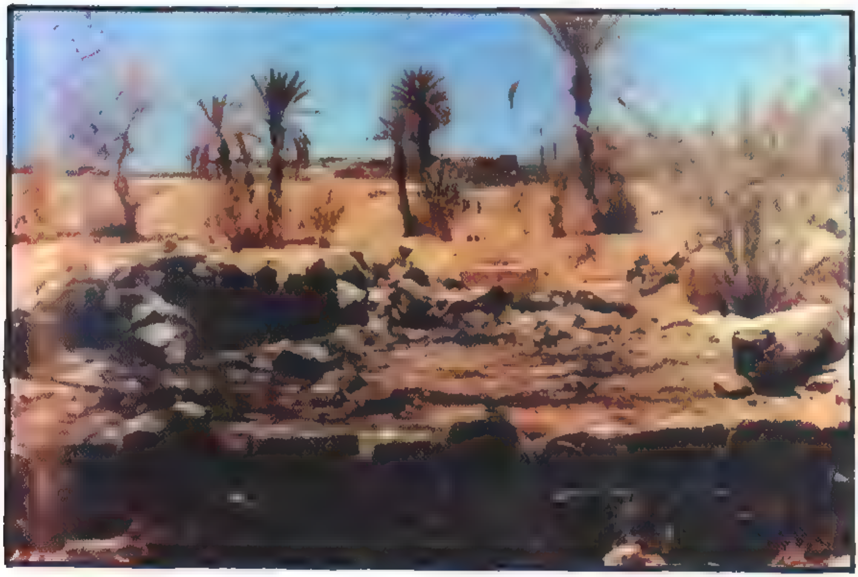

مسجد معرس کے آثار (مدینہ منورہ)

اریس کا قدیم کنواں (۱۳۲۰ھ)

غرس کا کنواں (مدینہ منورہ)

بئر عثمان کی قدیم تصویر (مدینہ منورہ)

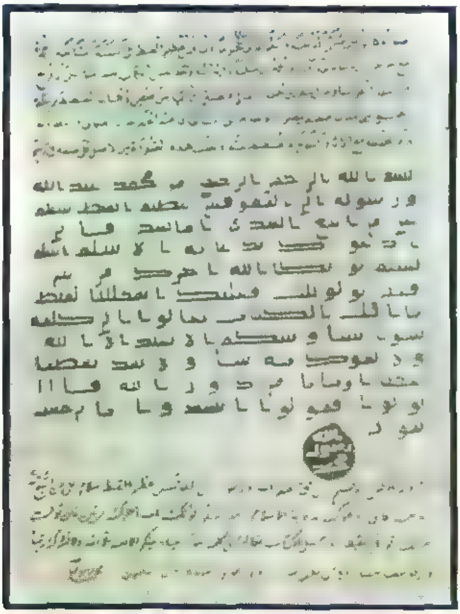

مقوقش کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبِ مبارک کا عکس

مہر نبوی جو اہم خطوط، مراسلات اور فرمانوں پر ثبت کی جاتی تھی۔

مشکوۃ میں حضرت علیؓ سے وصف النبیؐ میں روایت ہے کہ بین کتفیہ خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین یعنی

موجودہ شہر خیبر کا باب الداخلہ

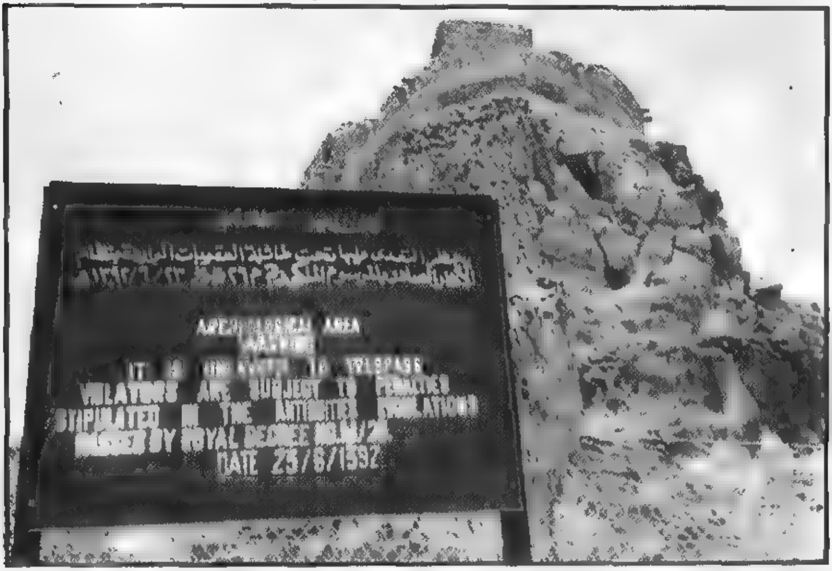

پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ قموص جسے تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے۔

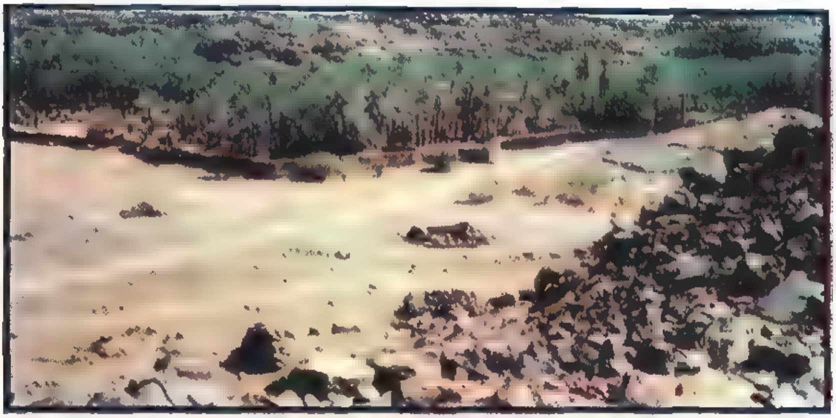

خیبر کا سرسبز و شاداب علاقہ

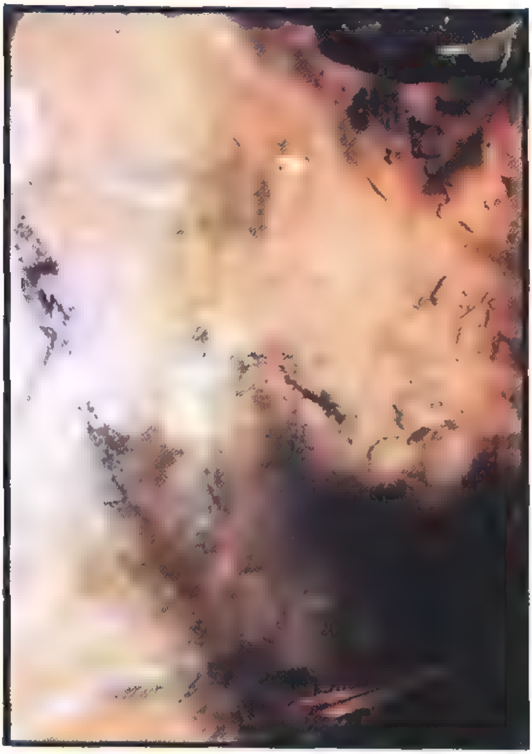

قلعہ قموص کے دامن میں واقع بئرِ علیؑ

مسجد علی جہاں مرحب قتل کیا گیا تھا۔

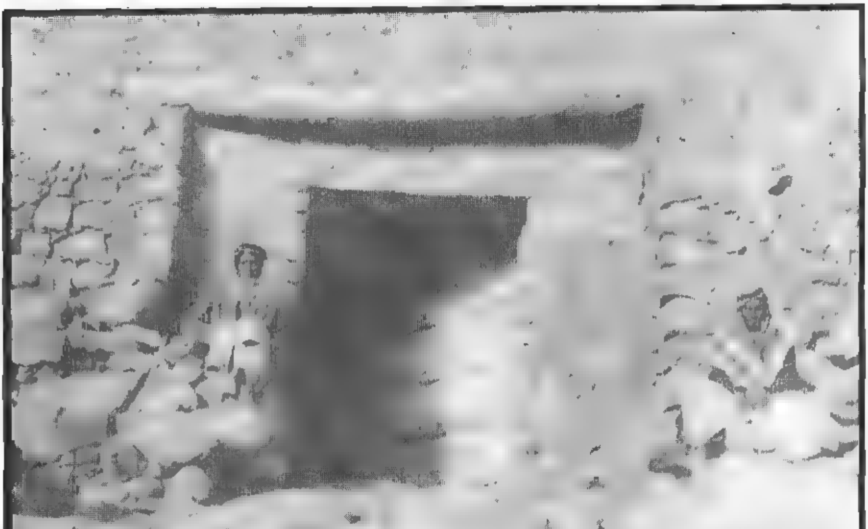

قلعہ کا دروازہ

قلعہ قموص کے نیچے وہ مسجد جس میں دوران محاصرہ حضرت علیؓ امامت فرماتے تھے۔

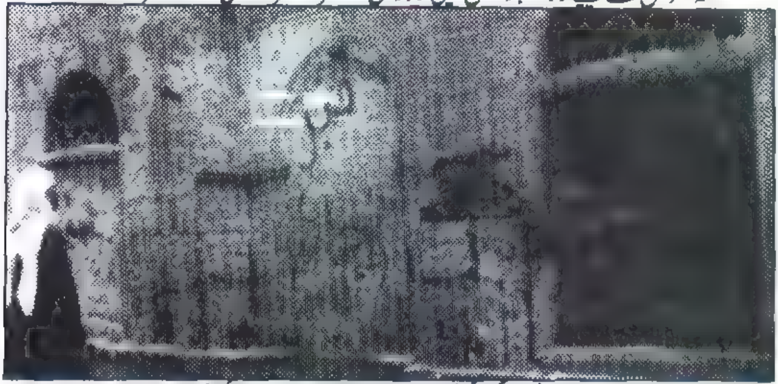

حضور اکرمؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی قبر

حضرت عبداللہ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی۔ گذشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجد نبویؐ کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل ترو تازہ اور صحیح و سالم تھی۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابیوں کی قبریں بھی تھیں۔ ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں۔ ان تمام میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

(تاریخ مکہ المکرمہ صفحہ ۲۰۲ از محمد عبدالمعبود۔ خطیب جامع مسجد، پھولوں والی۔، رحمن پورہ، راولپنڈی)

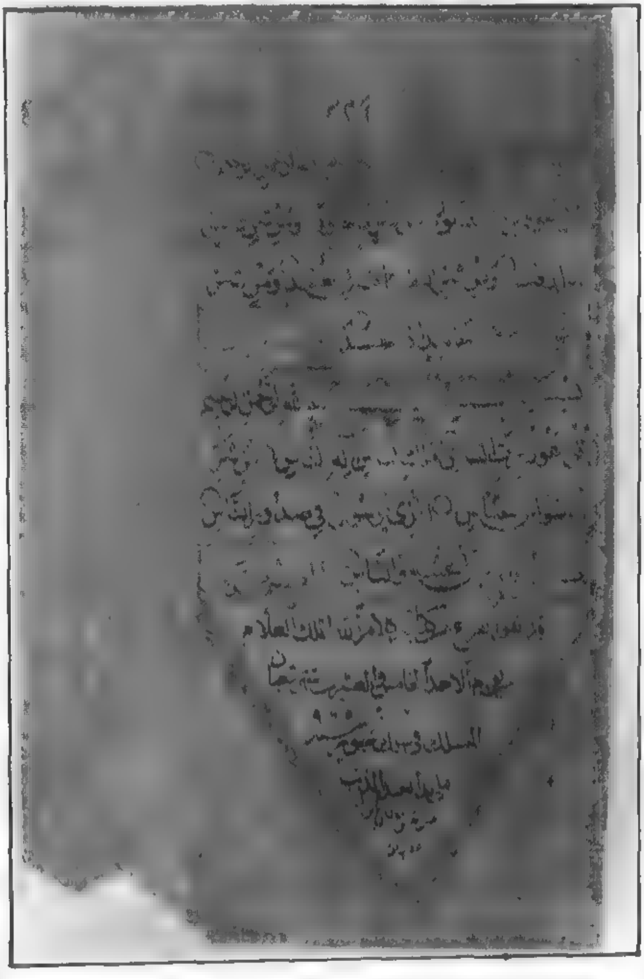

عکس قرآن حکیم مملوکہ مصنف

عکس قرآن مجید (طلائی) مملوکہ کتب خانہ مصنف

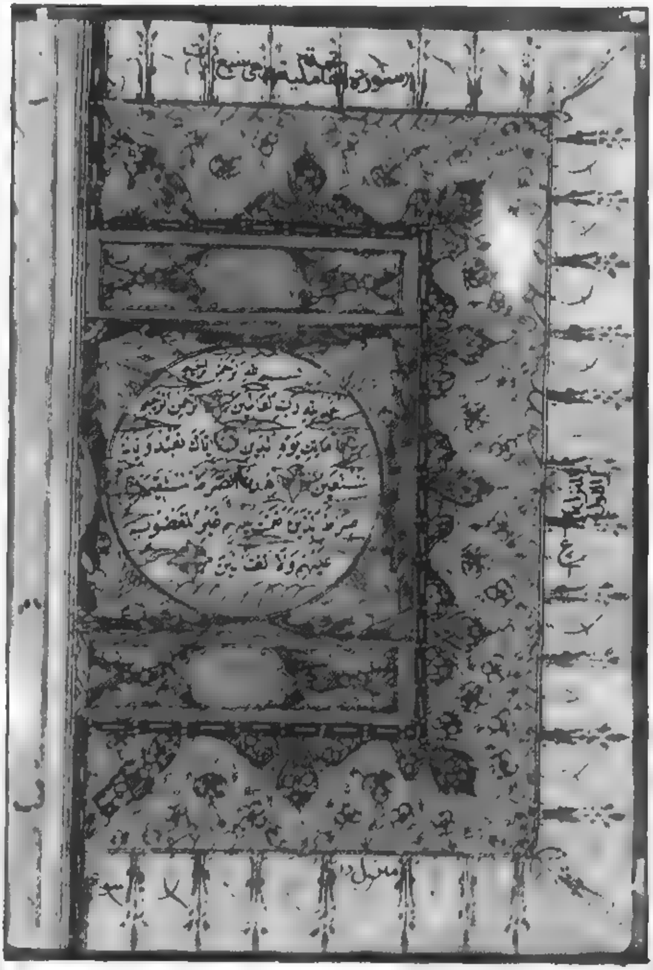

مصنف کے ذاتی کتب خانہ کے ایک نادر نسخۂ قرآن مجید کا عکس

مصنف کے ذاتی کتب خانہ کے ایک نادر نسخۂ قرآن مجید کا عکس

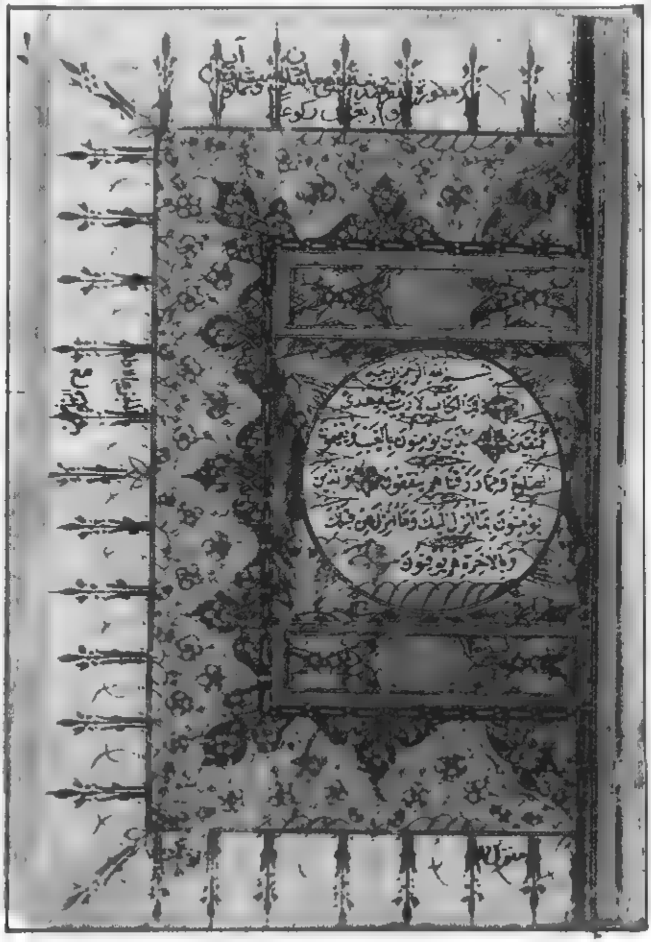

عکس قرآن مجید (طلائی) مملوکہ کتب خانہ مصنف

عکس قرآن حکیم مملوکہ مصنف

قلعہ قموص کے نیچے وہ مسجد جس میں دوران محاصرہ حضرت علیؓ امامت فرماتے تھے ۔

حضور اکرمؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی قبر

حضرت عبداللہ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی ۔ گذشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجد نبویؐ کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل ترو تازہ اور صحیح و سالم تھی ۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابیوں کی قبریں بھی تھیں ۔ ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں ۔ ان تمام میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا ۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی ۔

(تاریخ مکہ المکرمہ صفحہ ۲۰۲ از محمد عبدالمعبود ۔ خطیب جامع مسجد ، پھولوں والی ۔ ، رحمن پورہ ، راولپنڈی)

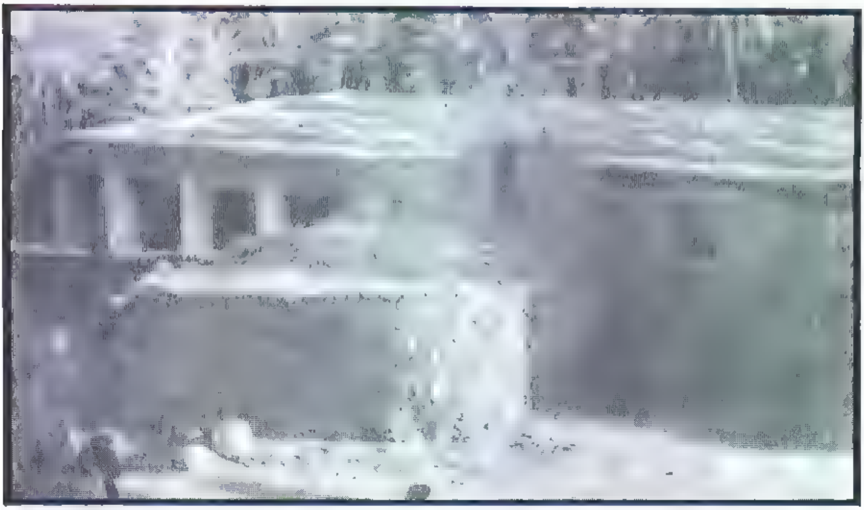

مسجد علی جہاں مرحب قتل کیا گیا تھا۔

قلعہ کا دروازہ

خیبر کا سرسبز و شاداب علاقہ

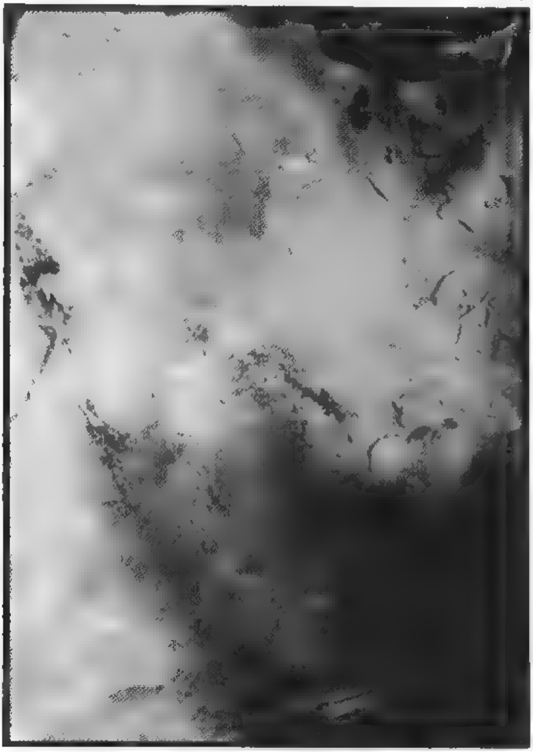

قلعہ قموص کے دامن میں واقع بئرِ علیؓ

موجودہ شہر خیبر کا باب الداخلہ

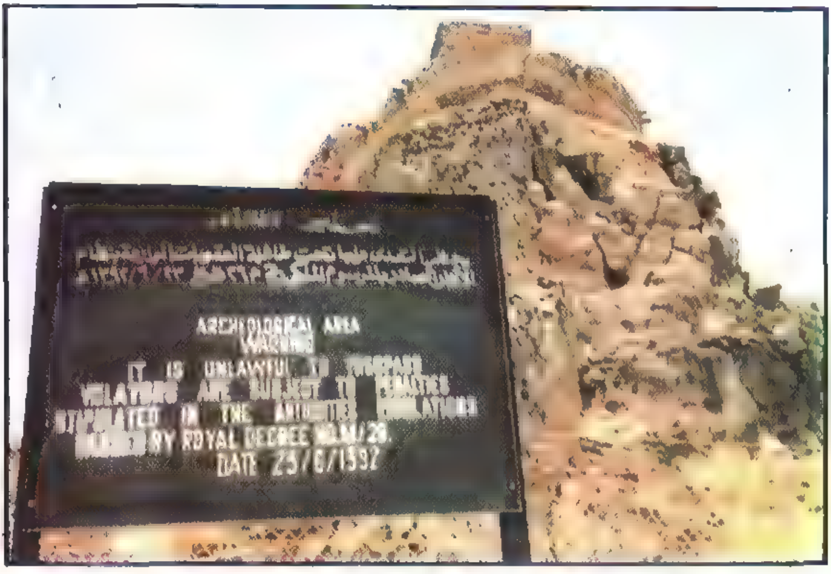

پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ قموص جسے تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے

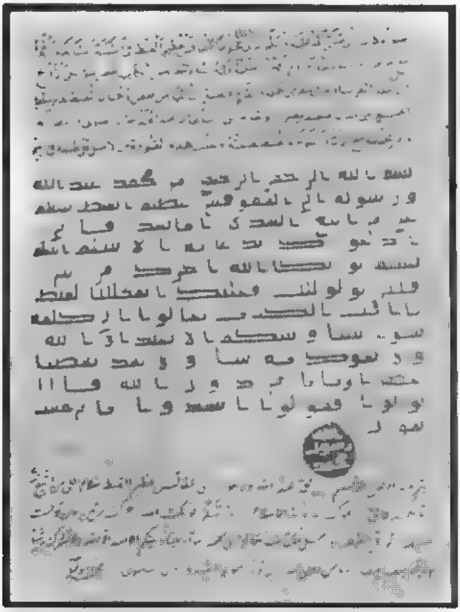

مقوقش کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبِ مبارک کا عکس

مشکوۃ میں حضرت علیؓ سے وصف النبیؐ میں روایت ہے کہ بین کتفیہ خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین یعنی

غرس کا کنواں (مدینہ منورہ)

بئر عثمان کی قدیم تصویر (مدینہ منورہ)

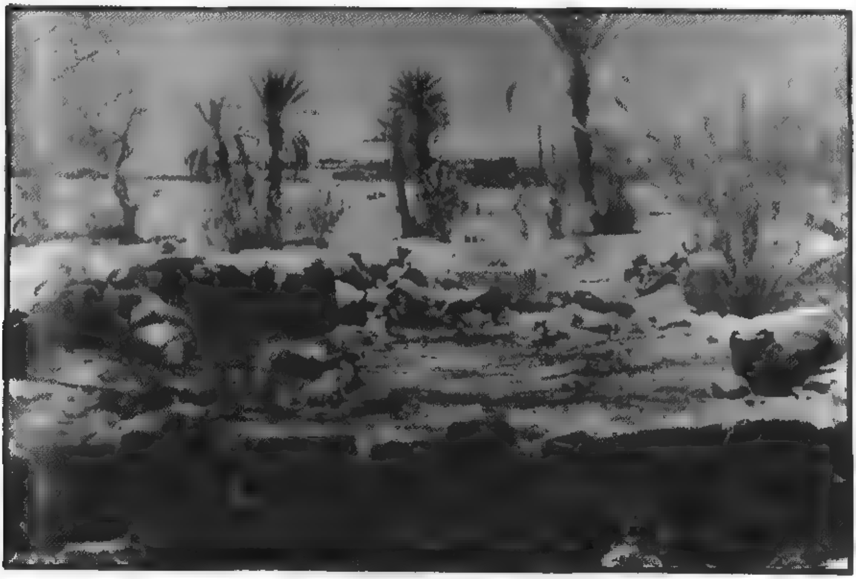

مسجد معرس کے آثار (مدینہ منورہ)

اریس کا قدیم کنواں (۱۳۲۰ھ)

مساجد سبعہ مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد مصنف یادداشت لکھنے میں مصروف ہیں۔

مسجد فضیح (مدینہ منورہ)

مصنف مسجدِ فاطمہ مدینہ منورہ میں محوِ دعا ہیں۔

مصنف کی اہلیہ مسجدِ فاطمہ مدینہ منورہ میں محو مناجات ہیں۔

مسجدِ فتح، مدینہ منورہ کے مقامِ دخول پر مصنف ان کی اہلیہ اور میزبان علی عباس کے اہلِ خانہ

جبل سلع کے دامن میں غزوۂ خندق کی یادگار مسجدِ فتح بلندی پر ہے۔ باقی مساجد کے نام مسجد سلمان فارسیؓ، مسجد ابو بکرؓ مسجدِ عمرؓ مسجد علیؓ اور مسجد فاطمہؓ

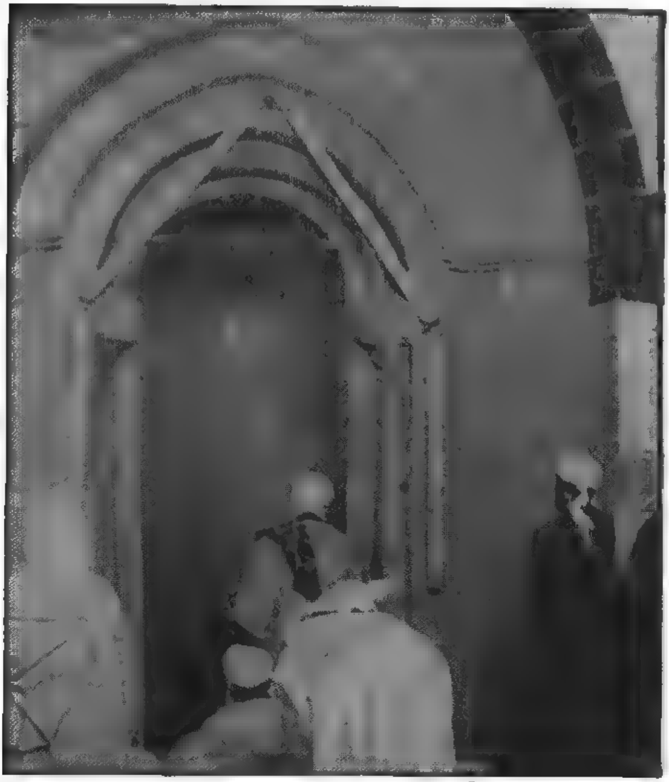

مسجد علی مدینہ منورہ (قدیم)

مسجد جمعہ (مدینہ منورہ)

مسجد قبلتین (قدیم) مدینہ منورہ

مسجد قبلتین جدید

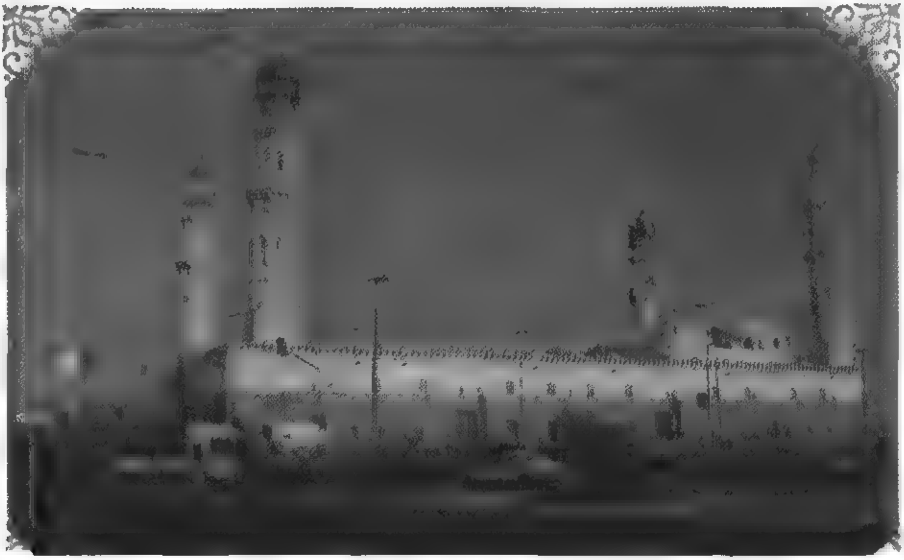

مسجد قبا (نئی تعمیر)

مسجدِ غمامہ مدینہ منورہ

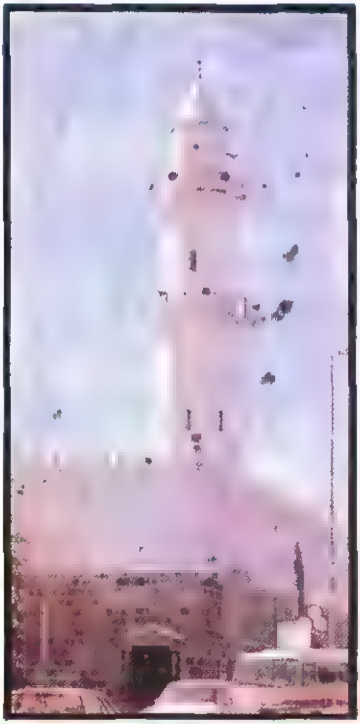

مسجد قباء قدیم

مسجد قبا جدید کا فضائی منظر

جنت البقیع (۱۳۹۵ھ)

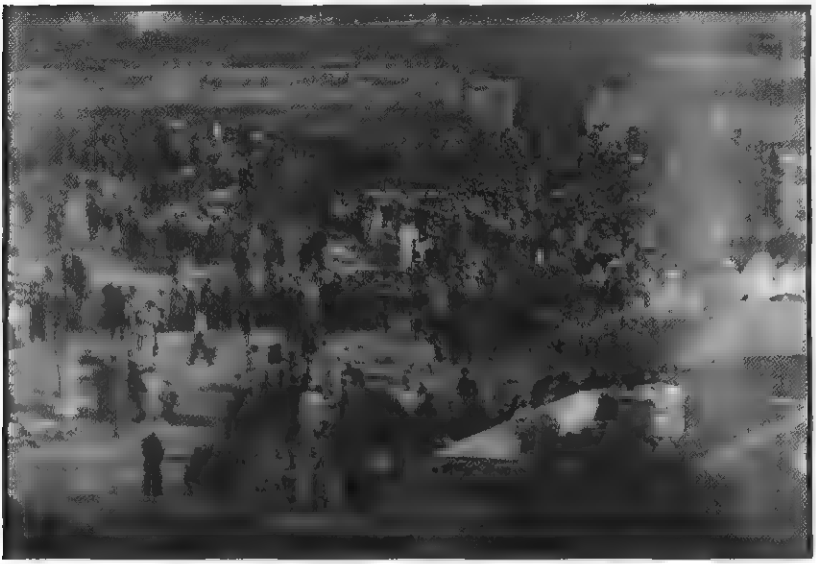

جنت البقیع ۔ بعدِ انہدام

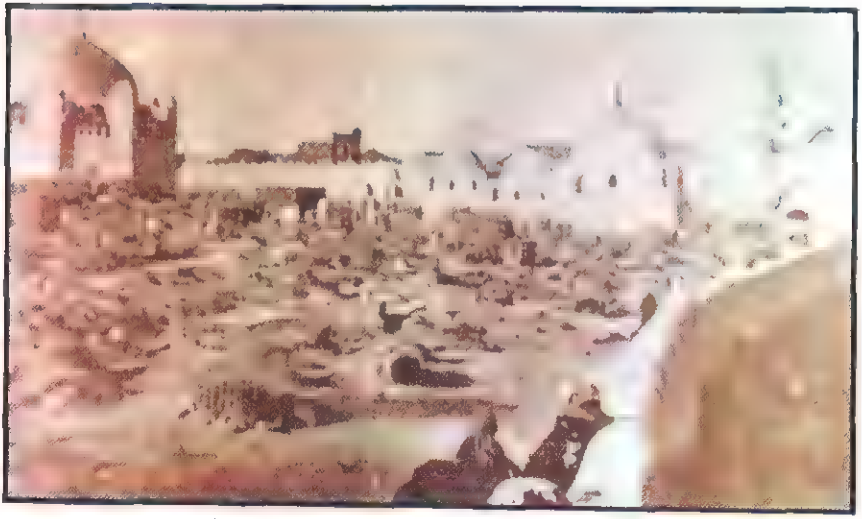

جنت البقیع کا قبرستان (مدینہ منورہ) جب مقبرے موجود تھے ۔ (قبل انہدام)

جنت البقیع قبل انہدام (۱۳۲۱ھ)

حضرت حمزہ کا مزار دامن احد میں (مختلف زاویے سے)

جبل احد کا وہ غار جس میں حضور اکرم نے زخمی ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

مقام بدر کی تصویر (مدینہ منورہ)

حضرتِ حمزہ کا مزار دامنِ احد میں

سقیفہ بنی ساعدہ (مدینہ منورہ ۱۳۹۶ھ)

باقیاتِ بیت الاحزان (مدینہ منورہ - قدیم تصویر ۱۳۴۸ھ)

بیت ابو ایوب انصاری مدینہ منورہ (قدیم تصویر)

بیت الشرف: واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ تا حیات یہاں عبادت خدا فرماتے اور مصائب آل محمد بیان کرتے رہے۔

حاجیوں کے قافلے (مدینہ منورہ) کی قدیم تصویر۔

رسول اللہؐ کا مکان مبارک مدینہ منورہ میں قبا کے پاس (قدیم تصویر)

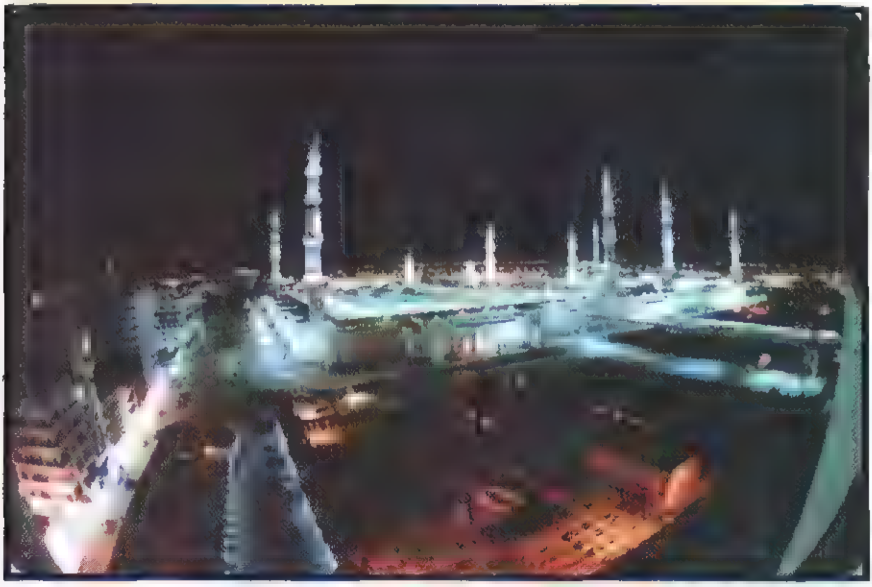

مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ) رات کا منظر۔

روضہ رسولؐ مدینہ منورہ (ریاض الجنۃ کا حصہ)

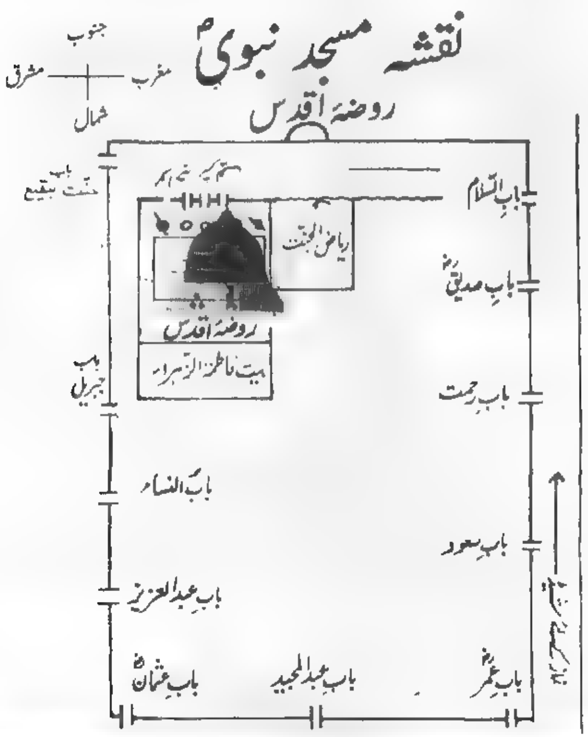

مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ) تعمیر نو کے درمیان۔

حسنین علیہم السلام سے منسوب سرخ گنبد والا کمرہ جو روضہ رسولؐ کے سامنے تھا - اب یہ مسمار کر دیا گیا ہے -

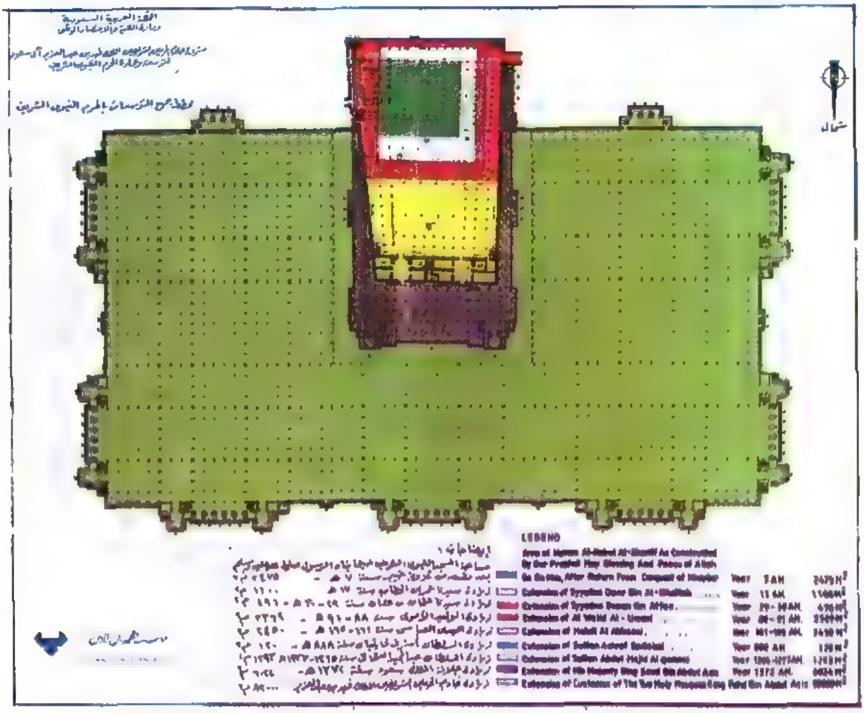

مسجد نبویؐ کی توسیع وقتاً فوقتاً -

قبرِ رسول مقبولؐ (بڑا گول سوراخ) قبورِ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ (چھوٹے دو گول سوراخ)

مسجدِ نبویؐ ، بابِ عثمانؓ (ترکوں کا خط ثلث میں شاہکار کتبہ)

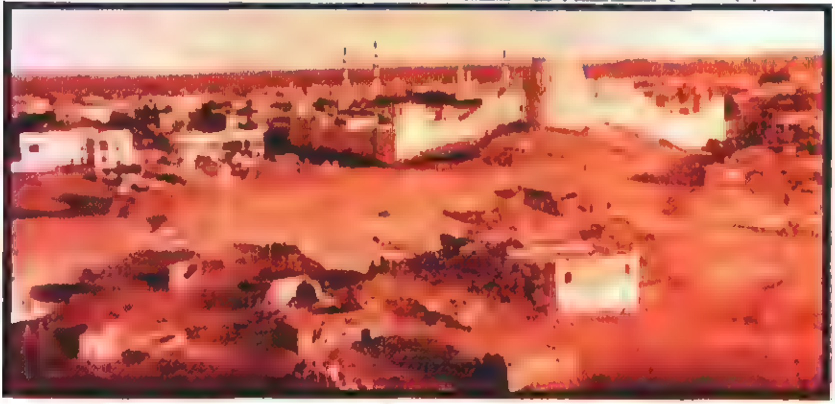

مدینہ منورہ کی قدیم تصویر جب شہر پناہ میں چار دروازے تھے۔

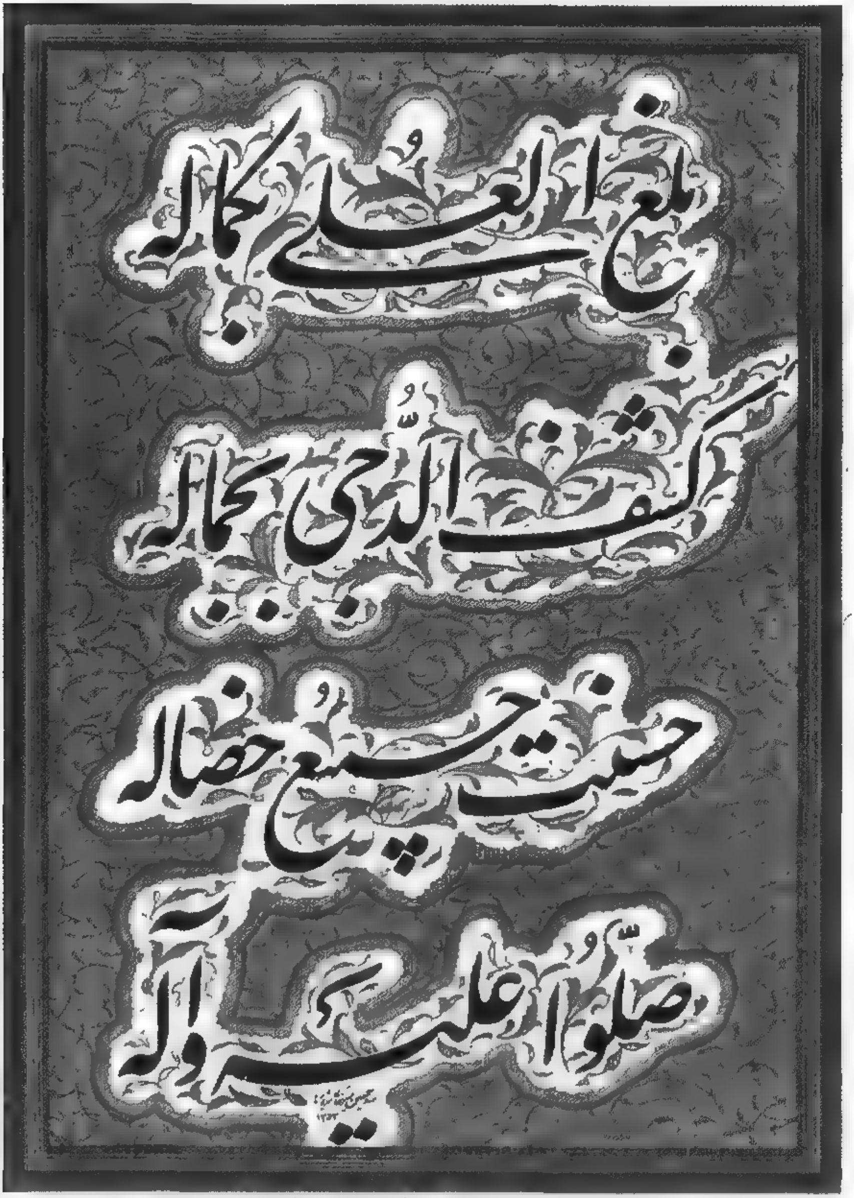

بلغ العلیٰ ۔ سید حسین ایرانی کی خطاطی کا شاہکار

تصاویرِ مدینۂ منورہ

(شہرِ جمالِ محمدیؐ)

نقشہ سفر ہجرت نبویؐ۔

مصنف منیٰ میں جمرہ کے پاس۔

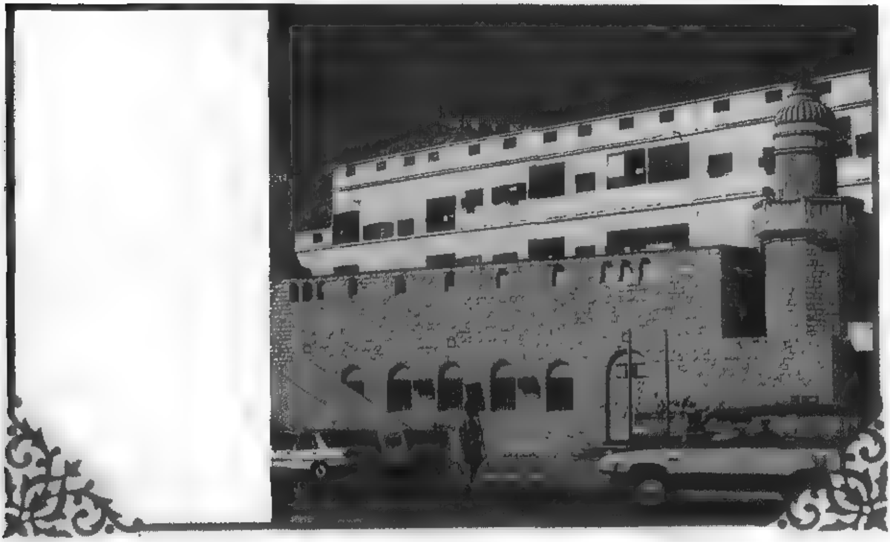

مسجد جن مکہ مکرمہ۔

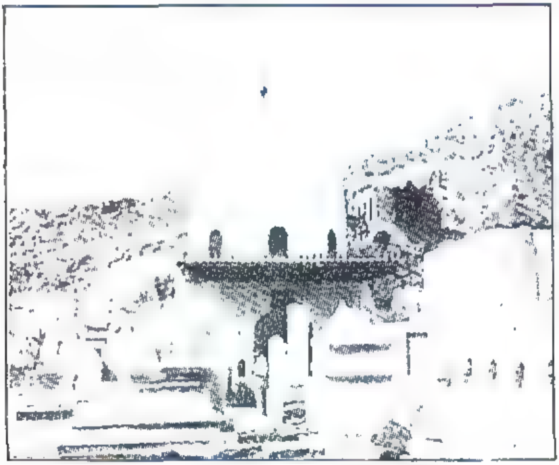

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزار کا گنبد ۔ (قبل انہدام)

جنت المعلیٰ کے قبرستان کا موجودہ منظر۔

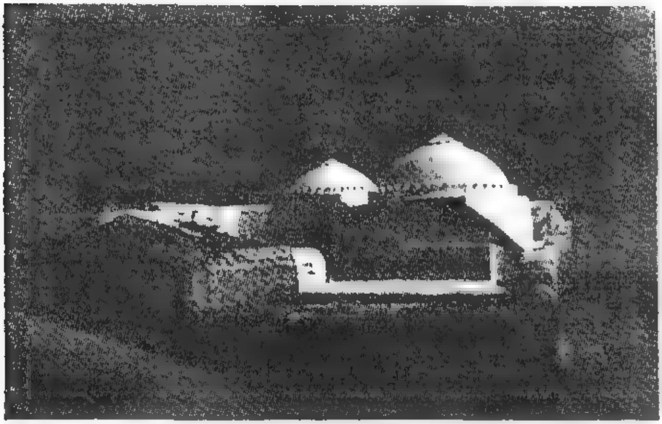

سرداران قریش حضرت عبد المطلب و حضرت ابو طالب کے مزار ۔ (قبل انہدام)

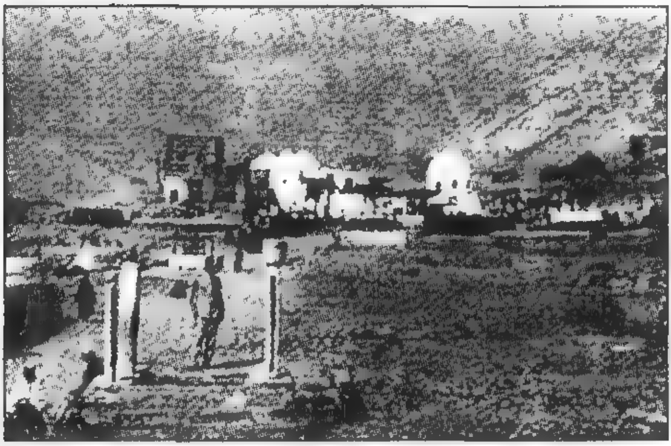

جنت المعلیٰ کا عام منظر۔

مصنف کی اہلیہ جبل رحمت کے دامن میں۔

میدان عرفات میں مسجد نمرہ جہاں ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جارہی ہیں۔

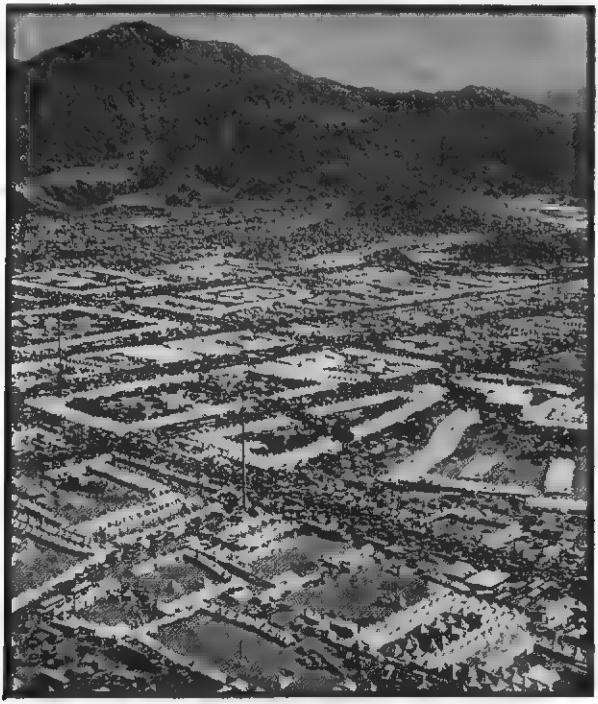

میدانِ عرفات کا فضائی منظر

جبلِ رحمت کا منظر

(مصنف اور ان کی اہلیہ اوپر جا رہے ہیں)

منیٰ میں مسجدِ خیف۔

مصنف مع اہلیہ مسجد خیف کے دروازہ پر۔

مسجد مشعر الحرام (مزدلفہ)

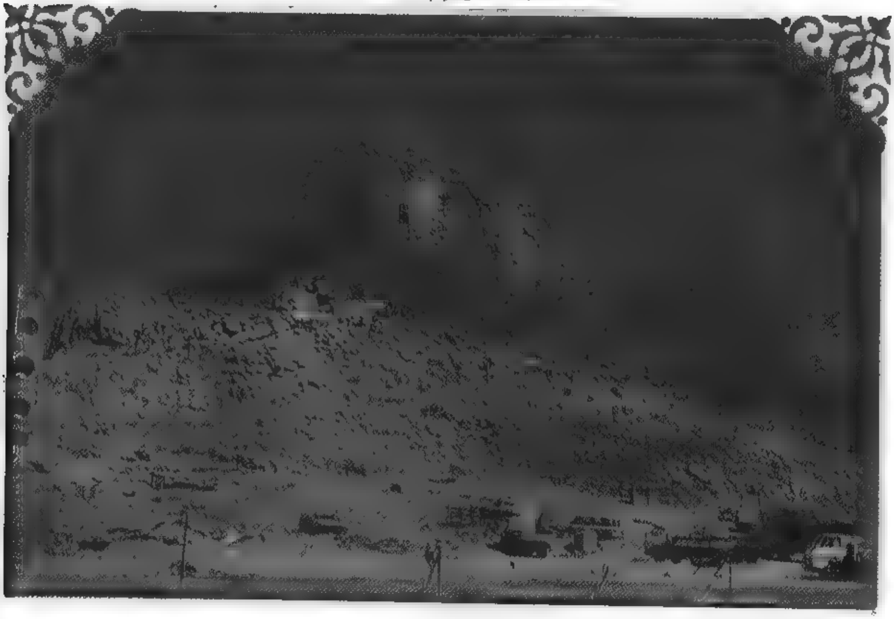

منیٰ کے راستہ میں جبل نور۔

مقامِ حضرت ابراہیم

حرم اور مکہ معظمہ کا فضائی منظر

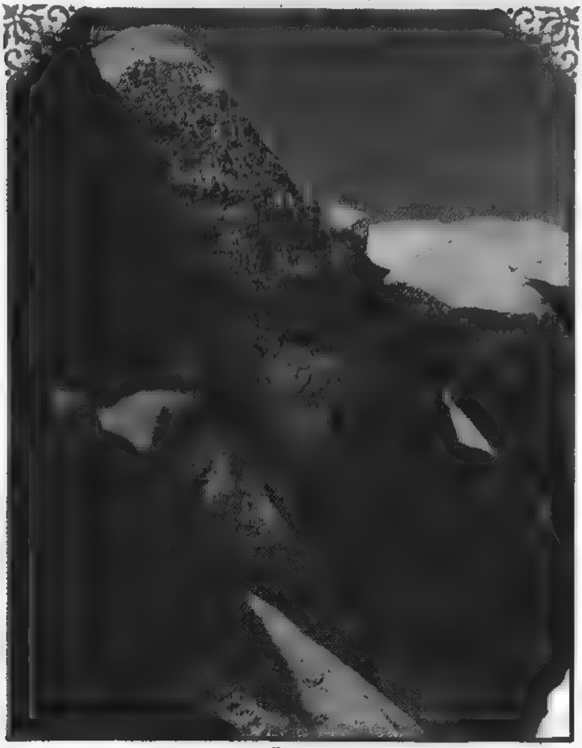

جبلِ نور پہ واقع غارِ حرا

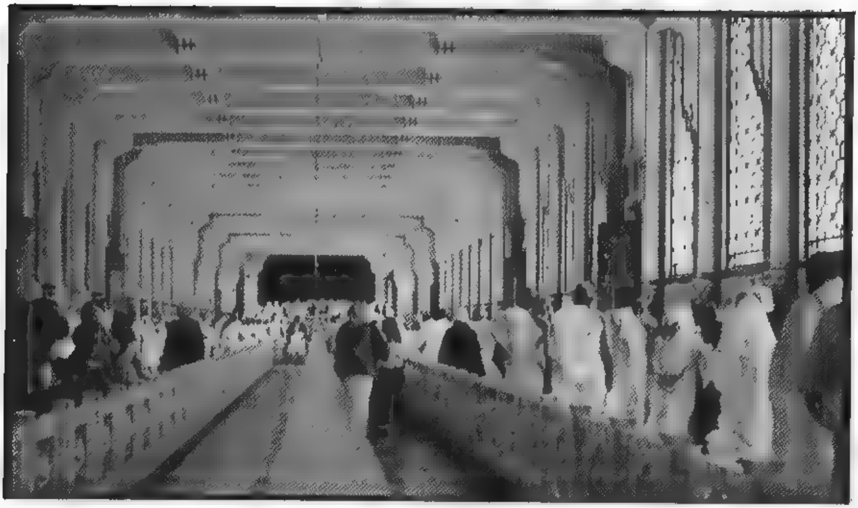

صفا و مروہ کے درمیان "سعی" کا منظر

محلہ بنی ہاشم، پرانے مکانات

وہ جگہ جہاں شعب ابو طالب تھی۔

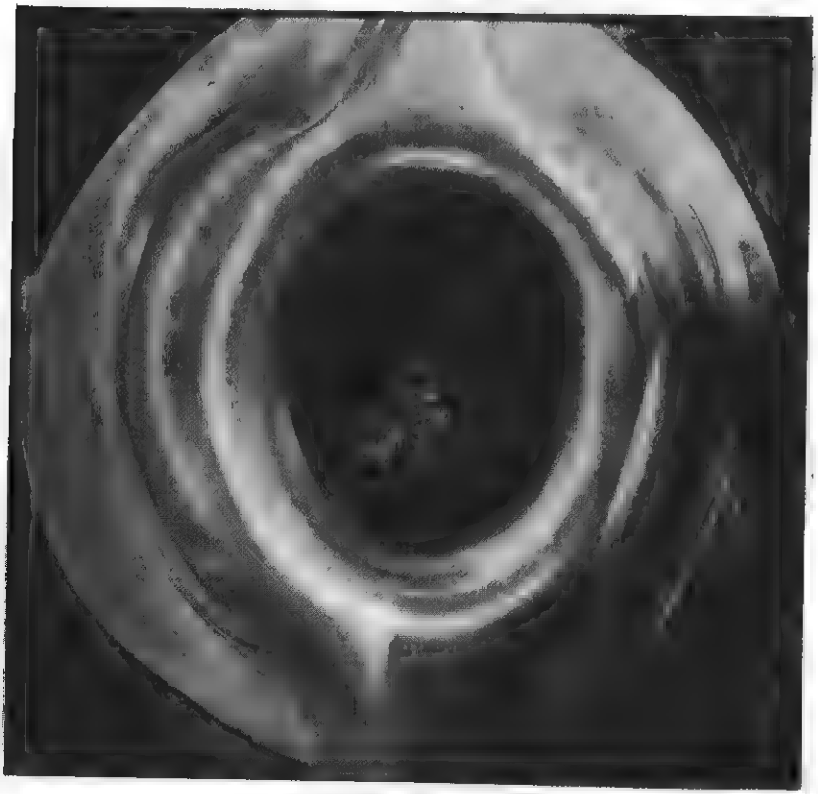

حجرِ اسود

حضور پاک کی جائے پیدائش ۔ مکہ معظمہ (اب یہاں وزارت حج و اوقاف کا دفتر ہے)

Makkah Throughout History

- Before recorded History: Makkah during Abraham.
- Year 157 before Hejrah (470 A.D.): Makkah during Gussei, the Fifth Grandfather to Prophet Mohammed (May Peace be upon Him).
- Year 12 before Hejrah (610 A.D.): Makkah during Guraish in the early days of Islam.
- Year 91 Hejrah (710 A.D.): Makkah during the Omayied Era.
- Year 310 Hejrah (923 A.D.): Makkah during the Abbasied Era.
- Year 1215 Hejrah (1800 A.D.): Makkah during the Ottoman Empire.
- Year 1412 Hejrah (1992 A.D.): Makkah today after the last extension of Almasjid Al-Haram, completed by the Custodian of the Two Holy Mosques, King Fahd bin Abdul-Aziz.

مکہ معظمہ تاریخ کی روشنی میں -

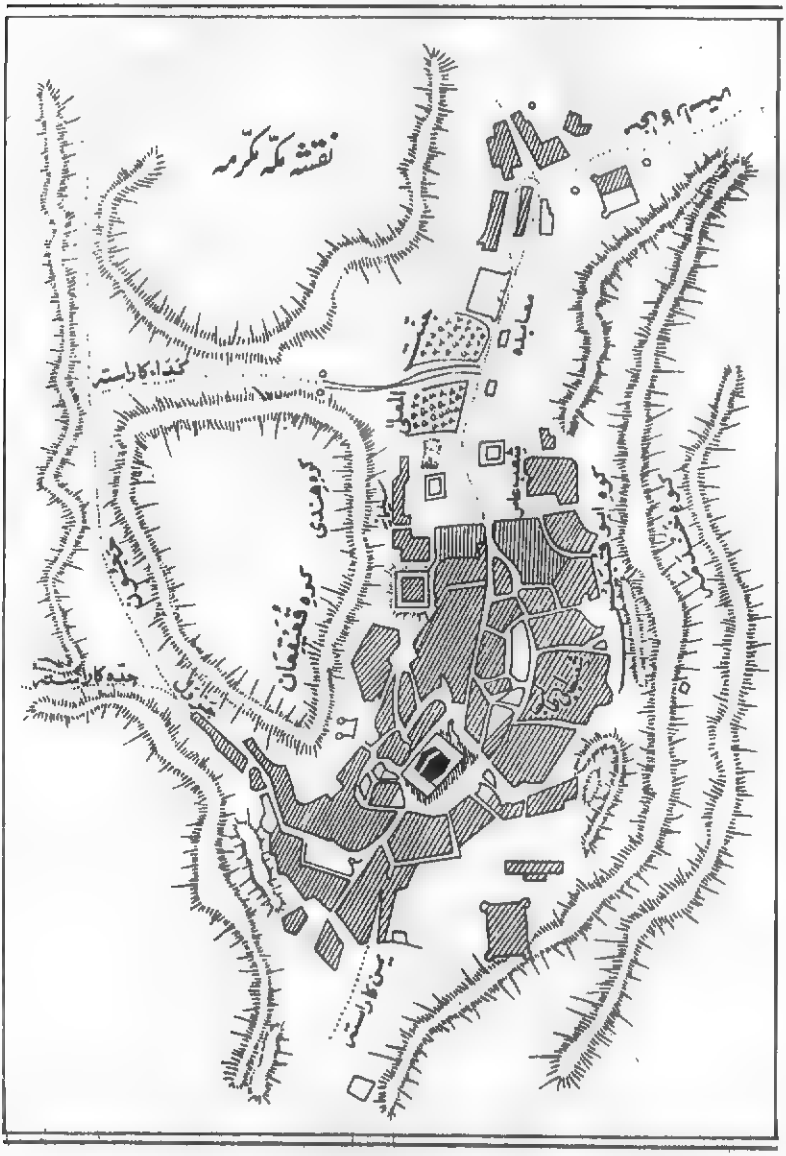

مکہ معظمہ کا نقشہ

غلافِ خانہ کعبہ

غلاف کا وہ پردہ جو کعبہ کے دروازے پر ہوتا ہے اس میں زری سے سورتیں اور آیات کاڑھی گئیں ہیں

نوٹ

۱۔ حجرِ اسود کا قطر تقریباً سات انچ ہے ۔
۲ ۔ چاروں طرف سونے اور چاندی کا حلقہ ہے جس کی وجہ سے قطر بڑا ہو گیا ہے ۔
۳ ۔ میزابِ رحمت کا پانی قبر اسماعیلؑ پر گرتا ہے ۔ حضرت ہاجرہ کی قبر بھی ساتھ ہی ہے ۔
۴ ۔ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المعمور دنیا کے وجود میں آنے سے تقریباً دو ہزار سال قبل بہشت میں تعمیر ہوا اور کعبۃ اللہ ٹھیک اس کے نیچے ہے اور بیت المعمور کی نقل ہے ۔ اسے پہلی بار حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کی مدد سے مکہ میں تعمیر کیا ۔
۵ ۔ زمین سے حجرِ اسود کی بلندی چار فٹ گیارہ انچ ہے ۔
۶ ۔ بابِ کعبہ زمین سے تقریباً چھ فٹ سات انچ بلندی پر ہے ۔
۷ ۔ حجرِ اسود سے رکنِ عراقی تک کا فاصلہ تقریباً ترپین فٹ چار انچ ہے ۔
۸ ۔ رکنِ عراقی سے رکنِ شامی چھتیس فٹ آٹھ انچ رکنِ شامی تا رکنِ یمانی اکیاون فٹ آٹھ انچ جبکہ رکنِ یمانی سے رکن اسود (حجراسود) کا فاصلہ تینتیس فٹ چار انچ ہے ۔
۹ ۔ بیت اللہ کی بیرونی اونچائی بارہ اعشاریہ چھیانوے میٹر اور اندرونی اونچائی آٹھ اعشاریہ تیس میٹر ہے ۔
۱۰ ۔ کعبہ کی چوکھٹ اور مقامِ ابراہیمؑ کی کھڑکی تک کا درمیانی فاصلہ تقریباً چھتیس فٹ پانچ انچ ہے ۔
۱۱ ۔ میزابِ رحمت سے حطیم کا درمیانی فاصلہ تقریباً پچیس فٹ ہے ۔
۱۲ ۔ حطیم میں داخل ہونے والے راستہ کی چوڑائی تقریباً چھ فٹ ہے اور باہر نکلنے کے کٹاؤ کی بھی ۔
۱۳ ۔ حجرِ اسود کے ساتھ کالی پٹی سے طواف شروع ہوتا ہے اور ایک شوط (چکر) وہیں جا کر ختم ہوتا ہے ۔

حوالہ جات " سیرت البم ، مناسک حج و العمرہ (عربی) "
" لغتِ اسلامی (انگریزی) از Dictionary of Islam by
T.P. Hughes

(یاد رہے کہ پیمائش سے متعلق متعدد کتب میں قدرے اختلاف ہے)

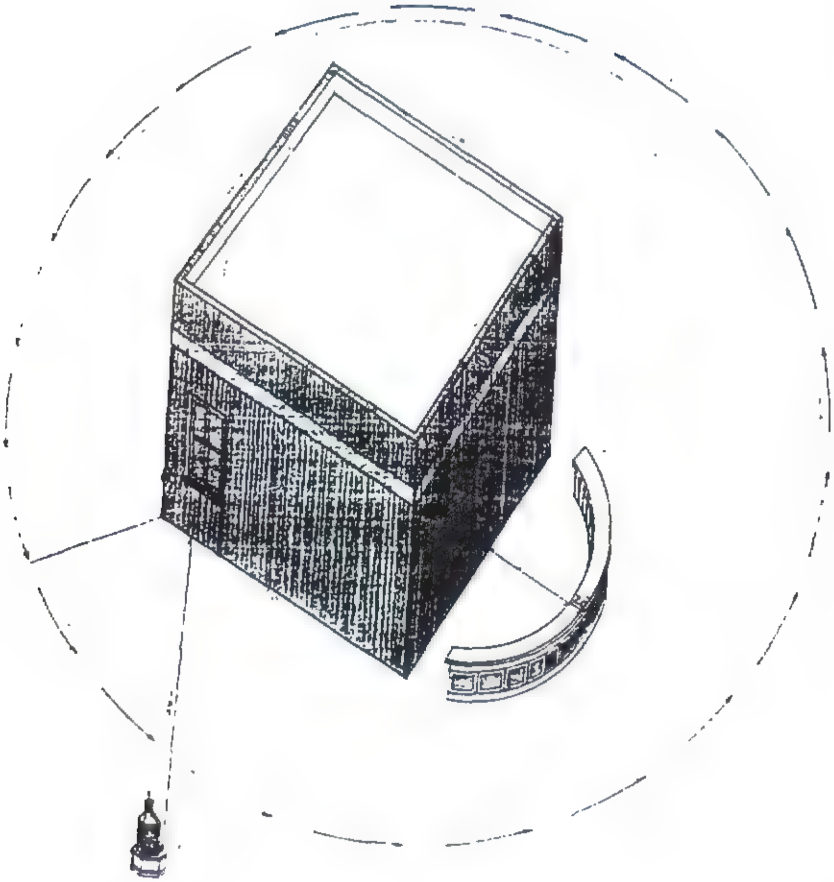

خانہ کعبہ (اسکیچ) از ضیاء آرکیٹیکٹ

تصاویرِ مکہ مکرمہ

(شہرِ جلالِ الٰہی)

الحاج سید علی اکبر رضوی

گود میں پسرزادہ سیف علی اکبر، درمیان میں پسرزادہ زین علی اکبر، بائیں جانب اہلیہ کنیز فاطمہ رضوی
کھڑے ہوئے دائیں جانب ہادی علی رضوی، مہدی علی رضوی اور محسن علی رضوی

الحاج سید علی اکبر رضوی

حصۂ تصاویر

تشکر و امتنان

سفر نامہ "ارضِ جلال و جمال" میں شامل بعض تصاویر "تاریخ اشرف المدینۃ منورہ عربی"، "سیرت ائمہ"، "الحرمین شریفین"، "پی۔ ٹی۔ سی کی کتاب برائے حج و زیارت" اور "مدینہ شناسی (فارسی)" سے لی گئی ہیں۔ مصنف ان کتب کے مولفین و مصنفین کا دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہے۔

ب۔ قرآن مجید کے قلمی نسخے اور دیگر نادر تصاویر مصنف کی ذاتی کتب خانہ کی ملکیت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؕ

نخست حمدِ خدائے قدیر بر ہمہ ذات
دگر بہ شہر علوم و بہ بابِ او صلوات

حرفِ آغاز

جیسا کہ پچھلے دو سفر ناموں (۱) "کوہِ قاف کے اس پار" اور (۲) "سرزمینِ انقلاب" میں عرض کر چکا ہوں کہ بیرونی سفر ۱۹۶۰ء میں حجِ بیت اللہ سے شروع ہوا جو نہایت بابرکت ثابت ہوا، حجِ بیت اللہ کے بعد ہی دنیا کے دروازے میرے لئے وا ہو گئے۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، المختصر دنیا کا کونا کونا چھان مارا لیکن دلی خواہش کے باوجود (کاروبارِ دنیا میں ایسا مشغول رہا کہ) سفر نامہ صفحہ قرطاس پر نہ لا سکا۔ اب جبکہ بحمداللہ فکرِ معاش سے چھٹکارا مل چکا ہے تو اس طرف توجہ ہوئی۔ متذکرہ بالا دو سفر نامے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں جن کو قارئینِ کرام نے پسند فرمایا۔ اب یہ تیسرا سفر نامہ "ارضِ جلال و جمال" حاضر خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں گے اور اپنی بیش قیمت آراء سے نیاز مند کو نوازیں گے اور کوتاہیوں سے آگاہ فرمائیں گے۔

گرچہ یہ بھی بنیادی طور پر ایک سفرنامہ ہی ہے لیکن عام سفرناموں

سے قدرے مختلف ہے کیونکہ یہ صرف "آیند و روند" تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس میں روداد سفر کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ ہے جس کا اندازہ آپ کو مطالعہ کے دوران ہو گا اور حقائق کے ساتھ ساتھ دینی وابستگی کا بھی اظہار ملے گا۔

اس سفرنامہ میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو حضرات سیاحت، زیارت، عمرہ اور حج کے لئے جاتے ہیں ان کو وہ تمام تاریخی معلومات یکجا مل جائیں جن کی ان کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کا سفر زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکے۔ اس چیز کے پیش نظر تاریخی، ثقافتی اور مقاماتِ مقدسہ کی رنگین تصاویر، خاکے، نقشے اور دیگر اہم معلومات ایک ہی کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں، یوں سمجھئے یہ سفر نامہ سینکڑوں کتابوں کی تلخیص ہے۔ تاریخی پس منظر بھی معتبر کتابوں کے حوالے سے لکھا گیا ہے جس کی ایک فہرست کتاب کے آخر میں "کتابیات" کے ذیل میں دے دی گئی ہے۔ استفادہ تو بہت سی کتابوں سے کیا گیا ہے جن کی فہرست تو بہت طویل ہے لیکن "کتابیات" میں صرف ان چند کتابوں کا اندراج ہے جن سے یہ بندۂ خاکی و عاصی بہت متاثر ہوا۔ یہ مصنفین و مؤلفین جانے پہچانے اہلِ دانش و بینش ہیں۔ ان کے علاوہ میں ان تمام مصنفین و مؤلفین کا ممنونِ احسان ہوں جن کی قلمی کاوشوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن جن کے نام "کتابیات" میں کوتاہیِ داماں کی وجہ سے درج نہ ہو سکے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں کہ اس نے دنیا میں بہت کچھ عطا فرمایا۔ ایسی ایسی نعمتیں جن کا میں سزاوار نہ تھا، کیوں نہ ہو وہ صاحبِ جود و سخا ہے۔ بقولِ شاعر

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتیست ، نہ آں را نہایتے

اور ساتھ ہی ساتھ کارِ خیر اور صلہ رحمی کی توفیق عطا فرمائی - یہ بھی پروردگارِ بزرگ و برتر کا ہی کرم ہے کہ اس نے زندگی کے تجربات قلمبند کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی - زندگی ستر کی دہائی میں داخل ہو چکی ہے یعنی پیری شباب پر ہے - مشکی بال کافوری ہو چکے ہیں -یوں سمجھئے:

پختہ ثمر ہوں اور ٹپکنے کی دیر ہے

لیکن خدائے ذوالجلال والاکرام کا کرم ہے کہ جسم و جان اب بھی توانا ہیں ، کام کرنے کی لگن باقی ہے - امید ہے کہ اس سفرنامہ کے جلد ہی بعد شام اور ترکی کے سفر پر مشتمل کتاب نذرِ قارئین کرسکوں گا جو اس کتاب کا تتمہ ہو گی

یوں تو عراق کا سفر کئی بار کر چکا ہوں لیکن پھر جانے کی تمنا ہے اور بار بار جانا چاہتا ہوں - جوں ہی عراق کا ہوائی سفر شروع ہوا پہلی فرصت میں ان شاءاللہ تعالیٰ ایک بار پھر حاضر کربلا و نجف ہوں گا کیونکہ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(علامہ اقبال)

خاکِ کربلا و نجف کیا ہے یہ سب آپ کو ان شاءاللہ اس سفر نامہ سے بتفصیل معلوم ہو گا - اس وقت تو بندۂ عاصی سفر نامہ " ارضِ جلال و جمال " لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہے - قلب کی گہرائیوں سے نظرِ التفات کا ملتجی

ہے ۔ پڑھئے اور پڑھنے کے لئے دوسروں کو بھی دیجئے اور اپنی آراء سے نوازیئے آپ کا کرم ہوگا ۔ قبل اس کے کہ حرفِ آغاز کو اختتام تک پہنچاؤں میں صمیمِ قلب سے اپنے محترم و مکرم دانشورانِ ملک و ملت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے تبصروں سے مجھ عاصی کو نوازا ۔ مجھ پر تو ان حضرات کا احسان و کرم ہے ہی لیکن یہ تبصرے حضورِ رسالت مآبؐ اور ان کی آل سے محبت کا ثبوت بھی ہیں ۔ خداوندِ کریم سب کو بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ شاد و آباد رکھے ۔ آمین ! ۔ آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تدوین میں میری مدد فرمائی ۔

سید ابوالحسن رضوی یوں تو لیبر قوانین کے ماہر ہیں لیکن صاحبِ ذوق ہیں ، میری تحریر کو صاف کرتے رہے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے ۔

جناب حسین انجم ، مدیر ماہنامہ طلوعِ افکار ، کراچی نے بطورِ خاص کتاب کی اشاعت میں پوری پوری دلچسپی لی جو ایک مرقع کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے ۔ محترم ڈاکٹر اسد اریب عشرۂ محرم میں کراچی تشریف لائے تھے ، قیام میرے غریب خانہ پر رہا ، موصوف نے مسودہ دیکھا اور مفید مشوروں سے نوازا جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون ہوں ۔

میں اپنے فرزندوں کے لئے دعاگو ہوں اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی اور کامرانی کے ساتھ ساتھ نیک اعمال ، رزقِ حلال اور صلہ رحمی کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے کاروباری جھمیلوں سے مجھے دور رکھا اور میں یکسوئی سے سفرنامہ پر کام کرتا رہا ۔ کہتے ہیں کہ جب انسان اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں ، صرف صدقہ ہائے جاریہ مثلاً علم ، جو دوسروں تک پہنچا دیا گیا ہو اور صالح اولاد جو نیک عمل کرتی رہے

اور والدین کے لئے دعا کرتی رہے باقی رہتے ہیں - (کل نفس ذائقة الموت) - ایک دن سب کو جانا ہے صرف ذکر باقی رہتا ہے - انسان کاوشِ قلم سے ہی زندہ رہتا ہے - ....

اے واقفِ اسرارِ ضمیر ہمہ کس
در حالتِ عجز و دستگیر ہمہ کس
یا رب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

(خیام)

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعاگو ہوں کہ ایمان کامل پر خاتمہ ہو اور جب تک زندگی باقی ہے رزق حلال عطا فرماتا رہے ، قول و فعل میں تضاد نہ پیدا ہو - اس مختصر سے تعارف کے بعد آپ کو سفرنامہ کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں - بسم اللہ کیجئے - کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرمائیے ، کیونکہ میں بھی انسان ہوں اور انسان بہرحال خطا کا پتلا ہے - ہو سکے تو اس بندۂ عاصی کے حق میں دعائے خیر کیجئے - اس کتاب کی اور کتابوں کی طرح زرِ تعاون کی پوری رقم " ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ " کو وقف کر دی ہے - خود بھی پڑھئے اور احباب کو بھی تحفتاً دیجئے - آپ کے تعاون سے ادارہ کی کارکردگی میں اضافہ ہو گا - **اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد**

علی اکبر رضوی عفی عنہ

B - 81, KDA A - 1

کارساز روڈ، کراچی 75350 فون : 4932750

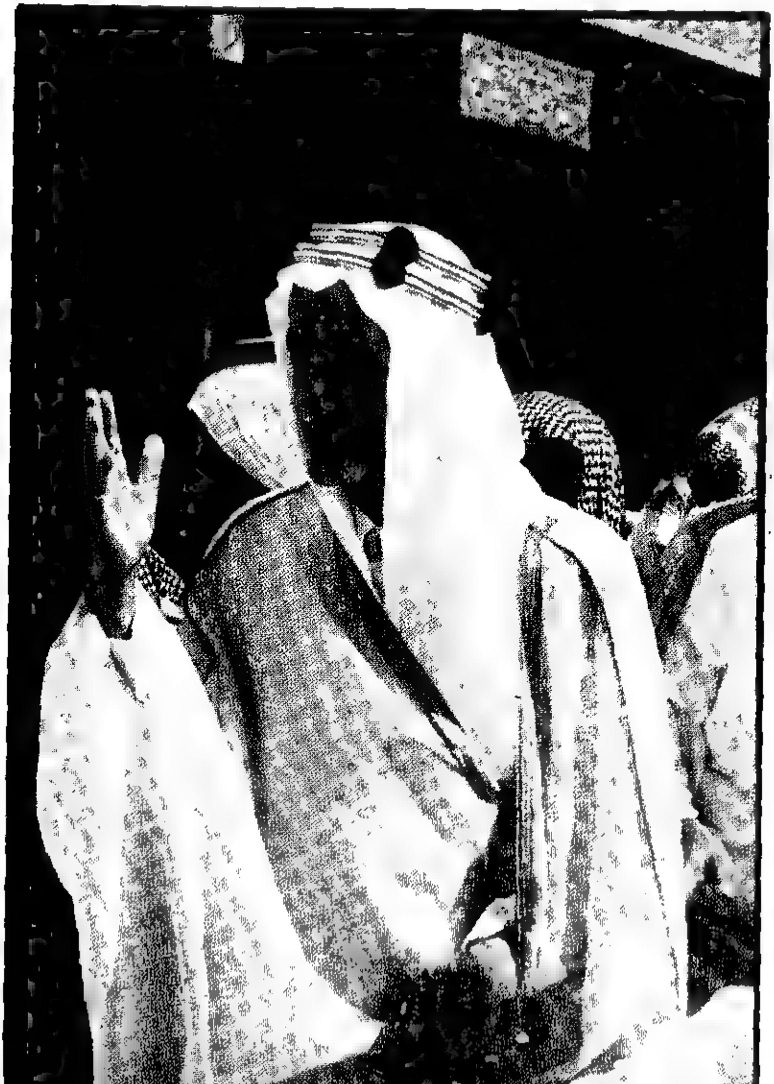

جلالۃ الملک الفیصل الشہید

نقشۂ مملکۃ السعودیہ

حجازِ مقدس "مملکتِ سعودی عرب"

اے کہ در ہیچ جا نہ داری جا
بوالعجب ماندہ ام کہ ہرجائی

نقشہ پر نظر ڈالئے ، مغرب میں خلیجِ فارس (Persian Gulf) اور اسلامی جمہوریہ ایران ، جنوب مشرق میں بحر عرب اور اس کے آگے مزید جنوب میں بحر ہند - شمال میں شام اور لبنان اور اس کے آگے مغربی جانب بحرۂ روم (Mediterranean Sea) واقع ہیں - شمال سے آنے والے بادلوں کو شام ، لبنان اور جورڈن (اردن) کے پہاڑ روکتے ہیں تو جنوب سے آنے والے بادل یمن اور حضر موت کے پہاڑی علاقوں سے ٹکراتے اور برستے ہیں اور پھر کچھ تہی دامن آگے بڑھ جاتے تو کچھ لوٹ جاتے ہیں - نتیجہ کے طور پر پورا اندرونی علاقہ ریگستانی اور کہیں کہیں نیم ریگستانی ہے ، کیونکہ بارش برائے نام ہوتی ہے - ہاں نجد کا پورا علاقہ ، جو قدرے بلند ہے ، نیم ریگستانی اور نخلستانی ہے - زیر زمین پانی ہے جو قدرت کی مہربانی ہے - ان سے چشمے پھوٹتے ہیں اور کنویں ابلتے ہیں - جگہ جگہ باغات ، سبزہ جات اور کھجوروں کے جھنڈ نظر آتے ہیں - یہیں آبادیاں ہیں اور چھوٹے چھوٹے شہر آباد ہیں - یہی وہ علاقہ ہے جہاں مملکتِ سعودی عرب کا دارالسلطنت ریاض واقع ہے - حجازِ مقدس ، جس کا سرکاری نام مملکتِ سعودی عرب ہے ، کا رقبہ ۲۲۴۰۰۰۰ مربع کلو میٹر ہے - آبادی تقریباً ۹،۵۰ ملین ہے - مملکتِ سعودی عرب کے خاص خاص شہروں کے نام ہیں : ریاض (دارالسلطنت) ، جدہ (بڑی بندرگاہ) ،

الخفوف ، دہران ، حیل اور ینبوع ۔ ینبوع کو مدینہ منورہ کی قربت حاصل ہے تو جدہ کو مکہ مکرمہ کی ، جن کی برکتوں سے دونوں مالا مال ہیں ۔ برآمدات میں خاص شے خام تیل اور تیل کی مصنوعات ہیں ۔ درآمدات میں کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر اشیائے صرف ہیں ۔ قومی زبان عربی ہے ۔ قومی دن ۲۳ ستمبر کو منایا جاتا ہے ، کیونکہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء کو سعودی شاہی کا اعلان ہوا تھا ۔

شمال میں صحرائے شام (Syrian Desert) اور پھر شام کی آبادیاں ہیں ، لبنان اور جورڈن (اردن) کے شہر آباد ہیں ۔ اس کے آگے ترکی کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے جہاں سے دریائے دجلہ اور فرات نکلتے ہیں جو سارے علاقوں کی جان ہیں اور جان لیوا بھی ۔ جنوب میں یمن اور حضر موت اور جنوب مشرق میں مسقط اور دیگر عرب امارات ہیں ۔ شمال مشرق میں اسلامی جمہوریہ ایران اور عراق آباد ہیں ۔ مغرب میں ، جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے ، بحر قلزم کے ساتھ ساتھ جدہ اور ینبوع جیسی بندرگاہیں ہیں اور دوسری آبادیاں بھی ۔

جدہ سے تقریباً ستر (۷۰) کلو میٹر مشرق میں دنیا کی قدیم ترین آبادی مکہ مکرمہ ہے اور اس سے ذرا پرے جنوب میں طائف خوشگوار آب و ہوا کا شہر ہے ۔ مکہ مکرمہ دنیا کا قلب اور مرکز ہے ۔ خط سرطان کا مدار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سے گذرتا ہے ۔ گرمی بلا کی پڑتی ہے ، ایسی گرمی کہ :

بھن جاتے ہیں جو گرتے ہیں دانے زمین پر

(بتصرف)

یہیں حضرت آدمؑ نے فرشتوں کی مدد سے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی جو آج تک قائم و دائم ہے ۔ (تفصیل اسی کتاب کے اگلے حصہ میں ملے گی) ۔

جزیرۃ العرب اور قرب و جوار کے علاقے نبیوں اور پیغمبروں کی آماجگاہ رہے ہیں ۔ یہیں ہمارے ، آپ کے بلکہ سب کے نبی برحق ، نبی آخرالزمانؐ ۵۷۰ء میں تشریف لائے ۔ زندگی کا بیشتر حصہ یہاں گذارا اور پھر بحکم ربانی ۶۲۲ء میں مدینہ منورہ ہجرت فرمائی ۔ ساری دنیا میں علم ، حلم ، عقل اور بھائی چارگی کی روشنی پھیلا دی ۔ مختصر یہ کہ آدمی کو انسان بنا دیا ۔ آج اس سارے علاقہ پر آلِ سعود حکمران ہیں اور ملک کا نام سعودی عرب ہے ۔ نام سے کیا غرض ، بات ساری کام کی ہوتی ہے (تفصیل اگلے صفحوں پر آئے گی) ۔

شاہی گرچہ اسلام سے مطابقت نہیں رکھتی ، لیکن دنیا میں کچھ " شاہ " ایسے بھی گذرے ہیں جو بڑا کام اور بڑا نام کر گئے ۔ شاہ فیصل اسی سلسلہ کی کڑی ہیں ۔ موصوف صیہونی طاقتوں کی ریشہ دوانی سے اپنے ہی بھتیجے کے ہاتھوں اللہ کو پیارے ہوگئے ۔

لائی حیات آئے ، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے ، نہ اپنی خوشی چلے

خود تو نہ رہے (کوئی بھی ہمیشہ نہیں رہتا) ، لیکن بہت ساری انمٹ یادگاریں چھوڑ گئے ، جو رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتی رہیں گی ، ان کے حق میں دعائیں بکھیرتی رہیں گی ۔ اختلافِ عقائد اپنی جگہ ، لیکن ان کی خدمات مثالی ہیں جن

داخل ہوتا اور عصر کی نماز تک وہیں رہتا ۔ اسی طرح سرِ شام اذانِ مغرب بلند ہوتے ہی مسجد میں داخل ہوتا اور عشا کی نماز کے بعد باہر آتا ۔ مسجد تقریباً دس بجے شب بند ہو جاتی ہے اور اذانِ تہجد کے ساتھ کھلتی ہے اور پھر سارا دن کھلی رہتی ہے ۔ ان معمولات کے علاوہ اکثر نو بجے صبح اہلیہ کے ساتھ مسجد جاتا ، کیونکہ انھیں اوقات میں خواتین روضہ رسولؐ تک جا سکتی ہیں اور اس وقت ریاض الجنہ تک میرے لئے بھی پہنچنا نسبتاً آسان ہوتا ۔

۴ دسمبر ، ۱۹۹۶ء کو شہرِ جمالِ محمدیؐ سے شہرِ جلالِ الٰہی کے لئے روانہ ہوا ۔ شب میں عمرہ ادا کیا ، نوافل پڑھیں اور تیسرے دن نمازِ جمعہ میں شریک ہوا ۔ مکہ میں صرف تین دن قیام کیا کیونکہ چہار اطراف سے جلالِ الٰہی نے اس شہر کا اس طرح احاطہ کر رکھا ہے کہ بدن کانپنے لگتا ہے اور مجھ ایسا گنہگار یہاں تادیر قیام نہیں کر سکتا ۷ دسمبر ، ۱۹۹۶ء کو طوافِ وداع کیا اور عزیزی نذر عباس کے ہمراہ جدہ کے لئے روانہ ہوا ۔ جدہ میں قیام کے دوران شام کے وقت اس قبرستان تک پہنچا جہاں مادرِ اول حضرتِ حوا مدفون ہیں ۔ قبرستان اجاڑ اور اب متروک ہے ۔ باب الداخلہ بند تھا ، اس لئے قبر تک رسائی نہ ہو سکی ، دور سے زیارت کی اور فاتحہ پڑھی ۔ ایک عزیز کے گھر عشائیہ پر مدعو تھا ، تقریباً دس بجے شب ہوٹل واپس آیا ۔ دوسرے دن یعنی ۸ دسمبر ، ۱۹۹۶ء کو جدہ سے روانہ ہو کر شام کراچی پہنچا ۔ اس طرح سفرِ عمرہ بخیریت تمام ہوا ۔ اللہ تعالیٰ میری اس ادنیٰ عبادت کو قبول فرمائے :

ہر چند اگر گناہ گارم شب و روز
امید بہ رحمتِ تو امیدوارم شب و روز
از خلقِ جہاں ہیچ ندارم امید
از بخششِ تو امیدوارم شب و روز

احقر

سید علی اکبر رضوی

۱۲ / دسمبر ۱۹۹۶ء

حجازِ مقدس ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء تا ۵ مارچ ۱۹۹۴ء
بمطابق ۷ / رمضان المبارک تا ۲۲ / رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

آغازِ سفر

اے نام تو بہترین سر آغاز
بے نام تو نامہ کے کنم باز
(نظامی)

سفر ایران کے دوران یعنی ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء تا ۲۹ نومبر ۱۹۹۳ء تہران میں شاہزادہ عبدالعظیم کا مقبرہ ہو یا قم میں ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر کی دختر یعنی معصومہ قم کا روضہ اطہر یا مشہدِ مقدس میں امام علی رضاؑ کی ابدی آرام گاہ ہو، نیشاپور ہو یا طوس ہر جگہ شرفِ حاضری ہوا اور عقیدت کے پھول نچھاور کیئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں سے استغفار ان بزرگ ہستیوں کے دربار میں دوزانو بیٹھ کر کیا اور ہمیشہ راہِ مستقیم پر گامزن رہنے کی دعا بارگاہِ ایزدی سے مانگتا رہا کیونکہ دعا مانگنا عبدیت کا خاصہ ہے اور دعا قبول کرنا یارد کرنا ربوبیت کا۔ انسان جب عالم اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو بے اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے:

تجھے پکارا ہے بے ارادہ
جو دل دکھا ہے بہت زیادہ
(فیض احمد فیض)

لیکن دل و دماغ میں ہمہ وقت خانہ خدا یعنی کعبۃ اللہ اور روضہ اقدس نبی آخر الزماںؐ رچا بسا رہا اور اظہارِ تمنا کرتا رہا کہ رب العالمین جلد از جلد ایک بار پھر طوافِ خانہ کعبہ اور زیارتِ حرمِ نبویؐ نصیب فرمائے اور میں دل ہی دل میں حضرت جامی کی حسبِ ذیل نعت گنگناتا رہا:

نسیما جانبِ بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن
توئی سلطانِ دو عالم محمدؐ
زِ روئے لطف سوئے من نظر کن
ببر ایں جانِ مشتاقم در آن جا
فدائے روضہ خیر البشر کن
مشرف گرچہ شد جامی زِ لطفش
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

خلوصِ دل اور نیک نیتی سے نکلی ہوئی دعا بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

بندۂ عاصی اہلیہ کے ساتھ ۱۸ / فروری ۱۹۹۴ء بمطابق ۷ / رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ عمرہ کے لئے روانہ ہوا۔

سفر کے ابتدائی مراحل

۸ یا ۹ فروری ۱۹۹۴ء کو ویزا کے حصول کے لئے سعودی ویزا آفس

ڈیفنس سوسائٹی تقریباً ساڑھے نو بجے پہنچا ۔ ٹریول ایجنٹ نے میری آسانی کے لیئے از راہِ کرم ایک شخص کو میرے ساتھ کر دیا تھا ۔ ایجنٹ نے لمبی قطار دیکھی تو مجھ سے فرمایا کہ وہ خود قطار میں کھڑا ہو جاتا ہے اور میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد آجاؤں اور اس کی جگہ حاصل کر لوں لیکن میں نے مناسب نہ سمجھا اور اس نیک بندہ کو اپنی کار میں اس کے دفتر بھیج دیا اور خود قطار میں کھڑا ہو گیا ۔ میں نے سوچا کہ دربارِ حبیبؐ جانا ہے تو راہ کی دشواریوں کی کیا فکر ۔ اس راہ کی دشواریاں تو عین راحت ہوتی ہیں ، قطار میں تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کھڑا رہا اور چیونٹی کی چال آگے بڑھتا رہا ، میں ابھی صف میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر تھا کہ گجر نے ایک بجایا اور کھڑکی کے پٹ بند ہو گئے ۔ یہی یہاں کا دستور ہے ، جو بھی ایک بجے تک کھڑکی کے نزدیک پہنچا اور اس کی درخواست لے لی گئی ، اس کو تیسرے دن عموماً ویزا مل جاتا ہے ۔ درخواست کبھی کبھی مختلف وجوہ کی بنا پر واپس بھی کر دی جاتی ہے ، میں تقریباً ساڑھے تین گھنٹے قطار میں کھڑا رہا اور میری درخواست جمع بھی نہ ہو سکی اس کے باوجود میں نے نہ تو تھکن محسوس کی اور نہ ذہنی دباؤ ، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ دربارِ حبیبؐ کی کشش تھی جس نے بے راحتی کو راحت میں بدل دیا اور میں یہ شعر پڑھتا ہوا واپس ہوا ۔

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

تمام بقیہ لوگ واپس جانے لگے ۔ میں نے باہر آتے ہوئے دربان سے پوچھ

لیا کہ ویزا کے متلاشی لوگ کس وقت یہاں آجاتے ہیں ۔ دربان نے بتایا کہ لوگ تو سات یا آٹھ بجے ہی آجاتے ہیں اور باہر قطار لگاتے ہیں ، دروازہ نو بجے کھلتا ہے تو اندر آنے کی اجازت ہوتی ہے ، دربان نے مجھے بھی یہی مشورہ دیا کہ میں بھی ایسا ہی کروں یا کسی اور کو بھیج کر صف بندی کرا لوں ۔ میں نے نیک مشورہ کے لئے دربان کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کل تو نہیں ان شاء اللہ پرسوں حاضر ہوں گا ۔ واپسی پر میں پاسپورٹ اور دیگر کاغذات اپنے دفتر شارع فیصل چھوڑتا ہوا گھر واپس آگیا تاکہ میرے فرزند کو معلوم ہو جائے کہ آج ویزا نہیں ملا ہے ۔ ان کو بتانا ضروری تھا کہ وہی ہمارے سفر کے انتظامات پر مامور تھے ۔

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے شب میاں ہادی (میرے بڑے فرزندِ ارجمند) نے کہا کہ میں ساڑھے دس بجے ویزا آفس پہنچ جاؤں ، ٹریول ایجنٹ کے برادر بھی عمرہ پر جا رہے ہیں ان کے ساتھ قطار میں کھڑا ہو جاؤں ۔ میں نے دریافت کیا کہ میرا پاسپورٹ اور ویزا فارم ان کے پاس ہے ؟ جواب نفی میں ملا ۔ میں خاموش ہوگیا ۔ ان سے تو کچھ نہ کہا لیکن سوچتا رہا کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ۔ اگر میرا پاسپورٹ ان کے پاس ہوتا تو میرا وہاں جانا اور ان کے ساتھ یا ان کی جگہ کھڑے ہونے کا جواز تھا ورنہ نہیں ۔ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ کام ہونا ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی ذریعہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور ہوا بھی ایسا ہی ۔ رات میں کسی بندۂ خدا کا فون ہادی سلمہ کے پاس آیا کہ پاسپورٹ اور ویزا فارم وغیرہ ان کے پاس پہنچا دیا جائے ، ویزے کی سبیل

پیدا ہو گئی ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، گرچہ ویزا چار روز تاخیر سے ملا لیکن گھر بیٹھے ملا ۔ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا ۔

میں آپ ہی حیران ہوں اس بے خبری پر
سامان ہوئے جاتے ہیں اس بے سبی پر

ویزا مجھے ۱۴ یا ۱۵ فروری کو مل گیا ۔ ۱۸ / فروری ۱۹۹۴ء کو روانگی تھی ۔ میں تیاری میں منہمک ہو گیا ۔ اہلیہ سے کہا وہ بھی تیاری کر لیں ۔ فرمانے لگیں مجھے کرنا کیا ہے ۔ دو چار جوڑے کپڑے رکھنے ہیں اور بس ۔ باقی انتظام آپ ہی کو کرنا ہے ۔ میرِ کارواں آپ ہیں، جدہ اور مدینہ منورہ فون کر دیں تاکہ وہاں احباب کو ہماری آمد کا پتہ چل جائے اور فرمایا کہ کچھ تحائف بھی خرید لیں ۔ آپ تو جاتے رہتے ہیں وہاں کی ضروریات کا آپ کو بخوبی علم ہے ۔ اگر کسی معاملہ میں میری خدمات کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں، یہ کہہ کر ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال کر مطمئن ہو گئیں، میں ضروری خریداری میں مصروف ہو گیا، ہلکے پھلکے تحائف خریدے اور عمرہ کے لئے احرام (تولیہ) ۔ مستورات تو اپنے عام لباس ہی میں عمرہ اور حج کرتی ہیں صرف شرعی حجاب لازمی ہے، شرعی حجاب کیا ہے اس کا ذکر کسی مناسب مقام پر اس کتاب میں بھی ہو گا، ویسے " سرزمینِ انقلاب " میں اس بارے میں کافی لکھ چکا ہوں ۔ روانگی سے دو روز قبل مولانا مدبر صاحب سے رابطہ قائم کیا، وہ غریب خانہ پر تشریف لائے، عمرہ کے لوازمات پر گفتگو ہوئی ۔ میں نے ایک مختصر سی کتاب جیبی سائز رکھ لی تاکہ وقتِ ضرورت کام آسکے ۔ مولانا موصوف نے کچھ زبانی ہدایات بھی دیں

جو حضرات حج اور عمرہ پر جاتے رہتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ حجاز مقدس کتابیں لے جانا مصیبت کو دعوت دینا ہے ۔ گویا یہ کتابیں کتابیں نہیں ہیروئن کی پڑیاں ہیں ۔ بہتر صورت یہی ہے کہ اہل کتاب ہوتے ہوئے بھی بدون کتاب جائیں ۔ مولانا مدبر صاحب اپنے کسی رفیق کو جدہ میں میرے بارے میں اطلاع دینا چاہتے تھے لیکن وہ نہ مل سکے پھر کسی اور کو میرے غریب خانہ ہی سے ٹیلی فون کیا اور میرے بارے میں بتایا میں منع کرتا رہا لیکن وہ نہ مانے اور کئی احباب کو بذریعہ ٹیلیفون میرے بارے میں مطلع کیا اور مجھ سے فرمایا کہ میں ان حضرات سے ضرور رابطہ قائم کروں ۔ اس وقت مجھے احساس ندامت تو ہوا لیکن وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ حضرات نہایت مخلص ، نیک سیرت ، ہمدرد اور کارآمد انسان ہیں ان کا ذکر آگے چل کر مناسب موقع پر کروں گا ۔

ہم کو ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء کو بذریعہ پی ۔ آئی ۔ اے پرواز نمبر Pk 731 سے کراچی سے جدہ کے لئے روانہ ہونا تھا ۔ جہاز کی روانگی کا وقت پانچ بج کر پینتالیس منٹ بعدِ ظہر تھا ۔ ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ مطار یعنی ایئرپورٹ پہنچ گئے ۔ سامان پی ۔ آئی ۔ اے کو سپرد کیا بورڈنگ کارڈ لے کر امیگریشن سے گذرتے ہوئے ڈپارچر لاؤنج پہنچے ۔ جہاز کو پانچ بج کر پینتالیس کے بجائے چھ بج کر پانچ منٹ پر پرواز کرنا تھا لیکن وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ پرواز میں تقریباً ایک گھنٹہ مزید دیر ہے چنانچہ C.I.P لاونج میں ہمیں دو پیکٹ افطارِ روزہ کے ملے ۔ چائے اور فواکہات کا انتظام تو وہاں ہمہ وقت رہتا ہی ہے تاکہ مسافر حضرات حسبِ خواہش چائے ، کافی ، یا جام

شیریں نوش فرما سکیں اور کچھ کھا بھی سکیں ۔ سفر میں روزہ قصر ہو جاتا ہے لیکن ہم روزہ سے تھے کیونکہ افطار سے کچھ ہی قبل ہمارا سفر شروع ہونے والا تھا ۔ شرعی نقطہ نظر سے ہم روزہ اس صورت میں قصر کر سکتے تھے جب ہمارا سفر زوال آفتاب سے پہلے شروع ہوتا ۔ اس بارے میں کچھ فقہی اختلافات ہیں لیکن ہم کو اس بحث میں نہیں پڑنا ہے ، ہم تو اپنی روداد سفر لکھ رہے ہیں ہمارے جہاز نے سات بج کر تیس منٹ پر حرکت شروع کی اور کچھ دیر رینگتا رہا ۔ تیز ہوا ، پھر ہلکا چلا اور پھر مڑا بعد ازاں سارے انجن تیز ہوئے اور جہاز نے بھاگنا شروع کیا ۔ کچھ دیر رن وے پر تیز دوڑتا رہا بلکہ اڑتا رہا اور پھر فضا میں بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ۳۳ / ۳۴ ہزار فٹ بلند ہو گیا اور ہوا کے دوش پر سوار ہوا اور ہم سب سوئے خانہ کعبہ اڑنے لگے ۔ اس جہاز میں سب ہی عمرہ کے مسافر نہ تھے کچھ کو مغرب کی طرف جانا تھا اور کچھ کو اس سے بھی آگے ۔ کچھ مسافر اپنے عام لباس میں تھے اور کچھ نے احرام باندھ رکھا تھا ۔ ہم نے نیتِ عمرہ کر لی تھی لیکن عام لباس میں ہی سفر کر رہے تھے ۔ تجدید عمرہ جدہ پہنچ کر کرنی تھی اور احرام باندھنا تھا ۔ عمرہ سے قبل ہمیں دو روز جدہ میں قیام بھی کرنا تھا کیونکہ اسی دن عمرہ کرنا میرے لئے تو کوئی مشکل مرحلہ نہ تھا لیکن اہلیہ کی صحت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان کو ایک دن آرام کرنا چاہئے ۔ اسلام آسان دین ہے اور ہر طرح کی سہولت عطا فرماتا ہے ، انسان کو عبادات میں بھی اپنے اوپر جبر کرنے سے منع فرماتا ہے اسلام جبر کا نہیں سہولت کا دین ہے ۔ ابتدا میں خیال تھا کہ جہاز تین

گھنٹے میں جدہ پہنچ جائے گا لیکن کیپٹن نے اعلان کیا کہ جہاز ساڑھے چار گھنٹے میں جدہ پہنچ سکے گا، گویا ہم تقریباً ساڑھے چار گھنٹے فضائے بسیط میں اڑتے پھرے ، وہ بھی اتنی بلندی پر، جہاز کے اندر کا درجۂ حرارت تو عام ایئر کنڈیشن روم جیسا تھا لیکن باہر کا درجۂ حرارت اتنا کہ انسان برف کا تودہ بن جائے ۔ باہر کا درجۂ حرارت بلندی کی کمی بیشی کے لحاظ سے ۳۰ / ۳۲ ڈگری سے ۴۰ / ۴۲ ڈگری تک نقطۂ انجماد سے کم (Below Freezing Point) ہوتا ہے ۔ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور علم کا وہ جوہر بیش بہا عطا فرمایا ہے کہ وہ اس سے کام لے کر کیا کچھ نہیں کر سکتا ۔ کل تک واقعات داستانِ امیر حمزہ اور الف لیلوی قصے کہانیاں لگتے تھے وہ سب حقیقت بن کر سامنے آرہے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم ان قوتوں کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرتے ہیں یا تخریب کاری کے لئے ۔ یہ ہمارا فعل ہے، انسان مجبورِ محض نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور سے نوازا ہے یہ ہمارا اپنا عمل ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں ہم کو ہمہ وقت اپنے عمل کا تجزیہ کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ بقول علامہ اقبال:

عمل سے زندگی بنتی ہے ، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے ، نہ ناری ہے

یہ بہرحال ایک الگ بحث ہے جس کو طول دینا مقصود نہیں، لہذا ہم واپس اپنے سفر کی جانب رجوع ہوتے ہیں ۔ ....

جہاز جب جدہ میں زمیں بوس ہوا تو ہماری گھڑی رات کے ساڑھے

گیارہ بجا رہی تھی اور جدہ میں ساڑھے نو بجے تھے ۔ میں نے حسبِ مقام اپنی گھڑی درست کر لی ۔ جدہ ایئرپورٹ پر پہنچے تو مجھے دہران ایئرپورٹ کا ایک پرانا واقعہ یاد آگیا ۔ دہران امیگریشن (Immigration) والوں نے میرا پاسپورٹ رکھ لیا تھا اور فرمایا تھا کہ کل جب آپ جدہ روانہ ہوں گے تو پاسپورٹ آپ کو مل جائے گا ۔ میں چار روز جدہ میں اسی باعث سخت پریشان رہا ۔ بڑی مشکلوں سے پاسپورٹ ملا تو میں آگے سفر جاری رکھ سکا ۔ وہ چار دن سخت مصیبت کے تھے جن کا مفصل ذکر اپنے پہلے سفر نامہ "کوہِ قاف کے اس پار" میں کر چکا ہوں یہاں تو محض اشارہ کر دیا ہے ۔ اس بار خدا وندِ کریم کا شکر ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا ، دربارِ حبیبؐ کی برکت اور رحمتِ پروردگار شاملِ حال تھیں کہ تمام مشکلات خود بہ خود حل ہوتی چلی گئیں ۔

جو میرا عقیدہ ہے وہ زاہد کا نہیں ہے
رحمت میں اسے شک ہے مگر مجھ کو یقیں ہے
(علامہ صفی لکھنوی)

اس بار تو ایسا لگا کہ ہم جدہ میں نہیں کسی بے نظیر ترقی یافتہ ملک میں ہیں جہاں گاہے ماہے کے علاوہ سارا کام ٹھیک ٹھاک چلتا رہتا ہے ۔ سعودی امیگریشن (Immigration) جسے جائے حادثات کہا جاتا ہے بالکل آسان معلوم ہوا ۔ ہم ایک قطار میں لگ گئے ۔ تھوڑی دیر میں پی ۔ آئی ۔ اے کے ایک باریش بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے سب کے امیگریشن فارم

(Immigration Form) دیکھے اور جہاں کہیں جس کسی کے فارم میں کوئی کوتاہی دیکھی درست کر دی ۔ قطار میں میرا چوتھا یا پانچواں مقام تھا ۔ مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ میں مع اہلیہ امیگریشن (Immigration) کی قید و بند سے آزاد ہو گیا ۔ ایسے مواقع پر میں چند مختصر وظائف اور دعائیں حضورِ قلب سے پڑھتا رہتا ہوں اور حلالِ مشکلات کو یاد کرتا رہتا ہوں ۔ دوسرا مرحلہ کسٹم کا تھا ۔ اس کی مجھے فکر نہ تھی کیونکہ میرے ہمراہ مختصر سا سامان تھا کتاب کوئی ساتھ نہیں تھی ۔ کوئی ممنوعہ شے نہیں تھی جس پر معترض ہونے کا خطرہ ہو ۔ محض ایک جیبی دعاؤں اور ارکانِ عمرہ کی کتاب تھی اور بس ۔ حسنِ اتفاق دیکھئے کہ ہال میں اردو بولنے والا حمال مل گیا سامان اس کے سپرد کیا اور اس کے ساتھ چل پڑا ۔ سوٹ کیس کھلا ۔ کسٹم افسران نے ایک نظر ڈالی اور سامان پاس کر دیا ، چاک کا نشان لگا دیا ۔ ہم آگے بڑھے تو حمال نے اہلیہ سے کہا کہ اپنا بٹوہ (Bag) دکھا دیں کہیں آگے والے یہ نہ کہیں کہ اس پر چاک کا نشان نہیں چنانچہ اہلیہ نے بٹوہ ان کی جانب کر دیا ۔ بٹوہ میں کچھ نقد ڈالر تھے ، صاحبِ نظر نے ایک دوسرے افسر کو متوجہ کیا ، عربی میں کچھ گفتگو ہوئی اور ہم کو باہر جانے کی اجازت مل گئی ۔ اس طرح ہم تقریباً نصف گھنٹہ میں ان دونوں مراحل سے سرخرو ہو کر نکلے اور بے حد مسرور ۔ ساتھ والے کاؤنٹر پر ایک اور صاحب تھے جن کے پاس صرف ہینڈ بیگ تھا اس میں کچھ سلے سلائے لباس تھے ۔ کپڑے تو ان صاحب نے کاؤنٹر پر رکھ دیئے ، اب بیگ کی تلاشی شروع ہوئی ، بیگ میں سوراخ کر

کے دیکھنا شروع کیا اور دیکھتے رہے ۔ کچھ دیر ہم نے بھی دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئے کیونکہ وہاں رکنا یا مداخلت کرنا مصائب کو دعوت دینا تھا ۔ اس غریب کے بیگ کا کیا بنا پتہ نہیں لیکن دوسرے دن اخبار میں کوئی بری خبر نہیں چھپی تو اطمینان ہوا کہ اس غریب پر کوئی مصیبت نہیں ٹوٹی ۔

اب ہم مع اپنے سامان کے باہر آگئے ۔ اس وقت اہلیہ کی گھڑی میں رات کے بارہ بجے تھے اور جدہ میں دس ۔ میں نے اپنی گھڑی جدہ پہنچتے ہی مقامی وقت کے مطابق کر لی تھی ۔ ہمارے میزبان بلال میاں بڑھ کر گلے ملے سب خوش ہوئے ۔ بلال میاں سے پچیس تیس سال پرانے تعلقات ہم لوگوں کے ہیں ۔ قدیم روایات کے مطابق وہ مجھے دولہا بھائی اور میری اہلیہ کو باجی کہتے ہیں ، حق تو یہ ہے کہ انہوں نے باجی اور بہنوئی کہنے کا پورا پورا حق ادا کیا اور ان کے بچوں اور بیوی نے بھی پرانی اقدار کے مطابق قدر بھی کی اور خدمت بھی ۔ خداوندِ کریم ان سب کو خوش و خرم رکھے ۔ آمین ۔

سامان کار میں رکھا اور تقریباً نصف گھنٹہ میں ان کی قیام گاہ پہنچ گئے ۔ پہلے چائے کا دور چلا اس کے بعد کھانا شروع ہوا ۔ اسی دوران میں نے کراچی ٹیلیفون کر کے طرفین کی خیریت سنی اور سنائی ، ساتھ ہی ساتھ میں نے ایک فون سید ظفر رضا صاحب کو جدہ میں ہی کیا تاکہ اپنی آمد کی اطلاع دے دوں ۔ میری ظفر رضا صاحب سے ملاقات نہ تھی صرف مولانا مدبر صاحب نے حوالہ دیا تھا ۔ میں نے فون کیا تو رضا صاحب گھر پر موجود نہ تھے ۔ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ علی اکبر رضوی صاحب کراچی سے آرہے ہیں ، ان کو لینے ایئرپورٹ گئے

ہیں۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں صرف معمولی سے حوالے پر ایئرپورٹ چلے گئے کتنے نیک انسان ہیں، میں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ میں پہنچ چکا ہوں اور اپنے میزبان کا فون نمبر ان کو دے دیا۔ ان کی اہلیہ نے کہا کہ میں Pager سے ان کو مطلع کئے دیتی ہوں تاکہ وہ واپس آجائیں یا آپ سے رابطہ کر لیں۔ کچھ دیر میں ظفر صاحب کا فون آگیا۔ ان کی بلال میاں سے گفتگو ہوئی پتہ چلا دونوں کے مکانات بالکل قریب ہیں۔ چند منٹ بعد ظفر صاحب تشریف لائے بات چیت ہوئی اور مجھ سے فرمایا میں مکہ چلنے کے لئے تیار ہوں آپ فرمائیں کب تک تیار ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ آج نہیں کل شب، مجھے ایک روز یہاں آرام کرنا ہے، میں تو ابھی چل سکتا ہوں مگر میری اہلیہ آج مزید سفر نہیں کر سکتی ہیں ان کے معالج کا بھی مشورہ ہے۔ اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور جاتے ہوئے فرمایا کہ کل دس بجے رات پھر رابطہ کروں گا۔ سید ظفر رضا صاحب سے میری یہ پہلی ملاقات تھی بڑے بھلے انسان لگے۔ دورانِ گفتگو پتہ چلا کہ ظفر صاحب مولانا سید عابد شبر صاحب قبلہ مرحوم کے بھانجے ہیں جن سے مجھے بڑی عقیدت رہی ہے جو عالم باعمل تھے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور کراچی یونیورسٹی میں ڈین تھیالوجی رہ چکے تھے۔ ان کے شاگرد اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے شاگردوں نے ہر میدان میں نام پیدا کیا۔ مجھے ان کی شاگردی کا تو شرف حاصل نہ ہوا لیکن کراچی میں اکثر نیاز حاصل ہوتا رہا۔ انہیں کی معرفت مولانا منتخب الحق صاحب جیسے جید عالم سے میری ملاقات ہوئی۔ مولانا منتخب الحق صاحب ہی نے ادارۂ ترویج علومِ اسلامیہ کے کتب خانہ کا افتتاح

کیا تھا اور پروفیسر سید ظفر حسن صاحب ظفر جونپوری نے اپنی نظم "کتاب" پڑھی تھی جس کا ایک شعر نظر قارئین ہے:

زندگانی کی علامت ہے کتابوں کی لگن
دور رہتا ہے خزاں سے جو بھی ہے وہ چمن

یہ باتیں تو بر سبیلِ تذکرہ ہو گئیں اب میں واپس اپنے سفر کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

دوسرے روز میں نے بلال میاں سے کہا آپ تو دفتر تشریف لے جائیں میرے لئے ایک ٹیکسی کا انتظام کر دیں تاکہ تھوڑی بہت جدہ کی سیر کر لوں اور حضرت حوا جو خلقتِ انسانی کی خاتونِ اول ہیں ان کی قبر پر فاتحہ پڑھ لوں۔ میری بات سن کر وہ متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ میں پہلی بار آپ کی زبانی سن رہا ہوں کہ یہاں حضرت حوا کی قبر ہے گو میں یہاں کم و بیش پچیس سال سے قیام پذیر ہوں۔ کہنے لگے کہ معلومات کر کے آپ کو بتاؤں گا بھائی سے پوچھ لیتا ہوں۔ انہوں نے ڈاکٹر ہلال کو جو مکہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں فون کیا لیکن وہ گھر سے جا چکے تھے میں نے کہا بلال میاں ۱۹۶۰ء میں جب میں پہلی بار یہاں حج کی نیت سے آیا تھا تو جدہ میں قیام کے دوران مزارِ حوا بی بی پر حاضر ہوا تھا۔ اب کا پتہ آپ کو ہوگا کہ قبر ہے بھی کہ نہیں، کہیں اس کا بھی اور مقابر کی طرح نشان نہ مٹا دیا گیا ہو یا اس قبر پر بھی ایک عالی شان عمارت نہ کھڑی کر دی گئی ہو۔ شام کو ڈاکٹر ہلال سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسی شب ہم کو مکہ شریف جانا تھا بات

وہیں ختم ہو گئی، رمضان کا زمانہ تھا کچھ دیر گھومے پھرے پھر آکر سو گئے۔ شام کو مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی اور یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک چلتا رہا۔

تاریخ جدہ

ہم جدہ پہنچ چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکہ روانگی سے قبل جدہ کی مختصر تاریخ آپ کے گوش گذار کر دیں تاکہ تاریخی پس منظر آپ کے ذہن میں رہے اور سفرنامہ سے محظوظ ہو سکیں۔ جدہ بحرِ احمر پر ایک قدیم اور اہم بندرگاہ ہے۔ جدہ کی آب و ہوا اپنی ناخوشگواری اور لوگوں کی تنک مزاجی کے لئے مشہور ہے۔ مکہ مکرمہ یہاں سے بہتر (۷۲) کلو میٹر اور مدینہ منورہ چار سو انیس کلو میٹر دور واقع ہے۔ ساری دنیا سے آنے والے حاجیوں اور زائرین کی یہ پہلی منزل ہے، وجہ شہرت یہ ہے کہ یہاں حضرت حوا مادرِ بشر کا مقبرہ ہے جسے سعودی حکمرانوں نے خاموشی سے ۱۹۲۸ء میں مسمار کر دیا۔ مقبرہ تو تباہ ہو گیا لیکن نشانِ قبر باقی تھا۔ ۱۹۶۰ء میں جب مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی تو میں نے اماں حوا کی قبر کی زیارت اپنے رفقا کے ساتھ کی تھی، قبر کچی اور کافی لمبی تھی۔ اس بار یعنی ۱۹۹۴ء میں جدہ کے قیام کے دوران میں نے حاضری دینی چاہی تو احباب نے لاعلمی کا اظہار کیا گویا حضرت حوا بی بی کی قبر بھی زمانہ کے دست برد سے نہ بچ سکی، نہ تو مقبرہ رہا اور نہ نشانِ قبر لیکن انسانوں کے دلوں میں یاد زندہ اور پائندہ ہے اور کیوں نہ ہو آخر ہم سب انہیں کی اولاد ہیں اور وہی ہیں بشر کی مادرِ اول اور حضرت آدمؑ پدر اول۔ اگر چند لوگ اپنے جدِ اعلیٰ کو فراموش کر دیں تو بھی ان متبرک ہستیوں کی یاد محو

نہیں ہو سکتی ، ہو سکتا ہے کہ ان کی قبر کہیں کسی کونے کھدرے میں واقع ہو اور کسمپرسی کی حالت میں ہو یا اس کی جگہ کوئی عالی شان عمارت بن گئی ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

ماضی قریب یعنی تیل کی آمدنی سے قبل تمام حاجیوں اور زائرین سے ٹیکس لیا جاتا تھا اور یہی ٹیکس حکومت کی آمدنی کا اصل ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ تیل کی آمد نے معاشی حالات ضرور بدل دیئے ہیں لیکن دل و دماغ کی کیفیت میں بہتری کے آثار نظر نہیں آتے۔

جدہ اب ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا ہے۔ گیارہویں صدی ہجری میں اس کی آبادی پانچ یا چھ ہزار تھی اب اس کی آبادی تقریباً بارہ لاکھ ہے، جدہ پر جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء سلطنتِ عثمانیہ کی شکست کے بعد انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے وہابیوں کا قبضہ ہو گیا جس کے بعد ہی مقبروں کا انہدام شروع ہو گیا۔ انہدام کی ابتدا ۱۹۲۸ء میں مقبرۂ بی بی حوا سے شروع ہوئی، نہ صرف جدہ میں بلکہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات پر جہاں جہاں حکومت کا بس چلا مقبرے منہدم کرنا شروع کر دیئے اس طرح اللہ کے برگزیدہ بندوں کی نشانیاں صفحہ ہستی سے مٹائی جانے لگیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آلِ رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ کے مقابر بھی منہدم کر دیئے گئے۔ یہ سلسلہ بہت بعد تک جاری رہا۔ انہدام کی تفصیل میں بعد میں مکہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے ذکر کے ساتھ نذرِ قارئین کروں گا۔

جدہ اب ایک بین الاقوامی شہر، بہت بڑی بندرگاہ اور ایئرپورٹ ہے جہاں تمام دنیا سے ہوائی جہاز اور بحری جہاز آتے جاتے ہیں خصوصاً حج کے دوران - اب یہاں فلک بوس عمارتیں اور کشادہ سڑکیں ہیں، دنیا کی تمام آسائشیں موجود ہیں - تجارتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ اب یہ صنعتی شہر بھی ہوتا جا رہا ہے - سیمنٹ اور سنگ تراشی کے کارخانے قابل ذکر ہیں - علاوہ ازیں نئی نئی صنعتیں لگ رہی ہیں - تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں دنیا کی ہر شے آسانی سے مل جاتی ہے - مختصر یہ کہ جدہ ایک قدیم شہر ہے، قدیم اتنا کہ اس کے ڈانڈے جناب حوا سے ملتے ہیں اور جدید اتنا کہ جدہ اب اپنے اندر ایک دنیا ہے جس میں کیا ہے جو نہیں ہے، ہاں کچھ نہیں ہے تو احترام بشر نہیں ہے - لاکھوں، کروڑوں بلکہ اربوں ریال کا لین دین ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی چند سو ریال پر لڑنا جھگڑنا روز کا معمول ہے - میرے ایک شناسا جو تقریباً تیس سال سے جدہ میں مقیم ہیں اور ایک بڑے ادارہ میں اہم جگہ پر تعینات ہیں مزاحاً ایک دن فرمانے لگے پیسہ کے معاملہ میں ایک سعودی دس یہودیوں پر بھاری ہوتا ہے -

جدہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں آپ کی توجہ پھر اپنے سفر کی طرف مبذول کراتا ہوں - جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں ۱۹/ فروری ۱۹۹۴ء کو زیادہ وقت آرام میں گذارا کیونکہ وہاں کے اکثر بازار عصر کے بعد ہی کھلتے ہیں اسی دوران میں نے احسن صدیقی صاحب جن کو تمام دوست احباب " بڑے بھائی " کہتے ہیں، فون کیا اور خیریت معلوم کی - ان کا بیٹا مسرور احسن صدیقی سعودی ایئرلائن میں کام کرتا ہے اور ایئرلائن ہی کے اپارٹمنٹ میں قیام کرتا

ہے ، ان کو بتا دیا کہ آج ہی رات میں مکہ مکرمہ جا رہا ہوں تاکہ جلد از جلد عمرہ کی ادائیگی سے سرخرو ہو جاؤں جس کی خاطر رختِ سفر باندھا ہے ۔

شام کو میزبان کے گھر سب نے روزہ افطار کیا ۔ فرق اتنا ضرور ہوا کہ گھر والوں نے پہلے افطار کیا پھر نمازِ مغرب ادا کی اور میں نے نمازِ مغرب پہلے ادا کی اور پھر روزہ افطار کیا ۔ دونوں نے ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھا کوئی معترض نہیں ہوا ۔

خیالِ خاطر احباب چاہیئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

میرے میزبان اور ان کے اہلِ خانہ افطار کے ساتھ ہی کھانا کھا لیتے ہیں لیکن میں عادتاً کھانا دیر میں کھاتا ہوں اور سحری میں محض دہی اور ایک ٹوسٹ پر اکتفا کرتا ہوں ۔ ہوا یوں کہ افطار کے بعد ہی میزبان کے دوست و اعزاء اور میرے کچھ ملنے والے آنا شروع ہو گئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ رات کے دس بج گئے ۔ اسی دوران ظفر رضا صاحب کا فون آگیا کہ مکہ مکرمہ جانے کے لئے وہ تیار بیٹھے ہیں ۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ گیارہ بجے آجائیں میں تیار ملوں گا ۔ اسی دوران کچھ اور حضرات جن کو میرے جدہ پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی ملاقات کے لئے آ گئے ۔ ان میں ایک صاحب سید جاوید رضا ایسے تھے جو اسی روز چند گھنٹے پہلے ہی کراچی سے جدہ پہنچے تھے اور مکہ میں کسی اسپتال میں کام کرتے ہیں ، میں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ مکہ معظمہ کب جا رہے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ سے ملنے آگیا تھا اور یہ معلوم کرنا مقصود تھا

کہ مکہ مکرمہ میں کہاں قیام ہوگا تاکہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہوں میں بہت خوش ہوا کہ مکہ میں بھی ایک قیام پذیر عزیز مل گئے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا۔

میں نے جس در سے لگا رکھی ہے لو اے نیر
وہ میرے ظرف سے کچھ مجھ کو سوا دیتا ہے

میں نے ان سے کہا بسرو چشم آپ ہمارے ہی ساتھ چلئے، جائیں اور اپنا سامان یہیں لے آئیں ۔ انہوں نے کہا سامان نہایت مختصر ہے اور میرے ساتھ ہی ہے ۔ چنانچہ طے پایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہی مکہ تشریف لے چلیں گے ۔ میں نے احتیاطاً ظفر رضا صاحب سے پوچھ لیا کہ ان کی کار میں گنجائش ہے کہ نہیں، ہمارے سوا اور تو کوئی مکہ معظمہ جانے والا نہیں ۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ حضرات کے علاوہ اور کوئی نہیں ۔ روانگی آسان ہو گئی اور ایک ساتھی بھی مل گیا ۔ اس طرح ایک ہمدرد نوجوان کا مزید انتظام ہو گیا ۔ مجھے بڑا سکون ہوا اللہ تعالیٰ بندہ نواز ہے اس کی بندہ نوازیاں قدم قدم پر موجود ہوتی ہیں ۔ میں نے گیارہ بجے کے قریب احباب سے اجازت چاہی تاکہ غسل کر لوں، احرام باندھ لوں اور دو رکعت نماز ہدیہ احرام بھی پڑھ لوں ۔

احرام کیا ہے، یوں سمجھئے احرام حج اور عمرہ کی یونیفارم ہے جس کو پہن کر ہی حج یا عمرہ ادا کیا جا سکتا ہے ۔ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں، گدا ہو یا بادشاہ سب کو اسی مخصوص لباس میں ہونا ہے اور ایک ہی طور پر طواف کرنا ہے اور سب کے ساتھ مل کر کرنا ہے ۔ یہ واحد مقام ہے جہاں

مرد و زن ایک ساتھ ہوتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں ۔ یہاں نہ تو مرد و زن کی تخصیص ہوتی ہے اور نہ امیر و غریب کی ۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(علامہ ڈاکٹر اقبال)

میں نے اہلیہ سے کہا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں ، ظفر رضا صاحب گیارہ بجے شب سے قبل ہی ہمارے میزبان کے گھر آگئے اور ہم کو تیار پایا ۔ کچھ دیر میں ہم روانہ ہوگئے ۔ ظفر رضا صاحب پہلے اپنے گھر گئے ، اپنے دونوں بچوں کو گھر پر چھوڑا پھر مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوگئے ، اس طرح ہم ۱۹ فروری ۱۹۹۴ء کا دن گذار کر بارہ بجے شب کے بعد تقریباً ساڑھے بارہ بجے جدہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور تقریباً دو بجے شب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ۔ پہلے ہوٹل گئے ، ہوٹل کا نام تھا " مجموعۃ عبادالرحمن للشفیق المفروشہ " ۔ " قصر عبادالرحمن " جو شارع لشبیکتہ پر واقع ہے یہاں سامان رکھا اور تجدید وضو کی ہمارا سامان ہوٹل میں رکھا گیا اور ساتھ ہی ساتھ مولانا سید عابد شبرؒ کی بیٹی اور داماد کا سامان کار میں رکھا گیا کیونکہ اسی کار سے ان لوگوں کو جدہ واپس جانا تھا اور دوسرے روز مدینہ منورہ روانہ ہو جانا تھا ، بعد ازاں ان کو پاکستان اور وہاں سے لندن جانا تھا جہاں ان کا مستقل قیام ہے ۔ بہرحال ہم سب نصف شب کے بعد تقریباً ڈھائی بجے شب حرم مطہر میں تلبیہ یعنی لبیک

اللهم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ

لک و الملک لک لا شریک لک لبیک کا ورد کرتے ہوئے داخل ہوئے ، ہم دونوں عمرہ کی نیت سے اور وہ لوگ طوافِ رخصت کے لئے ۔ حرم میں تو سب ساتھ داخل ہوئے لیکن پھر دونوں کی راہیں جدا جدا ہو گئیں طوافِ رخصت کے بعد وہ ایسے جدا ہوئے کہ اب تک ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ وہ لوگ پہلے پاکستان گئے اور پھر وہاں سے لندن روانہ ہو گئے ۔ جناب ظفر رضا صاحب سے تو برابر رابطہ رہا اور مدینہ منورہ کی واپسی پر شرفِ نیاز بھی حاصل ہوا ۔

احوالِ عمرہ

ہم دونوں ڈھائی بجے شب سے صبح ساڑھے سات بجے تک حرمِ مطہر میں رہے ۔ عمرہ کے تمام ارکان بجا لائے اور بحمداللہ نہایت آسانی سے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا ۔ صفا و مروہ کی سعی بھی کی ، میں نے چل کر اور دوڑ کر اور اہلیہ نے پہیئے والی کرسی (Wheel Chair) پر جس کا وہاں نہایت مناسب انتظام ہے ، اپنا پاسپورٹ جمع کرائیے اور وہیل چیئر (Wheel Chair) لے لیجئے جس کا کوئی کرایہ نہیں دینا پڑتا ۔ سعی سے فارغ ہونے پر جب میں نے وہیل چیئر (Wheel Chair) چلانے والے کو پچاس ریال دیئے تو خوش ہو گیا اور دعائیں دینے لگا اور عمرہ قبول کا نعرہ بلند کیا غالباً یہ رقم اس کی امید سے زیادہ تھی ۔ سعی کے بعد ہم نے طوافِ نساء کیا ہی تھا کہ نمازِ تہجد کی اذان ہو گئی جی بھر کر آبِ زم زم پیا جس کا حرمِ کعبہ میں نہایت ہی اعلیٰ انتظام ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔ ہم دونوں نے نمازِ تہجد ادا کی

اور چند رکعت اور نمازیں ادا کیں اور ابھی ہم گریہ و زاری اور خشوع و خضوع سے دعاؤں میں مشغول تھے ہی کہ نمازِ فجر کی اذان ہو گئی ۔ مجھے مقامِ ابراہیم سے ملحق جگہ مل گئی یہ میری خوش نصیبی تھی ۔ ساتھ ہی لکڑی کی جالیوں سے گھرا ہوا ایک حلقہ بنایا گیا تھا یہ حصہ خواتین کے لئے مخصوص تھا اہلیہ کو میرے قریب ہی جالی والے حصہ میں جگہ مل گئی ۔ نمازِ صبح ادا کی اور خانہ کعبہ کو دیکھتے رہے کیونکہ خانہ کعبہ کو دیکھنا بھی تو عبادت ہے ۔ نمازِ صبح کے بعد خواہش ہوئی کہ ایک بار پھر طوافِ کعبہ کر لیں لیکن نمازِ فجر کے فوراً بعد مطافِ کعبہ (یعنی دائرہ طواف) میں بہت مجمع ہو چکا تھا وہاں تک پہنچنا دشوار تھا ۔ مجمع کتنا تھا بتانا مشکل امر ہے ۔ اخباری اطلاعات کے مطابق رمضان شریف میں عمرہ کے لئے تقریباً دس لاکھ لوگ پہنچ چکے تھے ۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طوافِ کعبہ کے دوران کتنا مجمع رہا ہو گا ۔ میں روانگی سے قبل اور روانگی کے بعد رب العزت سے دعا مانگتا رہا کہ اے غفور الرحیم ہمارے اس سفر اور تمام ارکانِ عمرہ کو ہمارے لئے آسان بنا دے ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے عمرہ کے تمام مراحل آسانی سے طے کرا دیئے اور تمام دلی مرادیں بر آئیں :

تمنائیں حدِ نظر بن گئی ہیں
دعائیں سراپا اثر بن گئی ہیں

حرمِ کعبہ سے ہوٹل کی جانب

بعد ازاں ہم نے طے کیا کہ اب واپس ہوٹل جانا چاہیئے گرچہ دل نہیں

چاہتا تھا کہ ابھی کچھ دیر اور کعبہ نظروں کے سامنے رہے، ظفر صاحب نے چلتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہوٹل جانے کے لئے باب عمرہ سے نکلیں تو آسانی ہو گی، کئی افراد سے دریافت کیا لیکن کوئی رہبری نہ کر سکا ہماری طرح وہ لوگ بھی تو اجنبی تھے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالی کو یہ منظور تھا کہ ان راہوں پر ہم تادیر چلتے رہیں جن راہوں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ہوتا رہا ہو گا ۔ ان راہوں پر قدم بہ قدم چلنا، آنکھیں بچھانا، ہمارے لئے عین راحت اور باعثِ برکت ہے بلکہ عبادت ہے ۔ بہر حال جب ہم پھرتے پھراتے حرم کے بیرونی حصے میں پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ تو صفا اور مروہ کی جانب بابِ علیؑ اور بنی ہاشم ہے ۔ بابِ علیؑ کا نام سنتے ہی جناب سید ہاشم رضا کا شعر زبان پر آگیا آپ بھی سن لیجئے:

ان کی معراج کہ وہ دوشِ نبیؐ تک پہنچے
میری معراج کہ میں بابِ علیؑ تک پہنچا

بابِ عمرہ، باب السلام اور خودکار زینہ کے بائیں جانب فاصلہ پر ہے ۔ اس وقت صبح کے سات بج چکے تھے اور دکانیں بند ہو رہیں تھیں ۔ صبح کا سہانا وقت تھا، موسم نہایت خوشگوار، چاروں طرف روشنی پھیل چکی تھی ۔ ایسی ہی ایک صبح کا نقشہ میر انیس نے کھینچا ہے انھیں کے الفاظ میں سنئے: ۔

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح

سر گرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

پتہ چلا دکانیں اب بعدِ ظہر کھلیں گی اور تمام رات کھلی رہیں گی ۔ خیال ہوا کہ ٹیکسی کر لیں ، پھر سوچا پیدل ہی چلتے ہیں آدھ گھنٹہ میں پہنچ جائیں گے اور راستے بھی یاد ہو جائیں گے ۔ اہلیہ کی طرف دیکھا کیونکہ وہ فشارِ خون کی مریضہ ہیں پیدل چلنا پسند کریں گی یا ٹیکسی میں ہوٹل جانا چاہتی ہیں ، انہوں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی کیونکہ صبح کا وقت تھا ، خوشگوار ہوائیں چل رہی تھیں ، خدا جانے ایسا موقع پھر کب نصیب ہو ۔ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چلنا پھرنا نصیب کی بات ہے ، یہ سعادت کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک صاحب قریب آئے اور ہماری زبان اردو میں پوچھا آپ لوگ کہاں جانا چاہتے ہیں ۔ اپنی بولی سن کر خوشی بھی ہوئی اور حیرانی بھی کہ لباس سے وہ عرب لگ رہے تھے ، میں نے ہوٹل کا نام لیا ، فرمانے لگے کہ میں بھی اسی طرف جا رہا ہوں ، آپ میرے ساتھ چلتے رہئے ۔ میں نے عرض کیا بشرطیکہ آپ آہستہ چلیں ۔ فرمانے لگے بہت تھک گئے ہیں کیا ؟ میں نے عرض کیا نہیں دیارِ حبیبؐ کی گلیوں میں چلنا تو عین راحت ہے لیکن میری اہلیہ تیز خرامی نہیں کر سکتی ہیں ، مجھے فارسی کا مقولہ یاد

آگیا لکھے دیتا ہوں شاید آپ کو پسند آئے ۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام
زیر قدمت ہزار جان است

غالباً اب تک ان کی نظر میری اہلیہ پر نہیں پڑی تھی ۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں ، فرمایا " مقبوضہ کشمیر" کے ، ہم بہت دکھ جھیل رہے ہیں بھارت کی ہٹ دھرمی سے ، یہاں بھی چھپ چھپا کر رہ رہے ہیں ۔ عوام سے تو خوف نہیں لیکن یہاں کے شرطے (سپاہی) بڑے خطرناک ہوتے ہیں ۔ ہم چلتے رہے اور وہ اطمینان دلاتے رہے کہ ہوٹل قریب ہی ہے کوئی پون گھنٹہ بعد ایک ہوٹل کے سامنے رکے اور فرمایا یہ لیجئے آپ کا ہوٹل ہے ۔ میں نے نظر دوڑائی تو پتہ چلا نام تو وہی ہے لیکن یہ وہ مطلوبہ عمارت نہیں جہاں ہمارا قیام ہے ۔ اس طرح کی دو اور عمارتیں اسی نام سے موسوم ہیں یہ ہمارے کشمیری بھائی نے بتلایا ۔ ہم پھر چل پڑے ، چند منٹ میں دوسری عمارت تک رسائی ہوئی لیکن یہ بھی مطلوبہ عمارت نہ تھی ، ہم اور آگے بڑھے اور اس سے ذرا پرے ایک اور عمارت ملی جہاں ہمارا قیام تھا ۔ اسطرح تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں ہم اپنے ہوٹل پہنچے ، ان صاحب نے سلام علیکم کہا اور جانے لگے تو ان سے عرض کیا کہ گلے تو مل لیں ۔ گلے خوشی خوشی ملے ۔ ہاتھ ملایا تو میں نے کچھ ریال ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے وہ گھبرا گئے اور سارے ریال گر پڑے فوراً ہی ہم دونوں نے اٹھائے اور میں ان سے ملتجی ہوا کہ وہ یہ حقیر سی رقم قبول فرمالیں ۔ وہ انکار کرتے رہے میں نے زبردستی وہ ریال ان

کی جیب میں ڈال دیئیے ۔ واقعہ بظاہر معمولی ہے لیکن کشمیری بھائی کی خودداری قابلِ ستائش ہے ۔ ویسے تو ہم دونوں ہی پردیسی تھے لیکن فرق یہ تھا کہ ہم عمرہ کے لئے باقاعدہ ویزا لے کر گئے تھے اور وہ مجبوراً روزگار کی خاطر وہاں رہ رہے تھے اور سہمے سہمے تھے ۔ خدا جانے باکار تھے یا بیکار ۔ میں نے مزید عرض کیا کہ کسی وقت تشریف لائیے مل بیٹھ کر کچھ باتیں ہوں گی ۔ انہوں نے دریافت کیا کب واپس جا رہے ہیں ۔ میں نے بتایا کہ دو تین دن بعد طے کرونگا۔ ایک روز اتفاقاً سرراہ پھر مل گئے میں بابِ عمرہ سے نکل رہا تھا اور وہ داخل ہو رہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد فرمایا زحمت نہ ہو تو فاضل لباس عنایت فرمادیجئے گا ۔ میری طرح کچھ اور لوگ بھی بلا اقامہ (unauthorised) رہ رہے ہیں ان کو بھی ضرورت ہے ۔ پاکستانی لباس یوں بھی ہمارے لئے باعثِ برکت ہے

میں سوچنے لگا اور سوچتا رہا کہ جو پاکستان سے دور ہیں ان کو پاکستان کا کس قدر خیال ہے ، ایک ہم ہیں کہ لوٹ کھسوٹ میں مصروف اور آپس میں برسرپیکار ہیں ۔ بہر حال وہ وقتِ معینہ پر تشریف لائے جو کچھ خدمت ہو سکتی تھی میں نے کی لیکن دل یہی چاہتا تھا کہ "کاش کچھ اور کر سکتا ۔" وہ بڑے بھلے مانس تھے ان کی باتیں نہایت معصومانہ اور پرخلوص تھیں ۔

گذشتہ شب جدہ میں صرف افطار کیا تھا کھانا کھانے کی فرصت نہ ملی تھی ، ڈھائی بجے شب حرمِ کعبہ پہنچے ۔ عمرہ سے فارغ ہوئے ۔ نمازِ تہجد کا وقت ہوگیا

نماز سے فارغ ہوئے دعاؤں میں محو ہوگئے ۔ میں چند دعاؤں کا مسلسل ورد رکھتا ہوں ۔ دعاؤں سے مجھے بہت سکون ملتا ہے تسبیح فاطمہ (اللہ اکبر ۳۴ بار، الحمد اللہ ۳۳ بار اور سبحان اللہ ۳۳ بار) پڑھنا نماز کے علاوہ بھی میرے معمولات میں ہے، اس کے علاوہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا بھی ورد رکھتا ہوں ۔

میں دعا کو عین عبادت سمجھتا ہوں اور دعا کے اثرات کا دل سے قائل ہوں ۔ صدقہ اور صلہ رحمی پر عمل ہوتا رہے اور دعا صدقِ دل، خشوع و خضوع اور گریہ وزاری سے مانگی جائے تو بارگاہِ ایزدی میں ضرور قبول ہوتی ہے بشرطیکہ مقصد نیک ہو، بھلائی مقصود ہو، کسی کی برائی نہیں ۔ کیونکہ کسی کی برائی چاہنے والے کے سامنے خود برائی آتی ہے "چاہ کن را چاہ درپیش" ہم رحمتہ للعالمین کے نام لیواؤں کو کسی کے لئے بد دعا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بد ترین دشمنوں کے لئے بھی بد دعا نہیں فرمائی ۔ کسی ذی روح کے لئے برا نہیں چاہنا چاہئے یہ اسلام کی روح کے منافی عمل ہے ۔ ہم دعاؤں میں مشغول ہی تھے کہ نمازِ فجر کی اذان ہوگئی ۔ اب تو سحری کھانے کا بھی وقت نہیں رہا۔ نہ تو سحری کھانے کا وقت تھا اور نہ ہمارے پاس اس کا کوئی اہتمام ہی تھا ۔ روزہ پر روزہ رکھا لیکن کیا عرض کروں خدا شاہد ہے یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم بغیر سحری کے روزہ رکھے ہوئے ہیں ۔ ہوٹل کے کمرہ میں پہنچے تو پنجتن پاکؑ کا روزہ یاد آگیا ان حضرات نے تو پے در پے تین روزے رکھے تھے اور پورے کنبہ نے اپنا کھانا مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو عطا فرما دیا تھا ۔ کاش ہم اس وقت مدینہ

منورہ میں اس گھر کے آس پاس ہوتے جہاں یہ واقعۂ عظیم وقوع پذیر ہوا تھا ہماری جانیں ان پر قربان ، ہماری آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن ہم کو بہت سکوں نصیب ہوا ، ان مقدس ہستیوں کا عالم کچھ اور ہی تھا ۔

فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر

احرام تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہوئے اور فوراً ہی محو خواب ہو گئے ۔ ساری رات کے جاگے تھے اور جس مقصد کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا اس کا پہلا حصہ پورا ہو گیا تھا ۔ خداوندِ عالم کا شکرِ عظیم ہے ۔ ہماری پہلی منزل بحسن و خوبی طے ہوئی ۔

تاریخ مکہ

اب ہم مکہ معظمہ پہنچ چکے ہیں بہتر ہو گا کہ مکہ کی مختصر تاریخ نذرِ قارئین کی جائے تا کہ تاریخ مکہ مکرمہ کا ایک خاکہ نظروں میں رہے اور واقعات پڑھنے میں زیادہ لطف آئے ۔

قرآن مجید نے مکہ کو بکہ کہا ہے ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا یہ (خانہ کعبہ) اللہ کا پہلا گھر ہے ۔ جو بکہ یعنی مکہ میں تعمیر کیا گیا ہے ۔ برکت والا ۔ (آل عمران پارہ ۴) ابتدا میں مکہ کے مکانات پتھر مٹی اور ساحل سمندر پر پائی جانے والی سیپوں سے بنائے جاتے تھے ۔ آغاز تو یوں ہوا لیکن ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں ۔ مکہ کی عہد بہ عہد ارتقائی منازل کا

رنگین نقشہ پیش خدمت ہے۔
(حصہ تصاویر ملاحظہ ہو)

مکہ معظمہ حجاز مقدس کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ آبادی ۱۹۷۰ء کی دہائی میں تقریباً تین لاکھ تھی۔ اس وقت شہر کا رقبہ تقریباً دس مربع میل تھا لیکن آجکل آبادی سات آٹھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حج کے دوران آبادی تگنی اور رمضان شریف کے زمانے میں دگنی ہو جاتی ہے، اب شہر بھی کافی پھیل چکا ہے۔ زمانہ قدیم سے مکہ معظمہ ایک تجارتی شہر رہا ہے۔ ایام حج میں اسلام سے قبل بھی آبادی میں اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔ مکہ کا تعلق جنوبی عرب مشرقی افریقہ اور جنوبی ایشیا سے رہا ہے۔ رومیوں اور بازنطینی دور میں بھی تجارتی مرکز کے طور پر شہرت رکھتا تھا۔ اہل عرب لکھنے پڑھنے سے عاری تھے، اس کے باوجود فصاحت و بلاغت کے زعم میں اپنے کو عرب اور باقی دنیا کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ جنگ و جدال اور لوٹ مار عام بات تھی۔ بعض ظالم تو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ علامہ خضری نے اپنی تاریخ محاضرات الامم الاسلامی میں لکھا ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی عادت صرف قبیلہ بنو تمیم میں تھی۔ یہی نہیں کہ وہ ان مظالم کے عادی تھے بلکہ ان کو باعث فخر بھی گردانتے تھے۔ خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا ایک بت یعنی نعوذ باللہ خدا ہوتا تھا۔ قریش میں ایک قبیلہ ایسا ضرور تھا جو اپنے کو آل ابراہیمؑ کہتا اور دین حنیف کی پابندی کرتا تھا، وہ تھا جناب ہاشم کا خاندان۔ حضورِ اکرم احمدِ مجتبیٰ محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ۵۷۰ء میں اسی خاندان میں ہوئی تھی۔

اے ختمِ رسلؑ قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ از رہِ دور آمدۂ

اس وقت مکہ کی کل آبادی پندرہ ہزار بتائی جاتی تھی ، اس وقت مشکل سے سترہ اٹھارہ افراد ایسے تھے جو پڑھ لکھ سکتے تھے ، ان پڑھے لکھے لوگوں میں ایک نام نامی علی مرتضیٰ ابن ابی طالب کا تھا جن کی پرورش حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی تھی ، آپؑ کی ولادتِ باسعادت خانہ کعبہ میں رسولِ اکرمؐ کی ولادت کے تیس سال بعد ہوئی تھی ۔ آپؑ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک خاتم المرسلین تشریف نہیں لائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابنِ عم کو ہاتھوں میں لیا ، نور کو نور سے قربت ہوئی تو آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے چہرۂ اقدس دیکھا ۔

علیؑ کو حق نے اتارا تو عین کعبہ میں
کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

جی چاہتا ہے موقع کی مناسبت سے حضرت جوش ملیح آبادی کا ایک بند

قلم بند کر دوں امید ہے کہ آپ بھی پسند فرمائیں گے :

سلمائے روزگار کو زریں قبا ملی
انسانیت کو دولتِ صد ارتقا ملی

ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی
آغوش میں رسولؐ کو اپنی دعا ملی

جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ شفقت تھا کہ جناب علی مرتضیٰؑ نہ صرف اسلام میں بلکہ تمام عالم میں اپنی خداداد ذہانت سے علم و تدبر، تفکر و تحمل، فصاحت و بلاغت، اور شہامت و شجاعت میں آنے والے زمانہ کے لئے مثال بنے ۔ ان کے خطوط و خطبات عربی ادب کے شہ پارے ہیں۔ آپؑ کے کلام کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے جو " دیوانِ حضرت علی " کے نام سے مشہور ہے ۔ دیوانِ علی مرتضیٰ کا پہلا شعر ہے:

لیس الفتیٰ من یقول کان ابی
ان الفتیٰ من یقول ها انا ذا

(نوجوان وہ نہیں جو پدرم سلطان بود کہے ۔ بیشک نوجوان وہ ہے جو یہ کہے کہ دیکھو میں یہ ہوں)

خطبات کا مجموعہ " نہج البلاغہ " کلام الامام امام الکلام کی سند حاصل کر چکا ہے ، اور کیوں نہ ہو رسالت مآبؐ شہر علم ہیں اور علی مرتضیٰ بابِ علم

مکہ خلافتِ راشدہ کے بعد عموماً آزاد رہا ۔ بنی امیہ اور بنی عباس بھی مکمل طور اس پر قابو حاصل نہ کر سکے ۔ ۱۲۶۹ء میں مکہ معظمہ پر مصری مملوک قابض ہوئے ۔ ۱۵۱۷ء میں ترکوں کے قبضہ میں آیا لیکن مقامی انتظامیہ آلِ ہاشم کے

زیر اثر رہی ، مرکز کا قبضہ برائے نام رہا - پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی جس میں سلطنتِ عثمانیہ کو شکست ہوئی - عربوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے بجائے انگریزوں کا ساتھ دیا اس طرح ایک بہت بڑی اسلامی سلطنت انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور علمائے سوء کی فریب کاریوں سے پارہ پارہ ہوگئی -

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سلطنتِ عثمانیہ کی شکست کے بعد ہاشمیوں اور وہابیوں میں رسہ کشی شروع ہو گئی - ۱۹۲۵ء میں وہابی بادشاہ ابنِ سعود نے مکہ پر قبضہ کر لیا - اس طرح مکہ معظمہ آلِ سعود کی حکومت کا حصہ بن گیا اور وہابی طرزِ فکر کا دور دورہ شروع ہوگیا - ۱۹۲۸ء سے اسلامی ثقافت اور تاریخی و مقدس مقامات جن کی اسلام میں بڑی قدر و منزلت تھی، مٹایا جانے لگا جس پر عالمِ اسلام نے پرزور احتجاج کیا جس کا ذکر قدرے تفصیل سے آگے آئے گا -

مکہ معظمہ کی فضیلت یہ ہے کہ یہاں کعبۃ اللہ ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسبان ہمارا

کہا جاتا ہے کہ کعبہ کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی جو بعد ازاں طوفانِ نوح میں زمین کے برابر ہوگئی - اس کے ہزاروں سال بعد جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کا از سرنو

ارادہ کیا تو سب سے پہلے انہوں نے بنیادوں کو تلاش کیا جس پر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کا پہلا گھر بنایا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے اس مقصد کے لئے اپنے کمسن بیٹے حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام اور اپنی زوجہ حضرت ھاجرہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور کھدائی کر کے ان بنیادوں کو تلاش کیا جس پر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کا گھر تعمیر کیا تھا اور جب اس کا پتہ چل گیا تو انہی بنیادوں پر کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ ان بنیادوں کی نشان دہی کے طور پر ایک پتھر نصب کرنے کی ضرورت پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے اور جبل قبیس کی جانب گئے جہاں حضرت جبرئیل نے انہیں وہ سیاہ پتھر دیا جو اب کعبہ میں نصب ہے۔ جسے حجراسود کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کا متبرک پتھر تصور کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ کی ایک اور اہمیت یہ ہے کہ اس سرزمین پر وہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا جو فخر کائنات اور افضل الانبیاء تسلیم کیا گیا اور جس نے اقوامِ عالم کو اخوت، انسانیت، سچائی اور عدل گستری کا سبق دیا اور جس کی ضوفشانیوں نے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دیا۔ اس مقدس شہر کی خاک سے وہ خیر البشر اٹھا جس نے عربوں کے جاہل اور وحشی قبائل کو انسانیت کا پیغام سنایا جس نے ان کی زندگیوں کو یکسر بدل دیا اور ان میں بڑے بڑے صاحبِ سیف و قلم اور صاحبِ کردار پیدا ہوئے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل تعلیم اور تربیت نے ایک ایسے معاشرہ کو جنم دیا جو دنیا میں سب سے زیادہ حیرت انگیز انقلاب کا

باعث ہوا جس نے دنیا کو حقیقی جمہوریت سے آشنا کیا۔

کعبہ سطح زمین پر مسلمانوں کا سب سے مقدس مقام ہے اور اس میں ایک رکعت نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ رکعت کا ثواب ملتا ہے ۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے اور دنیا کے مسلمان اس کی جانب منہ کر کے اپنی نماز ادا کرتے ہیں ۔ ہر سال دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں مسلمان فریضہ حج ادا کرنے جو ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے مکہ معظمہ جاتے ہیں ۔ اس طرح چودہ سو سال میں مکہ مکرمہ کی سرزمین کتنے عظیم المرتبت انسانوں کی قدم بوسی کر چکی ہے اس کے تصور سے دل و دماغ میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ اس طرح مکہ معظمہ دنیائے اسلام کا صدر مقام یا پایہ تخت کی حیثیت رکھتا ہے جہاں دنیا کی چہار جانب سے مسلمان اکٹھا ہوتے ہیں ۔ حرم کی سرزمین صفحۂ عالم پر امن کا واحد خطۂ زمین ہے ۔

مکہ شہر چاروں طرف سے بے آب و گیاہ پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اسی لئے اس کو وادی غیر ذی ذرع کہتے ہیں ۔ سطح سمندر سے نو سو نو فٹ بلندی پر واقع ہے ۔ ان پہاڑیوں سے چار مختلف راستے شہر کو ملاتے ہیں شمال و مشرق کی طرف منیٰ عرفات اور طائف ، شمال مغرب کی جانب مدینہ منورہ ، مغرب کی جانب جدہ اور جنوب کی جانب یمن سے رابطہ قائم ہے ۔ (مکہ کا رنگین نقشہ حصہ تصاویر میں دیکھئے) مکہ شہر چوں کہ پہاڑوں کے دامن میں نشیب میں واقع ہے معمولی سی بارش سے بھی سیلاب آجانے کا خطرہ رہتا ہے ۔ گرمی سخت پڑتی ہے ۔ درجۂ حرارت ۴۵ ڈگری سینٹی گریڈ یا ۱۱۳ ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی کبھار اس سے بھی زیادہ ۔ سالانہ بارش پانچ انچ

مشکل سے ہوتی ہے ، گرمی وہاں ایسی شدت کی ہوتی ہے کہ میر انیس کا شعر یاد آجاتا ہے:

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

دھوپ میں پڑے ہوئے سنگریزے چنگاریوں کی مانند گرم و سرخ شعلے بن جاتے ہیں ۔ سخت تپش اور سورج کی تمازت سے تپتے ہوئے پتھر گرم توے بن جاتے ہیں اور ایسی صورت میں تھوڑی سی مزید حدت دے کر ان پر روٹی پکائی جا سکتی ہے ، اسی قسم کی روٹی کو ایران میں " نانِ سنگ " کہتے ہیں جو وہاں بہت پسند کی جاتی ہے ، یہ نہ معلوم ہو سکا اس قسم کی روٹی کا یہاں رواج ہے کہ نہیں ؟ یہاں بارش کی کمی اور سخت گرمی کی وجہ سے خوردنی اشیاء بہت کم پیدا ہوتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر سے ضروری اشیاء وافر مقدار میں درآمد کی جاتی ہیں اور یہاں کبھی ضروری اشیاء کی کمی نہیں ہوتی قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے **رب اجعل هذا بلدا آمنا وارزق اهله من کل الثمرات** اے پروردگار اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو ہر قسم کے پھلوں کا رزق عطا کر ۔ یہ دعائے خلیل کا اثر ہے کہ ہر طرح کے پھل بھی کثرت سے ملتے ہیں یہاں تک کہ رمضان المبارک اور حج کے مواقع پر بھی کسی شے کی کمی محسوس نہیں ہوتی ۔ تمام اشیا یکساں طور پر پورے ملک میں دستیاب ہوتی ہیں چاہے ایئرپورٹ ہو یا خاص بازار ۔ یہ یہاں کی حکومت کا اعلیٰ انتظام اور اچھی کارکردگی کا نمونہ ہے ۔

جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں جمعہ کی شب ہم نے جدہ میں گذاری۔ سنیچر کا دن گذار کر سنیچر اور اتوار کی درمیانی شب جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچے اور عمرہ سے مشرف ہوئے۔ اتوار یعنی ۲۰ فروری ۱۹۹۴ء کو ظہر تک ہوٹل میں آرام کیا۔ ظہر کے وقت اٹھے حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے، وضو کیا اور حرم کعبہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ تقریباً پندرہ منٹ میں احاطہ کعبہ میں داخل ہوگئے۔ یہی سفر گذشتہ شب ہم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں طے کیا تھا۔ بابِ عمرہ سے داخل ہوئے، طوافِ کعبہ سے پہلے پورے خانہ کعبہ کا جائزہ لیا اور طے پایا کہ طواف اور حطیم میں نماز کے بعد بابِ عمرہ کی طرف کھلی جگہ میں حطیم کے باہر جہاں روشنی کے گلوب لگے ہوئے ہیں ان کے قریب ایک دوسرے کا انتظار کریں گے۔ ظہر اور عصر کی نماز کے بعد ہم پھر واپس ہوٹل آگئے تاکہ افطار اور کھانے کا انتظام کر سکیں۔ جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا وہاں رستوران نہ تھا لیکن باورچی خانہ ضرور تھا۔ ہم نے افطار اور کھانے کے لئے رستوران ہی کو ترجیح دی، ایسے وقت میں کچن کے جھمیلے میں پڑنا مناسب نہ سمجھا اور نہ ہم اس کے لئے تیار تھے۔ میاں جاوید رضا جو جدہ سے ہمارے ساتھ آئے تھے ان سے طے پایا تھا کہ عصر اور مغرب کے درمیان وہ ہوٹل میں ہم سے ملیں گے۔ وہ وقت سے کچھ پہلے ہی آگئے یعنی ہم "حرم کعبہ" سے واپس اپنے ہوٹل میں داخل ہوئے ہی تھے کہ وہ آگئے، ان کے آنے سے بڑا سکون ملا کیونکہ ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نزدیک ترین رستوران کہاں ہے تھوڑی دیر بعد میاں جاوید رضا کے ہمراہ ہم رستوران پہنچے جو حرم کعبہ کی طرف ہمارے ہوٹل سے چار پانچ منٹ کے فاصلہ پر تھا، وہاں سے ہم نے

افطار، کھانے اور سحر کا انتظام کیا - ایسا لگا جیسے پاکستان کے رستوران میں ہیں گرم گرم پکوڑے ، سموسے ، چنے ، روٹی ، سالن مختصر یہ کہ یہاں ہر شے موجود تھی - ضرورت کی تمام اشیاء خریدیں اور واپس ہوٹل آگئے - جاوید رضا اپنے ساتھ ٹھنڈے آبِ زم زم کی کئی تھیلیاں اور ایک ڈرم (پلاسٹک) آبِ زم زم لائے تھے ، اس طرح ہمارا آبِ خنک کا بھی مسئلہ حل ہوگیا - پلاسٹک کا ڈرم بڑے فریج میں رکھا اور پلاسٹک کی تھیلیاں افطار کے لئے - آج ہم نے افطار ہوٹل ہی میں کیا ، کچھ دیر آرام کیا اور حرم کے لئے روانہ ہوگئے - نمازِ تراویح شروع ہو چکی تھی لیکن ضروری نہیں کہ سب تراویح میں شریک ہوں کچھ لوگ نمازِ تراویح میں شریک ہوتے ہیں اور کچھ الگ الگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں ، بہرحال کوئی کسی کی طرف انگلی نہیں اٹھاتا - خانہ خدا ہے ہر شخص کو کھلی اجازت ہے کہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرے - میں نے محسوس کیا کہ نمازِ تراویح میں زیادہ تر وہی حضرات شریک ہوتے ہیں جو باہر سے تشریف لاتے ہیں - مقامی آبادی اپنے کاروبار میں مصروف رہتی ہے - سچ پوچھئے تو مقامی لوگوں کا یہی کاروبار کا زمانہ ہوتا ہے - رمضان المبارک سے لے کر اختتامِ حج تک خوب کماتے ہیں اور سال بھر کھاتے ہیں - اللہ تعالیٰ روزی رساں ہے سب کو روزی عطا کرتا ہے طریقے جدا جدا ہوتے ہیں ، یہ ہم پر منحصر ہے کہ کون سا طریقہ اپناتے ہیں:

ضامنِ روزی شدہ روزی رساں

ذکرِ حضرت ابراہیم

بات یہاں تک پہنچ چکی ہے اور بار بار خانہ کعبہ کا ذکر آچکا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کعبہ کے معمار یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر ذکر ہو جائے تاکہ آپ پس منظر سے کما حقہ واقف رہیں ۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم دمشق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے اور کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بابل میں پیدا ہوئے اور بعد میں دمشق ، بیت المقدس اور مصر تشریف لے گئے ۔ آپ کی زوجہ سارہ بانجھ تھیں ، انہیں کی فرمائش پر حضرت ابراہیم نے جناب ہاجرہ سے جو جناب سارہ کی خدمت گار تھیں بڑھاپے میں شادی کی جن کے بطن سے اسماعیلؑ پیدا ہوئے قدرتِ خدا دیکھئے کہ اسماعیلؑ کی ولادت کے تیرہ سال بعد جناب سارہ سے جو کہ بانجھ تھیں اور بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا جن کا نام اسحاقؑ ہے ۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۶ سال ہو چکی تھی اور حضرت اسماعیل اس وقت بیس سال کے تھے اور حضرت اسحاق سات سال کے تھے ۔ حضرت یعقوب حضرت اسحاق کے بیٹے تھے اور حضرت یوسف حضرت یعقوب کے فرزند تھے ۔ حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ جن کو حضرت ابراہیم نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کیا ہمارے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہیں ، یہی وہ خاندان ہے جو دینِ حنیف ابراہیم پر قائم رہا ۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اکثر پیغمبروں کے جدِ اعلیٰ ہیں ۔ حضرت ابراہیم مکہ آتے ضرور

تھے لیکن رکتے نہ تھے ، واقعہ قربانی ، اسماعیل کے بعد پھر واپس بیت المقدس چلے گئے ۔ حضرت ابراہیم کئی بڑی آزمائشوں میں مبتلا ہوئے اور سب میں سرخرو ہوئے پھر درجۂ امامت پر فائز ہوئے ۔

۱ ۔ حضرت ابراہیم اپنے پروردگار کے سامنے قلبِ مطمئنہ اور ایمانِ کامل لے کر آئے تو بھڑکتے ہوئے شعلے خاموش ہوگئے:

نارِ نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا لیا تو نے

۲ ۔ حضرت ابراہیم نے اپنی زوجہ بی بی ھاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ جہاں حجاز میں نزول فرمایا تھا وہ ایک بے آب و گیاہ خطہ تھا ، پانی کی تلاش میں حضرت ھاجرہ اپنے کمسن بچے اسماعیل کو لے کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھ گئیں دور دور تک نگاہ ڈالی حد نگاہ تک پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا ۔ پیاس کی شدت سے ماں اور بیٹے جان بلب ہو رہے تھے ۔ ماں سے بیٹے کی تکلیف دیکھی نہ جاتی تھی ، پریشانی اور کسمپرسی کے عالم میں وہ بچے کو لے کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑتی تھیں آخر کار طاقت نے جواب دے دیا (ایامِ حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے وہ اسی واقعہ کی یاد دہراتی ہے) اور ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئیں ۔ کمسن بچے نے پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑنا شروع کیں ۔ خدا کی قدرت دیکھئے ایڑیاں رگڑنے سے وہاں میٹھے پانی کا چشمہ نکل آیا ماں بیٹے نے اس قدرتی چشمے سے پیاس بجھائی اور خدا کا شکر ادا کیا ۔ جس نے

ایسے بے آب و گیاہ علاقہ میں چشمہ پیدا کر کے ان کی جان بچائی ۔ یہی چشمہ زمزم کے نام سے مشہور ہے جو ہزاروں سال سے مکہ کے لوگوں کی پیاس بجھا رہا ہے اور جس کا متبرک پانی تمام دنیا کے مسلمان حج کے موقع پر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ۔

۳ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچے کو قربان کرنے لے چلے ، چھری چلائی ، بچہ بحکم رب العالمین بچ گیا ۔ عمدہ سفید مینڈھا جو جنت سے اتارا گیا تھا اور شبیر پہاڑ پر نازل کیا گیا تھا ذبح ہو گیا (یہ پہاڑ مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے جو جانے والوں کے داہنے ہاتھ آتا ہے) جس کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے (بحوالہ خانہ کعبہ ۔ محمد طاہر الکردی) یہ ہیں چند قربانیاں جن کا ذکر کیا گیا ۔ آپ کی قبر، آپ کی زوجہ سارہ ، بیٹے اسحاق اور پوتے یوسف کی قبریں مقام حبروں شہر الخلیل بیت المقدس میں اس احاطہ میں واقع ہیں جو سلیمان بن داؤد نے بنایا تھا ۔ اس عاصی کو ان مقامات کی زیارت کا شرف تقریباً پچیس سال پہلے ہوا تھا ۔ بیت المقدس میں پاک و ہند کے مشہور عالم اور سیاست داں مولانا محمد علی جوہر بھی مدفون ہیں جہاں میں فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا تھا ۔ اس مختصر تحریر کے بعد میں آپ کی توجہ تعمیر کعبہ اور تاریخ کعبہ کی طرف مبذول کرا رہا ہوں :

تاریخ کعبہ

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اٹھے گا چشمہ ہدیٰ کا
(حالی)

پہلی بار کعبہ کب تعمیر ہوا ۔ زمان و مکاں کی نسبت سے حتمی فیصلہ محال ہے ، لیکن جو اقوال مختلف ذرائع سے اب تک پہنچے ہیں کہا جاتا ہے کہ تعمیر کعبہ حضرت آدم کی خلقت سے قبل فرشتوں کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اسی بنیاد پر حضرت آدم نے ملائک کی مدد سے حکم خداوندی کے تحت تعمیر کعبہ کی اور طوافِ کعبہ بھی کیا ۔ (بحوالہ دائرہ معارفِ اسلامیہ ، زیر اہتمام دانش گاہِ لاہور ، پنجاب) اس سلسلہ میں امام علی زین العابدینؑ ابن امام حسینؑ سے روایت منسوب ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ فرشتوں نے تعمیر کیا حضرت ابن عباس سے بھی ایسی ہی روایت منسوب ہے ، طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث نے پھر سے تعمیر کی اور طوافِ کعبہ بھی کیا ۔ اس طرح تعمیر کعبہ کا سلسلہ فرشتوں سے شروع ہو کر حضرت آدم ، حضرت نوح کے فرزند حضرت شیث تک پہنچا ۔ اس کے بعد اس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی جس کا ذکر قرآن مجید میں (سورۃ البقرہ) موجود ہے ۔ یہاں سے تعمیر کعبہ کی کڑیاں برابر ملتی ہیں ۔ مقام ابراہیم کو نماز (صلواۃ) کے لئے موزوں جگہ قرار دیا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو حج کی دعوت دیں اس طرح حج کی ابتدا ہوئی اور کعبہ پہلی مقدس عبادت گاہ بنی اور کعبہ بیت الحرام یا بیت العتیق کے نام سے موسوم ہوا ۔

مقامِ ابراہیم (قدمِ مبارک کے نشان)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کعبۃ اللہ کی بنیاد ڈالی، جب بنیاد بلند ہو گئی تو حضرت اسماعیلؑ ایک پتھر اٹھا لائے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ دیوار بلند کرتے رہے اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کے نشان پڑ گئے، یہ وہی پتھر ہے جو آپ مقامِ ابراہیمؑ پر دیکھتے ہیں ۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پتھر قدرتِ خدا سے حسبِ ضرورت اوپر نیچے ہوتا رہتا تھا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلندی تک دیوارِ کعبہ اٹھا سکیں یہاں سے روایتوں میں تسلسل قائم ہے ۔ الفاکہی نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا قول نقل کیا ہے " حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ کعبہ جب گر گیا تو بنی جرہم نے اس کو تعمیر کیا ۔ مرورِ زمانہ سے کعبہ کی دیوار گر گئی تو عمالقہ نے اس کو تعمیر کیا اور بعد ازاں قریش نے تعمیر کیا ۔ قریش کی تعمیر کے وقت ایک سخت مرحلہ پیش آیا یعنی " حجرِ اسود " کو نصب کرنے کا، تمام قبائل اس شرف کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور متصادم ہونے والے تھے کہ اتنے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسطرف آن پہنچے ۔ تمام سردارانِ قبائل کی نظریں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر پڑیں اور سب یک زبان ہو کر پکار اٹھے " امین آیا صادق آیا " اور سب نے یکجان اور ہم زبان ہو کر کہا کہ آپؐ کا فیصلہ ہم سب کو صدقِ دل سے منظور ہو گا ۔ چنانچہ آپؐ نے ایک چادر منگائی اور حجرِ اسود کو اس میں رکھا اور تمام سردارانِ قریش سے کہا کہ چادر پکڑ کر سب اٹھائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جب حجرِ اسود اس

بلندی تک پہنچا جہاں نصب کرنا تھا آپؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھایا اور اس کی جگہ پر نصب کر دیا ۔ اس طرح قبائلِ قریش کشت و خون سے بچ گئے اور یہ سخت مرحلہ بہایت خوش اسلوبی سے طے ہو گیا ۔ یہ واقعہ اعلانِ نبوت کے پانچ سال قبل کا ہے ۔ مختلف روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ اب تک گیارہ بار تعمیر ہو چکا ہے ، اس کی تفصیل یوں ہے :۔ تعمیر ملائکہ ، تعمیر حضرت آدم علیہ السلام ، تعمیر حضرت شیث علیہ السلام ، تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام ، تعمیر عمالقہ ، تعمیر بنی جرہم ، تعمیر مضر ، تعمیر قریش ، اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ، تعمیر عبداللہ بن زبیر ۶۴ ھ تعمیر حجاج بن یوسف ۷۴ ھ اور آخری اور گیارہویں بار ۱۰۴۰ ھ جب سیلاب کی وجہ سے زمین دھنس گئی تھی اس کی تعمیر سلطان مراد خان بن سلطان احمد خان سلطنتِ عثمانیہ کے ہاتھوں ہوئی ۔ (ماخوذ از سیرت البم ، مرتبہ شاہ مصباح الدین شکیل) خانہ کعبہ کی پیمائش اور دیگر اہم مقاماتِ مقدسہ کی نشان دہی کتاب میں منسلک نقشہ میں دی گئی ہے ۔ اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں آنحضرتؐ کا جب تک مکہ معظمہ میں قیام رہا کعبہ ہی قبلہ رہا ۔ اعلانِ نبوت کے بارہویں سال نماز کی فرضیت کا حکم ہوا ، اس وقت سے کعبہ ہی قبلہ رہا۔

ہجرت کے بعد آپؐ کو بیت المقدس کی سمت رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا ، چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کی سمت رخ کر کے نماز ادا کی جاتی رہی اور بیت المقدس تمام مسلمانوں کا قبلہ رہا ۔ جب آیتِ کریمہ (پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۱۴۴) نازل ہوئی تو تمام مسلمان مسجدِ حرام کی طرف

منہ کر کے نماز ادا کرنے لگے اور حرم کعبہ مسلمانوں کا ہمیشہ کے لئے قبلہ ہو گیا۔

پیغمبرِ اکرمؐ کی عمرہ کی نیت سے مکہ میں آمد

۶ ہجری میں آنحضرتؐ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ تشریف لائے آپؐ کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے لیکن اہالی مکہ نے آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور مقامِ حدیبیہ پر صلح طے پائی جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ ظاہربین حضرات کے نزدیک یہ صلح مسلمانوں کے مفاد کے منافی تھی اور کچھ اصحاب نے یہ بات کہہ بھی دی کہ صلح دب کر کی گئی ہے لیکن دور رس نگاہوں نے اس کے مضمرات کو سمجھ لیا تھا اور رسول اللہؐ کے ہر عمل کو حکمِ ربانی سمجھا اور خاموش رہے کیونکہ یہی صلح آگے چل کر فتح مبین ثابت ہوئی ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی تفصیل یہاں تحریر کر دی جائے تاکہ زائرین و حجاج کرام پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو جائیں ۔

صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان

ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت چودہ/ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ بغرضِ عمرہ مکہ تشریف لا رہے تھے کہ مقام حدیبیہ پر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ زور شور سے مزاحمت کی تیاری کر رہے ہیں ، سرورِ کائنات سید المرسلینؐ نے پیغام بھجوایا کہ ہم بغرض عمرہ آئے ہیں لیکن مشرکین مکہ رضا مند نہ ہوئے ۔ حضورِ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو مصالحت کی غرض سے ان کے پاس روانہ کیا۔ اہلِ مکہ نے حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا، ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عثمانؓ کا قصاص لینا فرض ہے چنانچہ حضورؐ نے مقامِ حدیبیہ پر ببول کے درخت کے نیچے تمام افراد سے جان نثاری کی بیعت لی۔ اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ یہ صلح اور بیعت تاریخِ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعد میں معلوم ہوا کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر غلط ہے۔ بہر حال قریش نے اپنی جانب سے سہیل بن عمرو کو شرائط صلح کے لئے بھیجا۔ حضورِ اکرمؐ سے گفتگو کے بعد شرائط صلح طے پائیں۔ علی مرتضیٰؑ نے صلح نامہ قلم بند کیا۔ صلح کی شرائط حسبِ ذیل تھیں: ۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ نیام کے باہر نہ ہو اور نیام کسی تھیلے میں بند ہو۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے اہلِ مدینہ کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر ان کا کوئی ساتھی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے رہنے دیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے

قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں ۔

یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ جس پر فریقین نے دستخط کئے تھے ، ظاہر بظاہر یہ معاہدہ مسلمانوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن رسول اکرم خاتم النبیینؐ کی دور رس نگاہوں تک عام لوگوں کی تو پہنچ ہو ہنیں سکتی تھی ، صحابہ کرامؓ دم بخود کھڑے تھے لیکن کس کی مجال تھی کہ لب کشائی کر سکے ۔ اسی دوران کہ ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا ایک درد ناک واقعہ پیش آیا جس نے صحابہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ۔ سہیل ابن عمرو کے بیٹے ابو جندل اسلام لا چکے تھے ، کفار کی قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے ، عالم یہ تھا کہ جسم زخموں سے چھلنی ، بھوک اور پیاس سے برا حال ، پاؤں میں بیڑیاں ، آتے ہی رحمتہ للعالمین کے سامنے گر پڑے ۔ عجب کرب کا عالم تھا ، لیکن شرائط طے پا چکی تھیں ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفیع المذنبین اعلان نبوت سے قبل بھی اپنی امانت اور دیانت کا سکہ بٹھا چکے تھے ، معاہدہ کی شرائط پر قائم رہے ۔ حضور پر نور نے ابو جندل کو تسلی دی اور وہ مومن کامل حضورؐ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے اسی طرح پابہ زنجیر سہیل کے ساتھ چل پڑے ۔
اصحاب رسولؐ کا اضطراب اپنی جگہ لیکن جناب ابو جندلؓ کا تو یہ عالم تھا:

دلؐ و جانم فدایت یا محمدؐ
سر ما خاکِ پایت یا محمدؐ

یہ مرحلہ درد انگیز ضرور تھا لیکن دور رس نتائج کا حامل ۔ صحابہ کرام

سب ہی پریشان تھے لیکن حضرت عمرؓ کی آواز حمایتِ ابو جندل میں بلند ہو گئی حضرت عمرؓ اس جسارت پر ساری عمر رنجیدہ اور ملول رہے ، کفارہ کے لئے نمازیں پڑھیں ، روزے رکھے - خیرات کی اور غلام آزاد کئے - خدا وندِ تعالیٰ سب کو گناہوں سے دور رکھے ، لیکن گناہ سرزد ہو ہی جائے تو توبہ اور کفارہ ہی اس کا مداوا ہو سکتا ہے - صلح کے تین دن بعد جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ قاب و قوسین حدیبیہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو فتح مبین کی خوشخبری بصورتِ آیت " ہم نے تم کو فتح مبین عنایت کی " نازل ہوئی - (سورہ فتح آیت ۱)

شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں لیکن بباطن مسلمانوں کے قطعی مفاد میں تھیں کیونکہ دیگر باتوں کے علاوہ : - (۱) کفارِ مکہ نے پہلی بار مسلمانوں کو فریق کی حیثیت سے تسلیم کیا جو ایک بہت اہم اور بڑی کامیابی تھی (۲) اب تک مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان کوئی ربط و ضبط نہ تھا اب میل جول بڑھا اور کفار تیزی سے اسلام کی جانب مائل ہونے لگے (۳) غزوات و سرایا ہوتے رہے اور مسلمانوں کی تعداد شب و روز بڑھتی رہی - (ماخوذ از پاکستان سے دیارِ حرم تک ، مصنفہ نسیم حجازی)

صلح حدیبیہ کے تقریباً دو سال بعد ہی ۸ ھ میں بغیر کسی جنگ و جدال کے مکہ فتح ہوا - اس طرح اسلام کا بول بالا ہوا - خانہ کعبہ بتوں سے خالی ہوا اور اسلام ایک نئے دور میں داخل ہوا ، لیکن افسوس یہ بت ، خانہ کعبہ سے نکل کر کچھ لوگوں کے دلوں میں جا بیٹھے جس نے تاریخ اسلام میں گہرے نقوش

مرتب کئے لیکن یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے تاریکی اور روشنی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حقیقی معنوں میں مکہ پر پورا غلبہ ۹ ھ میں ہوا جب مسلمانوں نے اعلانیہ حج ادا کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے سورۂ توبہ کی آیات پڑھ کر سنائیں اور اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد مشرکوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حج کی قیادت فرمائی لیکن یہ آپؐ کا آخری حج ثابت ہوا۔ حج سے واپسی پر آپؐ نے قافلہ کو روکا اور مقامِ غدیرِ خم پر وہ خطبہ عظیم عطا فرمایا جس کو انسانی حقوق کا چارٹر کہا جاتا ہے، یوں احترامِ بشر اور حقوقِ انسانی کی ابتدا ہوئی۔ آنحضرتؐ کے اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں، دورانِ خطبہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلایا۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور فرمایا " من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ " یعنی اے لوگو! جس جس کا میں مولا ہوں۔ اس اس کے یہ علیؑ مولیٰ ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی " الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا " (آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔ (سورہ مائدہ پارہ ۶ آیت ۳)۔

خانہ کعبہ کی اس مختصر سی تاریخ اور چند اہم واقعات کے بعد ہم پھر آپ کو واپس اپنے سفر کی جانب لئے چلتے ہیں ۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں جمعہ کا دن گذار کر جمعہ اور سنیچر کی شب ہم جدہ پہنچے تھے ۔ سنیچر کا دن جدہ میں گذارا ۔ سنیچر اور اتوار کی شب جدہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے اور عمرہ کی سعادت حاصل کی ۔ اتوار کا بیشتر وقت آرام میں گذارا البتہ دو بار حرم میں حاضری ضرور دی ۔ شام کو میاں جاوید حسبِ وعدہ آن پہنچے ۔ اس شب کا کچھ حصہ ان کے ساتھ گذارا ۔ اس کے بعد وہ واپس اپنے ہسپتال گئے اور ہم اپنے ہوٹل ۔ سحری کا بندوبست سرِ شام ہی کر لیا تھا ۔ سحری کے وقت فون پر ہم کو مطلع کیا جاتا کہ وقتِ سحر آن پہنچا ہم فون کی آواز کے ساتھ اٹھ بیٹھتے اور سحری سے فارغ ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے ۔ ہم نے طے کیا تھا کہ پیر کا بیشتر وقت یعنی ۲۱ فروری ۹۴ء حرم کعبہ میں گذاریں گے ۔ اب ہم راستوں سے کافی حد تک واقف ہو چکے تھے بابِ عمرہ سے داخل ہوتے کئی سائبانوں اور دالانوں سے گذر کر کھلے ہوئے حصہ میں پہنچتے اور حرم کعبہ کی زیارت کرتے طوافِ کعبہ کرتے ۔ مقام ابراہیم کی زیارت کرتے ۔ اس جگہ اور حطیم میں دو رکعت نماز ادا کرتے ۔ حطیم میں ایک در سے داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر آ جاتے کہ یہی دستور ہے ۔ اس مختصر سی جگہ میں زن و مرد سبھی نماز پڑھتے اور بار بار پڑھتے ۔ سبھی ایک دوسرے کا لحاظ رکھتے کبھی بھی کسی قسم کی کسی کو شکایت نہیں ہوتی ۔ یہی اس دربار کا اصول ہے اور سب ہی اس پر عمل کرتے ہیں ۔ سجدہ کرنے میں کبھی کچھ دقت ضرور ہوتی ہے لیکن جیسے ہی دوسرے فرد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ

دوسرے کو جگہ دے دے۔ خانہ کعبہ میں انسان کے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا محال ہے۔ دوسروں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے، اپنی کیفیت جہاں تک الفاظ میرا ساتھ دیتے ہیں رقم کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ دعاؤں کا ہمہ وقت ورد خانہ کعبہ کے قیام کے دوران کرتا رہا، خضوع اور خشوع کے ساتھ کھویا کھویا سا رہا اور اکثر علامہ اقبال کا حسبِ ذیل شعر بھی ذہن میں اتارتا رہا اور بار بار میں سوچ میں غرق ہو جاتا کہ ہم جیسے گنہگار دیدارِ نور کیا کر سکتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ جیسے عظیم پیغمبر محض ایک جھلک سے بیہوش ہو گئے:

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

لیکن جب انسان انا کے خول سے باہر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل سپردگی اختیار کرتا ہے، عبدیت کا خاصہ پیدا کرتا ہے تو پھر:

قطرہ چوں حرفِ خودی از برکند
ہستی بے مایہ را گوہر کند

یا یوں کہئے:

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رو سیاہی

راہِ حق میں فنا ہونا ہی حاصل زندگی ہے۔ قطرہ دریا میں ڈوب کر بظاہر فنا ہو جاتا ہے لیکن بہ باطن حیاتِ ابدی حاصل کرتا ہے:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

انسان بھی عبدیت کی انتہا کو پہنچ کر ہی خودی حاصل کرتا ہے اور ابدی زندگی کا راہ رو بن جاتا ہے:

مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی
(اقبالؒ)

خانہ کعبہ میں انتہائی انکساری سے قیام (نماز کے لئے کھڑا ہونا) ، رکوع اور سجود اور سجدہ میں انتہائی خضوع اور خشوع کے ساتھ **سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ** کہنا اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے **استغفراللہ واتوب الیہ** کہنا اور پھر سجدہ میں گر جانا **سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ** پھر کہنا اور قیام میں جاتے ہوئے **سمع اللہ لمن حمدہ** کہنا پھر رکوع میں جانا اور **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** کہنا، اٹھنا اور پھر سجدہ ریز ہونا ایسی کیفیات ہیں جو الفاظ میں بیان ہو نہیں سکتیں ، ہمہ وقت یہ احساس رہتا ہے کہ ہم اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں اور وہ بھی ہم کو دیکھ رہا ہے ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب کا یہی حال ہوتا ہے کسی کا کچھ کم اور کسی کا کچھ زیادہ ۔ میرا یہ خیال واثق ہے کہ انسان خانہ کعبہ میں سب کچھ بھول کر صرف اور صرف عبد رہ جاتا ہے ۔ کبھی ایسی بھی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بندہ کچھ کہنا چاہتا ہے ہونٹ ہلتے ہیں لیکن الفاظ ادا نہیں ہوتے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں ایسے ہی آنسوؤں کو جو بے ارادہ آئے جاتے ہیں گہرہائے آبدار کہا

جا سکتا ہے ۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی سجدہ میں گر جاتے ہیں اور ہنایت ہی گریہ وزاری الحاح و فریاد اور خضوع و خشوع سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں، ہاتھوں میں رعشہ پڑ جاتا ہے، ہونٹ کپکپاتے ہیں اور زبان گنگ ہو جاتی ہے ۔ ایسے میں یقیناً ربِ رحیم و کریم کا ترحم کام کرتا ہے اور بندہ کی بے زبانی کی زبان سنتا ہے اور دل کی بات خوب سمجھتا ہے اور دعائیں اس کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں جس کی بندہ کو خبر بھی ہنیں ہوتی:

کہ بن کہے ہی اہنیں سب خبر ہے کیا کہئے

ایسے میں لگتا ہے گویا کہ تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے اور بندہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ

ذرہ ذرہ ہے درخشاں سپتہ سپتہ نخلِ طور
دیکھنے والے تجلی کم ہنیں ہے کم نہ دیکھ

اللہ تعالیٰ سب کو ان کیفیات سے گذارے جس سے میں گنہگار گذر چکا ہوں:

حرم میں ہر روز حاضر ہونا، طواف کرنا، نمازیں ادا کرنا اور دعائیں مانگنا تو روز کا معمول تھا ۔ اللہ تعالیٰ بار بار دعائیں مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور دعائیں عین عبادت ہیں، دعائیں قبول کرنے والے رب العزت کی رحمت کی کوئی تھاہ ہنیں ہے، وہ خود فرماتا ہے " لاتقنطوامن رحمۃ اللہ " اور بقول علامہ اقبال:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی ہنیں

کچھ طلب کرنے کے لئے دعاؤں میں خلوص، جذبہ اور دل کی گہرائی، عقیدت اور انکساری کا ہونا اولین شرط ہے:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب

محض رسمی الفاظ اور وہ بھی رٹے ہوئے نہیں ہونا چاہئیں، یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ خوفِ خدا سے عبادت کرتے ہیں اور کچھ دین اور دنیا کی ہوس میں لیکن صرف کچھ ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خالقِ جہاں عبادت کے قابل ہے۔ مولائے کائنات حضرتِ علیؑ فرماتے ہیں: **ما عبدتک طمعاً لجنتک ولا خوفاً لنارک ولکن وجدتک اھلاً لعبادتک فعبدتک**۔ "اے اللہ! میں تیری عبادت نہ تو تیری جنت کے لالچ میں کرتا ہوں اور نہ ہی تیرے دوزخ کے خوف سے بلکہ تیری عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ تو لائق عبادت ہے" اور عبادت کا تقاضہ ہے کہ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ انسان اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا رہے صرف رسماً، عادتاً یا قہراً نہ ہو۔ اصل عبادت حضوریِ قلب ہے۔ ان ہی خیالات کی ترجمانی کا حق علامہ اقبال نے کیا خوب ادا کیا ہے:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

عبادتِ خالقِ دو جہاں بہرحال فرض ہے ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ عبادت ہے تو پھر انسان جو احسن المخلوق ہے کیسے عبادتِ الٰہی سے اجتناب کر سکتا ہے ۔ عبادت اعتراف ہے عظمتِ پروردگار کا اور شکر گذاری ہے ان بیش بہا نعمتوں کی جو خالقِ ارض و سمائے ہم کو عنایت کی ہیں ۔ عبادت اور خالقِ دو جہاں کی عبادت چرند و پرند سب کرتے ہیں تو ہم حیوانِ ناطق اس فرض سے کیوں غافل رہیں ۔

ابر و باد و مہ و خورشیدِ فلک درکار اند
تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

(یعنی عبادت گذاری فرضِ انسانی ہے)

علاوہ اپنے روز مرہ کے معمولات کے ہم کو دیگر مقدس مقامات کی زیارت کی بھی لگن تھی لہذا طے کیا کہ کل یعنی ۲۲ فروری ۱۹۹۴ء کو اس مقدس مکان کی تلاش میں نکلنا ہے جہاں ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی زندگی کا بیشتر حصہ خصوصاً ازدواجی زندگی گذاری اور جہاں خاتونِ جنت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں ۔ یہ وہ مقام ہے جو خانہ کعبہ کے بعد مکہ میں مکرم ترین مقام ہے ۔

قبل اس کے کہ آپ کو مکہ کی زیارت گاہوں پر لے چلوں جی چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ اور حجرِاسود کے بارے میں کچھ مزید گفتگو ہو جائے ۔ ممکن ہے کہ بعد میں مرے ذہن سے نکل جائے اور بات تشنہ رہ جائے ۔

جیسا کہ ابتدا میں عرض کر چکا ہوں بنائے کعبہ انسانوں میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے ڈالی تھی اور آپ کی مدد ملائک نے کی تھی ۔ حضرت آدمؑ کے متعلق روایت ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد آپ کی ملاقات حضرت حواؑ سے مکہ میں ہوئی تھی اور اولادِ آدم نے پھولنا پھلنا شروع کیا اور آبادی نے بڑھنا شروع کیا اور عراق تک پہنچی ۔ عراق کا پرانا نام میسوپوٹامیہ ہے ، عراق ہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بڑے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو قتل کیا ، یہ انسانیت کا پہلا خون ہے ۔ حضرت آدمؑ کی قبر یثرب (مدینہ منورہ) میں تھی ، کہا جاتا ہے کہ طوفانِ نوح رواں دواں جب یثرب پہنچا تو حضرتِ نوحؑ نے تابوتِ آدمؑ سفینہ میں رکھا اور عراق (نجف) میں دفن کیا تاکہ طوفان سے تابوت کو نقصان نہ پہنچے (بحوالہ تاریخ اسلام از مولانا نجم الحسن کراروی) ۔

خانہ کعبہ کی عمارت

اب ہم آپ کی توجہ خانہ کعبہ کی عمارت کی جانب مبذول کراتے ہیں ۔ شمال مشرقی کونا رکنِ عراقی کہلاتا ہے ، شمال مغربی کونا رکن شامی ، جنوبی مغربی کونا رکنِ یمانی اور جنوبی مشرقی حجرِاسود کی رعایت سے رکنِ اسود کہلاتا ہے ۔ جنوب مشرقی دیوار میں زمین سے تقریباً سات فٹ بلندی پر کعبہ کا دروازہ ہے جس کے کچھ حصوں میں چاندی کے پترے (Skirting) جڑے ہوئے ہیں ۔ بیرونِ کعبہ جنوب مشرقی کونے میں فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلندی پر دروازہ سے کچھ فاصلہ پر حجرِاسود دیوار میں نصب ہے ، اب اس کے تین بڑے اور کئی چھوٹے ٹکڑے ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں ۔ حجرِاسود کا رنگ چونکہ سیاہی مائل ہے اسی مناسبت سے اسے حجرِاسود کہتے ہیں دیوارِ کعبہ کا وہ حصہ جو حجرِاسود اور دروازہ کے درمیان ہے " ملتزم " کہلاتا ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں طواف کرنے والے دیوار سے لپٹ کر دعا و الحاح و زاری کرتے ہیں ۔ کعبہ کی باہر کی طرف ایک سنہرا پرنالہ شمالی دیوار کے بالائی کنارہ سے حطیم میں نکلا ہوا ہے اور سرا لٹکا ہوا ہے اس کو " میزاب الرحمۃ " کہتے ہیں ۔ میزاب کا پانی حطیم میں گرتا ہے ، حطیم کعبہ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو شمالی دیوار اور رکنِ عراقی اور رکنِ شامی کے سامنے مگر اس سے تقریباً چھ فٹ جدا سفید سنگِ مرمر کی نیم دائرہ (Half Circle) دیوار سے گھرا ہوا ہے (سہولت کے لئے نقشہ دیا ہوا ہے) یہاں مشرقی کٹاؤ سے داخل ہوتے ہیں اور مغربی کٹاؤ سے باہر آجاتے ہیں ۔ تمام طواف کرنے والے حضرات

اس حصہ میں دو رکعت نماز ادا کرنا باعثِ افتخار سمجھتے ہیں کیونکہ اس حصہ کو خاص تقدس حاصل ہے - یہ قطع الحجر" حجر اسماعیلؑ کہلاتا ہے - کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ھاجرہ یہیں مدفون ہیں، پہلے یہاں ان مقامات پر کالے رنگ کا پتھر تھا وہی قبر کے نشان تھے لیکن اب سب جگہ سنگِ مرمر ہے یہ تبدیلی ۱۹۰۴ء میں توسیع و تزئین کے دوران ہوئی - یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس حصہ میں طواف کیا جاتا ہے، مطاف کہلاتا ہے - قربِ بابِ بنی شیبہ ایک محراب ہے جو کعبہ کے شمال مشرقی دیوار کے مقابل واقع ہے جہاں سے مطاف میں داخل ہوتے ہیں - اس محراب اور کعبہ کے درمیان ایک چھوٹی سی قبہ دار عمارت ہے اس کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں، اس میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ قدم اب تک دکھائی دیتے ہیں - مقامِ ابراہیمؑ کے علاوہ شمالی اور مشرقی دیوارِ کعبہ کے سامنے مقامِ ابراہیمؑ سے ذرا شمال کی طرف ایک سنگِ مرمر کا منبر ہے اسی کے قریب جنوب کی طرف چشمۂ آبِ زم زم ہے - اب یہاں سے پانی بذریعہ بجلی اور ٹیوب نکالا جاتا ہے اور چشمہ نظر نہیں آتا -

صفا و مروہ کے پورے علاقہ پر چھت پڑی ہوئی ہے جہاں حاجی اور زائرین سعی کرتے ہیں - یہ ساری تبدیلی ۱۹۵۶ء کے توسیعی پروگرام کے تحت ہوئی ہے - یہ وسیع دالان تقریباً ۴۲۰ میٹر لمبا اور تقریباً پچیس میٹر چوڑا ہے درمیان میں پوری لمبائی میں ایک راہ داری بنائی گئی ہے - اس راہ داری میں کمزور اور ضعیف لوگ وہیل چیر (Wheel Chair) کی مدد سے سعی کرتے ہیں، یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت ھاجرہ پانی کی تلاش میں پے در

پے سات چکر لگاتی رہیں ۔ قدرتِ خدا کی عنایاتِ بیکراں سے بچہ کے پاؤں کی رگڑ کی جگہ چشمۂ آب پھوٹ پڑا جسے آبِ زم زم کہا جاتا ہے اور آج تک جاری و ساری ہے اور ایک دنیا اس سے فیضیاب ہو رہی ہے ۔

اب ہم حجرِاسود کی مختصر تاریخ بیان کر کے آگے بڑھتے ہیں اور مکہ مکرمہ کی سیر کراتے ہیں ۔ زمین پر آنے کے بعد حجرِاسود کئی بار حوادث کا شکار ہوا لیکن پھر اپنی جگہ واپس آگیا ۔ مثلاً قبیلہ جرہم ، بنوایاد اور قرامطہ نے حجرِاسود کو اکھاڑا لیکن ہر بار وہ واپس پہنچ گیا ۔ تقریباً بیس سال مختلف ادوار میں کعبہ سے جدا رہا ۔ حجرِاسود پانی پر تیرتا ہے ۔

خانہ کعبہ کی بے حرمتی

حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا تھا اور مکہ پر قبضہ کر لیا تھا ۔ یزید کی فوج کے جنرل الحصین بن نمیر نے ۶۴ ھ بمطابق ۶۸۳ء میں مکہ پر حملہ کر کے گرد و نواح کی پہاڑیوں پر منجنیق گاڑ کر شہر مکہ اور خانہ کعبہ پر سنگباری کی تھی ۔ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اور حجرِاسود کے تین ٹکڑے ہوگئے ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے ان ٹکڑوں کو چاندی کی پٹی سے باندھ دیا تھا ۔ اس طرح بنو امیہ کے ہاتھوں دورِ یزید ابنِ معاویہ میں خانہ کعبہ کی پہلی بار بے حرمتی ہوئی ۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ یہ حصین ابنِ نمیر وہی ہے جس نے ۶۱ ھ میں میدانِ کربلا میں خاندانِ رسالت مآبؐ پر بڑے مظالم ڈھائے تھے ۔ یہی حصین ابنِ نمیر جب مدینہ منورہ ۶۳ ھ میں امام علی زین العابدینؑ کی پناہ میں آیا تو آپؑ نے نہ صرف پناہ دی بلکہ روانگی

کے وقت زادِ راہ بھی عطا کیا ۔ حصین ابن نمیر آپؑ کے اخلاقِ اعلیٰ اور شفقت سے بہت متاثر ہوا اور شاید اس کا مردہ ضمیر کچھ بیدار ہوا تو جاتے جاتے کہہ اٹھا " آپؑ نے شاید مجھے پہچانا نہیں ۔ " امامِ عالی مقامؑ نے فرمایا " میں نے تجھے اسی وقت پہچان لیا تھا جب تو حاضر ہوا تھا ۔ " کربلا میں ہم آلِ رسولؐ تیرے مہمان تھے اور آج تو ہمارا مہمان ہے ، وہ تیرے اعمال تھے اور یہ ہماری مہمان نوازی ۔ جب بدکردار انسان برائیوں سے توبہ نہیں کرتا تو نیک طینت انسان نیکی سے کیونکر ہاتھ کھینچ سکتا ہے :

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

خانہ کعبہ کی دوسری بار بے حرمتی اور پہلی بار قتل گاہ

خانہ کعبہ کی دوسری بار بے حرمتی آج سے کچھ عرصہ قبل یکم محرم ۱۹۷۹ء میں ہوئی جب چند عرب نوجوانوں نے جن کی تعداد ۵۰ / ۴۰ تھی (بحوالہ دو تاریخی واقعات ، سید خورشید علی وارثی) نے خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا تھا ۔ ان کا خیال تھا کہ اس کو مرکز بنا کر آلِ سعود سے مقابلہ کریں گے اور شاہی یا آمریت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں گے ، لیکن وہ اپنے مشن میں ناکام رہے کیونکہ وہ سعودی افواج اور ان کی مددگار فوج کا مقابلہ نہ کر سکے اور عین خانہ کعبہ میں مارے گئے ۔ اس طرح خانہ کعبہ تاریخ اسلام میں پہلی بار قتل گاہ بنا اور کعبہ مکرمہ کی دوسری بار بے حرمتی ہوئی ۔

مکہ مکرمہ کے دوسرے تاریخی مقامات

آیئے اب مکہ کے دوسرے مقدس مقامات کی طرف رخ کریں اور دیکھیں ہمیں قدرت کیا کچھ دکھاتی ہے ۔ سب سے پہلے ہمارا ذہن اس طرف گیا جہاں آنحضرتؑ نے ابتدائی زندگی سے لے کر عنفوان شباب تک کا زمانہ گذارا تھا یعنی " بیت ابو طالب " حضرت ابو طالب عم محترم آنحضرتؑ جنہوں نے اپنے بھتیجے یعنی محمد رسول اللہؐ کی پرورش اس انداز سے کی کہ ہمیشہ بیٹوں پر ترجیح دی ، ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور جہاں بھی جاتے ساتھ رکھتے ۔ آنحضرتؑ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو ابتدا میں تو کسی نے ساتھ نہ دیا ، ساتھ دیا تو جناب خدیجتہ الکبریٰؑ نے اور علی ابن ابی طالبؑ نے ۔ وہ علی مرتضیٰؑ جن کی پرورش حضور اکرم احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ عاطفت ہوئی اور آنحضرتؑ ہی کے زیر سایہ پھولے پھلے ۔ قدرت کے کرشمے کون سمجھ سکتا ہے محمدؐ عربی کی پرورش ان کے چچا جناب ابو طالب یعنی پدرِ علی مرتضیٰؑ نے کی اور طرح طرح کے مصائب برداشت کیئے ۔ شعبِ ابو طالب میں جب تین سال آلِ ابو طالب محصور رہی رسولِ اکرمؐ کا ہر حال میں ساتھ دیا اور نگہداری کی ۔ رات کو اپنے پہلو میں لٹالیتے کہ کہیں کوئی دشمنِ اسلام آپؐ کو گزند نہ پہنچائے اور مرتے دم تک ڈھال بنے رہے ۔ جناب ابو طالب کے بیٹے علی مرتضیٰؑ کی پرورش خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ علیؑ وارثِ علوم مصطفیٰؐ تاجدارِ ہل اتیٰ ، مشکل کشا ، سلطان اولیا اور بوتراب (مٹی کے باپ) بنے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا " قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ . میں اپنی امت سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں صرف اقربا کی مودت اور محبت چاہتا ہوں (سورۃ الشوری آیت ۲۳) ۔ یہ اقربا کون ہیں بیدم کے الفاظ میں سنئے :

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنسا حسین و حسن مصطفیٰ علی

جناب خدیجہؑ نے ساری دولت نذرِ اسلام کر دی اور جناب ابو طالب نے ساری قوت اور ان کے فرزندِ عالی مقام علیؑ نے آخر وقت تک آنحضرتؐ کے قوتِ بازو بن کر دینِ اسلام کو استوار کیا اور آخری سانس تک دین کو مستحکم کرنے میں صرف کر دی ۔

ایمانِ ابو طالب

حضرت ابو طالب کے اسلام پر بڑے احسانات ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم احسان فراموش ہو جائیں اور ان کے ایمان کو متنازع بنائیں ۔ تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ " آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد مادرِ گرامی علی مرتضیٰؑ ان خواتین میں سے ہیں جو شروع شروع میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں خواہ کسی مکتب فکر کا ہو ، جناب فاطمہ بنتِ اسد آٹھ سال اعلانِ بعثت کے بعد حضرت ابو طالب کی زوجہ بن کر رہیں ۔ از روئے قرآنِ مجید ایک مشرک کا نکاح کسی مومنہ سے نہیں ہو

سکتا اور کسی مومنہ کا نکاح کسی مشرک اور کافر سے نہیں ہو سکتا، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آٹھ سال تک حضرت فاطمہ بنتِ اسد اور حضرت ابو طالب کو رشتہ ازدواج میں ایک ساتھ رہنے دیا گیا اور رسول اکرمؐ نے ان کو الگ نہیں کیا۔" (ماخوذ از تقاریر مولانا کوثر نیازی مرتبہ ڈاکٹر رؤف نیازی، اسلام آباد)

بر این عقل و دانش بباید گریست

بیتِ ابو طالب کی تلاش

تلاشِ بسیار کے باوجود نہ تو بیتِ ابو طالب کا پتہ چلا اور نہ کوئی نشان ہی ملا۔ موجودہ حکومت کے دور سے قبل یہاں ایک قبہ تھا جو ۹۲۵ھ میں سلطان خان نے بنوایا تھا۔ ۹٦۳ھ میں عثمانی سلطان نے مولدِ نبی کے لئے سنہری قندیل بھیجی تھی۔ ۱۰۰۹ھ میں سلطان محمد خان نے اس پر بڑا گنبد اور مینار تعمیر کرا دیا تھا اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، ۱۲۱۸ھ میں امیر سعود بن عبدالعزیز امیر نجد ہوگئے اور مکہ پر قابض ہوگئے۔ پختہ قبروں اور متبرک آثار کو خلافِ شرع قرار دے کر منہدم کرا دیا۔ لیکن ترکوں نے ۱۲۳۲ھ میں حجاز پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور مکہ و مدینہ کے متبرک مقامات اور مقابر کو دوبارہ بنوایا لیکن ۱۳۴۳ھ میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمان نے دوبارہ حجاز پر مکمل تسلط حاصل کر لیا۔ شروع شروع میں جائے ولادت کا قبہ منہدم کیا لیکن مسجد باقی رہی۔ نجدی علما نے فتویٰ دیا کہ ایسی مساجد میں اللہ سے

زیادہ ان کی طرف دھیان رہتا ہے جن کے نام سے مسجد منسوب ہو۔ چنانچہ ۱۳۴۴ھ میں یہ مسجد بھی گرا دی گئی۔ (مکان کا نقشہ قدیم، قارئین کی نذر ہے بحوالہ سیرت البم صفحہ ۳۳ مرتبہ شاہ مصباح الدین شکیل) جائے پیدائش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اب وزارتِ حج و اوقاف کا دفتر ہے۔ (تصویر حصہ تصاویر میں دیکھئے)

ذکرِ مولدِ نبی اکرمؐ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ان حالات میں ہمارے دل غم سے لبریز ہوگئے کہ ہم کو اس مکان کی زیارت نہ ہو سکی جو مولدِ رسولؐ تھی، کاش ہماری نظروں کو اس مکان کی زیارت نصیب ہو جاتی جہاں آنحضرتؐ نے ابتدائی زندگی سے جوانی تک کا عہد گذارا۔ یہاں سے مایوس ہو کر ہم خانہ خدیجہ بی بی کی طرف رجوع ہوئے کہ اس ہی کی زیارت کر لیں تاکہ ہمارے دل حزیں کو کچھ قرار آجائے۔ ہم اس مقام تک پہنچے لیکن وہاں کچھ نہ تھا، نہ وہ مکان اور نہ ہی اس کے کچھ آثار۔

ذکرِ مولدِ فاطمہ سلام اللہ علیہا

یہاں یہ بیان کرنا بہت اہم معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مکان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ آنحضورؐ کی تمام اولادیں اسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کے بعد اس مکان کا نام

" مولدِ فاطمہ " ہو گیا تھا ۔ سلطان سلمان خان نے اس پر گنبد بنوایا تھا ۔ مولدِ فاطمہ زمین سے کسی قدر نیچے تھا ۔ وہاں تک رسائی کے لئے چھ سیڑھیاں اترنی پڑتی تھیں ۔ مولد پر ایک قبہ اور اندر ایک گول پتھر تھا ، ابنِ جبیر نے اس کو ایک زیارت گاہ لکھا ہے ۔ یہاں ایک مکتب بھی قائم تھا جہاں قرآنِ مجید کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن افسوس صد افسوس آلِ سعود نے دیگر متبرک مقامات کی طرح اس کو بھی مسمار کر دیا (بحوالہ سیرت البم صفحہ ۳۲)

یہاں قارئین یہ ذہن میں رکھیں کہ اب ہم اس جگہ کی جستجو میں تھے جہاں آنحضورؐ نے ہجرت کی شب اپنے بستر پر اپنے عم زاد علی مرتضیٰؑ کو اپنی جگہ سلایا تھا تاکہ قریش کی امانتیں واپس کر دیں اور مشرکین اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ حضور سو رہے ہیں ۔ خود ایک مشت خاک اٹھائی ، کچھ پڑھا ، پہرہ داروں پر پھینکی اور مشرکین کے درمیان سے نکل کر خانہ ابو بکر صدیقؓ پہنچے ان کو ساتھ لیا اور ہجرت فرمائی ۔ ایسے پر خطر ماحول میں جب کہ نیند حرام ہو جانی چاہیئے تھی حضرت علیؑ ایسے سوئے کہ آپؑ کا فرمانا ہے کہ میں اس سے پہلے کبھی اتنی گہری نیند نہیں سویا ۔ صبح ہوئی تو بستر پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ جناب علی مرتضیٰؑ کو پایا ۔ کفار نے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں ؟ جناب علی مرتضیٰؑ نے نہایت مختصر لیکن انتہائی بلیغ جواب دیا " کیا ان کو میرے سپرد کیا تھا جو مجھ سے پوچھ رہے ہو ۔ "

بعد از دریافت پتہ چلا کہ اس مکان کی جگہ نئی عمارت میں ایک کتب خانہ قائم کر دیا گیا ہے ، دل و جگر بہت ملول ہوئے ، آنکھیں پرنم ہو گئیں کاش

حضرت عمر بن خطابؓ ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور سخت مخالفِ اسلام تھے ۔ ایک روز گھر سے اس قصد کے ساتھ نکلے کہ نعوذ باللہ آج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتمہ اور اسلام کا چراغ گل کر دوں گا ۔ راہ میں کسی نے ٹوکا کدھر کا رخ ہے ۔ بولے آج اسلام کا خاتمہ کرنے چلا ہوں ۔ جواب ملا پہلے اپنے گھر کی خبر لو ، تمہاری بہن اور بہنوئی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں ۔ یہ سنتے ہی طیش میں آئے اور راہ بدلی اور سیدھے بہن کے گھر کا رخ کیا ۔ دیکھا بہن تلاوتِ قرآن کر رہی ہیں ۔ طبیعت میں شدت تو تھی ہی بہن پر پل پڑے اور بہنوئی کی بھی خوب خبر لی ۔ بہن لہولہان ہو گئیں ۔ بہن کا خون دیکھا تو خون رنگ لایا ۔ قدرت نے راہِ مستقیم کی طرف پلٹایا ۔ بہن سے کہا لاؤ دکھاؤ کیا پڑھ رہی ہو ۔ بہن نے انکار کیا ، کہا اچھا تم خود پڑھو ۔ آیاتِ قرآنی سنیں تو دل و دماغ نے پلٹا کھانا شروع کیا ، مسلح تو تھے ہی اسی حالت میں بیتِ ارقم کی طرف چل پڑے وہاں دیکھا تو جناب حمزہؓ تشریف فرما ہیں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ عمر ابنِ خطاب مسلح آ رہے ہیں ۔ رسولؐ رحمت نے فرمایا آنے دو ۔ عمر ابنِ خطابؓ حاضر ہوئے لیکن اب یہ وہ عمر ابنِ خطابؓ نہ تھے ، کفر و شرک کا مجسمہ بن کر آئے تھے کلمہ پڑھ کر نکلے ۔ یہ اسلام کی بڑی کامیابی تھی حضرت عمر کے قبولِ اسلام سے رسول اکرمؐ مسرور ہوئے ۔ اللہ اکبر ۔ اسلام زندہ باد (بحوالہ " خلفائے راشدینؓ " از شاہ معین الدین احمد ندوی حصہ اول)

جنت المعلیٰ

جنت المعلیٰ کو مکہ مکرمہ میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مدینہ منورہ میں جنت البقیع کو ۔ اس قبرستان کے ایک حصہ میں خاندانِ رسول اکرمؑ مدفون ہے ۔ یہیں حضرت خدیجتہ الکبریٰؑ اہلیہ رسولِ مقبولؐ یعنی والدۂ خاتونِ جنتؑ اور یہیں رسولِ مقبولؐ کی چچی فاطمہ بنتِ اسد والدۂ گرامی علی مرتضیٰؑ مدفون ہیں ۔کچھ تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھاہے کہ جناب فاطمہ بنتِ اسد کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہیں ۔ جنت المعلیٰ میں پہلا مسلمان جنازہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا دفن ہوا ، پہلے اس قبرستان کا نام حیجون تھا بعد دفنِ جنازہ خدیجۃ الکبریٰؑ اس قبرستان کی تقدیر پلٹ گئی اور یہ قبرستان حیجون سے جنت المعلیٰ بن گیا ، یہیں آنحضورؐ کے صاحبزادگان اور خاندانِ رسالت کے کچھ دیگر افراد محوِاستراحت ہیں لیکن افسوس صد افسوس کسی قبر پر کوئی نشان باقی نہیں رکھا گیا ۔ (قدیم نقشہ جنت المعلیٰ نذرِ قارئین ہے ، بڑا گنبد حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے مزارِ مبارک کی نشاندہی کرتا ہے ۔) دل بوجھل سا ہوگیا اور چشم آنسوؤں سے لبریز ہو گئی ۔ دل کے گوشہ میں یہ خواہش ضرور تھی کہ ان تمام متبرک مقابر کی اصل حالت میں زیارت ہوتی مگر یہ ارمان دل کا دل ہی میں رہ گیا:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بہرحال فاتحہ پڑھی پروردگار غفور الرحیم سے رو رو کر دعائیں مانگیں اور بہ چشمِ نم باہر آگئے ۔ قبروں کے نشان تو مٹا دیئے گئے لیکن دلوں سے ان عظیم ہستیوں کی یاد کیسے مٹائی جا سکتی ہے جو یہاں مدفون ہیں ، انہوں نے تو تمام مومنوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی ہوئی ہے ۔ ان ہستیوں کو اس دنیائے فانی سے کیا لینا تھا جنہوں نے دین کی خاطر سب کچھ نثار کر دیا ایسے لوگوں کی یادیں دل سے نہیں مٹائی جا سکتی ہیں :

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

مسجدِ جن

یہاں سے نکل کر مسجدِ " جن " پہنچے یہ مسجد الحرام سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے ۔ سورۂ مبارکہ " جن " اسی مقام پر نازل ہوئی تھی اس وجہ سے اس کو مسجد جن کہتے ہیں ۔ دن کے تقریباً چار بجے تھے ۔ مسجد بند تھی اندر داخل نہ ہو سکے ۔ ۱۹۶۰ء میں مجھے اس مسجد میں ادائیگی نماز کی سعادت حاصل ہو چکی تھی لیکن اس بار اس شرف سے محرومی رہی مگر یہ دیکھ کر ایک گونہ راحت ملی کہ مسجد کی دوبارہ تعمیر ہو چکی ہے جو کافی وسیع ہے لیکن قلق اس بات کا رہا کہ دو رکعت نماز ادا نہ کر سکے ۔ مسجد کے سامنے دورویہ کافی وسیع و عریض سڑک ہے ۔ مسجدِ " جن " کے پاس پہلے جو بازار اور دکانیں تھیں ان کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا اور قدرے فاصلہ پر جگہ دے دی گئی تھی ،

اس سڑک (شارع) سے گذر کر ہم منیٰ، عرفات اور مزدلفہ اپنے راہبر کے ساتھ ان مقامات کی زیارت کے لئے گئے ۔ تھوڑے فاصلہ پر ترکوں کے دور کا ایک قلعہ موجود ہے لیکن بہت ہی خستہ حالت میں، غالباً دیکھ بھال نہیں ہوتی

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

قریب ہی گورنر ہاؤس (گورنر مکہ) کی عالیشان عمارت ہے اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے کیونکہ گورنر ہاؤس دیکھنے کی خواہش تھی نہ دلچسپی ۔

غارِ حرا

یہ غار بڑا مقدس اور محترم ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت جبرئیل پیغام خداوندِ کریم لائے تھے اور تنزیلِ قرآن کی ابتدا ہوئی تھی ۔ اس کے بعد ہی آنحضورؐ نے اعلانِ بعثت فرمایا تھا گویا یہ مقام ایک اہم ترین انقلاب کا مرکز ہے ۔ اور اسی انقلاب کی بدولت دنیا کی چوتھائی آبادی بحمداللہ مسلمان ہے جس پہاڑ (جبل) کی چوٹی پر یہ واقع ہے اس کو جبلِ رحمت اور جبلِ نور کہتے ہیں اور کیوں نہ کہیں کہ جو نور یہاں چمکا تھا جلد ہی سارے عالم کو منور کر گیا ۔ غارِ حرا خانہ کعبہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے ۔ غار تنگ و تاریک ہے ہم جیسے گنہگاروں کے لئے، مگر جو اس غار میں مکین ہوئے ان کے لئے تو بقعہ نور ہی نور رہا ہوگا وہ **محمدا بن عبدالله نور من نور الله** (وہ اللہ کے نور میں سے ایک نور ہیں) ۔ یہ غار ہماری نظر میں محض ایک غار ہو تو ہو لیکن

اصل میں وہ فردوس بریں کا ایک حصہ ہے ۔ یہاں پہنچ کر مجھے ایک عجیب و غریب احساس ہوا کہ پورا شہر مکہ بدل چکا ہے ، گلیاں اور کوچے بدل چکے ہیں اور ان کی جگہ وسیع و عریض سڑکیں ہیں ، کچے پکے مکانات کی جگہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بن چکی ہیں یہاں تک کہ صفا و مروہ کی صورت بدل چکی ہے ۔ پورے علاقہ صفا و مروہ میں مسقف ، دورویہ راستے بن چکے ہیں ، ایک جانے کے لئے ۔اور ایک آنے کے لئے درمیان میں ایسی راہ داری بنی ہے کہ ضعیف و ناتواں وہیل چیئر (Wheel Chair) پر سعی کر سکیں ۔ یہ ساری آسانیاں زائرین اور حجاج کی سہولت کے لئے بہم پہنچائی گئی ہیں ۔ جگہ جگہ آبِ زم زم کے کولر رکھے ہیں تاکہ پیاسے اپنی پیاس بجھا سکیں ۔ یہ سب آسانیاں ہیں لیکن صفا و مروہ کی ہئیت بدل چکی ہے ۔ اس امر میں رائے زنی میرا کام ہنیں لیکن اتنا کہے بغیر ہنیں رہ سکتا کہ جب میں نے پہلی بار زیر آسمان سعی کی تھی تو مجھے زیادہ طمانیت حاصل ہوئی تھی اور مجھ پر رقت بھی طاری ہوئی تھی ۔ بہرحال یہ اپنے اپنے جذبات اور ذہن رسا کی بات ہے لیکن یہاں یعنی جبلِ نور و جبلِ رحمت پر پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ یہاں کے حالات بالکل مختلف ہیں ۔ یہاں پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہنیں ہوئی ہے ہر شے اپنی اصل صورت میں موجود ہے ۔ یعنی نہ تو غارِ حرا میں کوئی تبدیلی لائی گئی اور نہ ان راستوں میں جس سے گذر کر وہاں تک پہنچے ۔ یعنی زائرین اور حاجی صاحبان ان ہی راستوں سے گذرتے ہیں جن دشوار گذار راستوں سے خاتم النبیینؐ گذرا کرتے تھے ، یہ گذرگاہ پرانی یادوں کو تازہ کرتی ہے اللہ کرے کہ یہ سعادت سب مسلمانوں کو حاصل ہو ۔ میری دلی آرزو ہے کہ اس

میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے ۔

پہاڑی کے دامن میں قدیم آبادی ہے ، بازار ہیں اور ضروریات کی اشیاء ملتی ہیں ۔ یہاں ایک نکتہ بیان کرنا اور دل کی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اہلِ علم و نظر حضرات اس پر غور فرمائیں اور اگر اس امر میں مجھ سے تسامح ہوا ہے تو مجھ عاصی کو ازراہِ کرم اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں ۔

ایک نکتہ

زیادہ تر مفسرین اور سیرت نگاروں نے بھی لکھا ہے کہ جب روح الامین وحی لے کر حاضر ہوئے تو نبی اکرمؐ سے فرمایا کہ پڑھئے اور نبی اکرمؐ نے جواب دیا " میں پڑھنا نہیں جانتا ۔ " تین بار ایسا ہوا اور رحمۃ للعالمینؐ نے ہر بار یہی جواب دیا " میں پڑھنا نہیں جانتا ۔ " یہاں یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا روح الامین کوئی آیت / سورۃ بطورِ تحریر لائے تھے اور پڑھنے کی فرمائش کر رہے تھے ، ایسا تو نہیں تھا بلکہ روح الامین کچھ کہنا یا پڑھنا چاہتے تھے اور رحمت للعالمینؐ کو اسے دہرانا تھا ۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو پھر یہ کہا جانا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ " میں پڑھنا نہیں جانتا " یہ سوچ کیسے پیدا ہوئی ؟ اہلِ دانش و بینش کا کام ہے کہ اس پر روشنی ڈالیں میں تو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دیگر مقامات کا مختصر ذکر ہو جائے جہاں زائرین اور حجاج کرام تشریف لے جاتے ہیں ۔ حج کے دوران تو ان مقامات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ سفید کپڑوں میں ملبوس کفن پوش (احرام میں)

انسان اور انسانوں کے سرہی سر حدِ نظر تک دکھائی دیتے ہیں ۔ زمین تو صرف اپنے قدموں تلے ہی مشکل سے نظر آتی ہے یا دور پہاڑیاں دکھائی دیتی ہیں ۔ حج کے دوران میرا بھی یہی عالم تھا لیکن اس بار میں رمضان المبارک میں بغرض عمرہ گیا تھا۔ . . ان مقامات تک جانے کی اجازت تھی لہذا جو کچھ میں دیکھ سکا اور جس حد تک الفاظ میری یاوری کریں گے میں ان مقامات کی کیفیت آپ تک پہنچانے کی پوری کوشش کروں گا ۔

یہ مقامات ہیں منیٰ ، عرفات ، وادیٔ محسّر ، مزدلفہ اور جبل الرحمتہ ۔

منیٰ

منیٰ مکہ مکرمہ سے (حرمِ مطہر سے) تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر مکہ و مشعرالحرام کے درمیان واقع ہے اور اس کا رقبہ تقریباً چھ مربع کیلو میٹر ہے ۔ یہاں ایامِ حج میں لوگ عموماً بسوں اور ٹرکوں پر جاتے ہیں ۔ مجمع کثیر ہوتا ہے اس لئے پیدل چلنے میں بچھڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ اس بار عمرہ کے دوران ہم لوگوں نے بذریعہ کار جانا طے کیا ۔ میری اہلیہ بھی میرے ساتھ تھیں ۔ منیٰ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی قربانی کا پورا نقشہ ذہن پر منعکس ہو جاتا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزندِ دلبند (حضرت اسماعیلؑ) کو لئے قربان گاہ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور شیطان بہکانے کے لئے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ، ایک بار نہیں ، دو بار نہیں ، تین بار بہکانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا ۔ حضرت ابراہیمؑ اولوالعزم پیغمبر تھے اور حضرت اسماعیلؑ پیغمبر ابنِ پیغمبر ، اثر ہونا تھا نہ ہوا ۔ شیطان اپنی نشانی چھوڑ گیا چنانچہ آج تک تمام حجاج

ان جمروں کو کنکریاں مارتے ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو لٹایا اور چھری پھیری لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا ۔ بیٹا (حضرت اسماعیلؑ) صحیح و سالم رہا ایک دنبہ ان کی جگہ قربان ہوگیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو " ذبح عظیم " سے بدل دیا ۔ وہ ذبح عظیم حضرت امام حسین علیہ السلام تھے ، جنہوں نے اپنے کنبہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں قربانی پیش کی اور درجہ شہادتِ عظمیٰ حاصل کیا ۔ علامہ اقبال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ
سرو آزادے زبستانِ رسولؑ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر
سر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

اس عظیم قربانی کی یاد تمام عالم کے مسلمان آج تک مناتے ہیں ۔ باپ نے اپنا فرض ادا کیا اور بیٹے نے اپنا ، دونوں رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ہوئے ۔ یہ بہت بڑی قربانی تھی اور بہت بڑا امتحان جس میں دونوں ہی کامیاب و کامران اور سرخرو ہوئے ۔ باپ اور بیٹے نے تسلیم و رضا اطاعت اور قربانی کی بے مثال " مثال " پیش کر دی ۔ اس کو کہتے ہیں وفاداری بشرط استواری ایسے موقع کے لئے علامہ اقبال نے کہا ہے:

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکنِ ما ممکن است

ابراہیمؑ و نمرود، موسیٰؑ و فرعون اور حسینؑ و یزید ہر زمانہ میں رہے ہیں لیکن اللہ کے نیک بندوں کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی ۔ بقول علامہ اقبال:

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

منیٰ بہت بڑا میدان ہے ۔ یہیں حاجی صاحبان سنتِ ابراہیمی میں قربانی کرتے ہیں ۔ پہلے تو یہ کام کھلے میدان میں ہوتا تھا لیکن اب اس کے لئے چھوٹے چھوٹے سائبان بنا دیئے گئے ہیں اور درخت بھی لگا دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے سایہ بھی ہو گیا دوسری آسانیاں بھی پیدا ہو گئیں ہیں زیادہ تر درخت نیم کے ہیں ۔ دوسرے ممالک تک قربانی کا گوشت پہنچانے کا انتظام بھی ہو گیا ہے تاکہ گوشت ضائع نہ ہو اور مستحقین تک پہنچ جائے ۔

مسجد خیف

منیٰ کی مساجد میں سب سے بڑی اور مشہور مسجد خیف ہے ۔ اس کے فضائل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے ۔ بروایتِ حضرتِ ابو ہریرہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوتا تو ہر ہفتہ کے دن مسجدِ خیف کی

زیارت کو جاتا ۔ امام ازرقی نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مسجد خیف میں ۷۵ انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے جن میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں ۔

میدانِ عرفات

ایک وسیع اور ہموار میدان مکہ کے شمال میں تقریباً ۲۴ کلو میٹر کے فاصلہ پر حدِ حرم سے باہر واقع ہے ۔ (حوالہ حج و انقلابِ اسلامی ، وزارتِ ارشادِ اسلامی ، تہران) حشر کا سماں پیش کرتا ہے ۔ لاکھوں افراد جن میں مرد ، عورتیں ، بچے سب ہی ہوتے ہیں حدتِ آفتاب سے بے پرواہ **لبیک اللھم لبیک** کہتے ہیں اور الحاح و زاری سے دعائیں مانگنے میں مشغول ہوتے ہیں اور حدت میں رحمت ، تکالیف میں سکون محسوس کرتے ہیں ۔ بات ساری عقیدہ اور جذبات کی ہوتی ہے جذبہ صادق ہو تو خارِ مغیلاں پھول بن جاتے ہیں ۔ بقول عمر خیام:

زیرا کہ گل از خار بیروں می آید

انسان جب الفت کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو رنج راحت میں بدل جاتا ہے:

یہ حالت ان کے دیوانوں کی ہے الفت کی منزل میں
جو کانٹا راہ میں آیا اٹھا کر رکھ لیا دل میں

(نیر آفندی)

مرزا غالب نے اسی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

رنج اٹھانے سے بھی خوشی ہوگی
پہلے دل درد آشنا کیجے

یہاں حدتِ آفتاب ہو یا شدتِ تشنگی، انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر مالکِ حقیقی سے لو لگائے محوِ عبادت ہوتا ہے:

زیرِ شمشیرِ ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

صدق و صفا کی منزل میں سر پیش کرنا عین عبادت و راحت ہوتا ہے، عرفات میں تو سب ہی کفن بدوش ہوتے ہیں، ایمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور ہم سب اس کی حضوری میں حاضر ہیں۔ امیر ہو یا غریب فقیر ہو یا بادشاہ اس دربار میں سب ہی ایک ہوتے ہیں۔ یہ تو نصیب کی بات ہوتی ہے کہ کس کی حضوری قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

مسجدِ نمرہ

عرفات کے میدان میں داخل ہوں تو مسجدِ نمرہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ یہی وہ مسجد ہے جہاں خطبہ حج دیا جاتا ہے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک

اذان پر ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں - یہاں سارے فقہی اختلافات ختم ہو جاتے ہیں ، سب عالم کیف و مستی جذب و شوق میں محو مناجات ہوتے ہیں - یہ بہت وسیع و عریض مسجد ہے - پوری مسجد کی زیارت اس بار نصیب ہوئی کیونکہ ہم ماہِ رمضان میں گئے تھے ، حج کے دوران تو حدِ نظر تک سر ہی سر نظر آتے ہیں - مسجد نمرہ کی عکسی تصویر شاملِ کتاب ہے - یہاں ہم نے عکس گیری کا شوق بھی پورا کیا - یہ مسجد جبل الرحمہ کے قریب واقع ہے - اس مسجد کو مسجد عرفہ اور جامع ابراہیمؑ بھی کہتے ہیں -

جبلِ رحمت

جبلِ رحمت چھوٹی سی پہاڑی ہے - مسجدِ نمرہ سے یہاں آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے - اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اوپر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جہاں حجاج کرام اور زائرین سب ہی پہنچنا چاہتے ہیں اور نوافل ادا کرنا چاہتے ہیں ، حج کے دوران وہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے - لاکھوں کا مجمع مختصر سی جگہ سب کہاں سما سکتے ہیں - ۱۹۶۰ء میں ہم فریضہ حج کے دوران وہاں نہیں پہنچ سکے تھے لیکن خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے اس بار ہم آسانی سے پہنچ گئے - رمضان کا مبارک مہینہ تھا اور ابتدائی ایام تھے حضوری آسانی سے حاصل ہو گئی - اس سعادت پر دلی خوشی ہوئی ، حمد و ثنا کی اور شکرِ رب العالمین بجا لائے یہی بندگی کا تقاضا ہے - رب العزت ہماری دعاؤں کو بہ طفیلِ محمدؐ و آلِ محمدؐ قبول فرمائے - آمین -

مزدلفہ یا مشعرالحرام

حرم شریف سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ حج کے زمانہ میں تو عرفات سے قبل مغرب چل کر مشعرالحرام پہنچتے ہیں ۔ عرفات میں مغرب کی نماز کا وقت ہو بھی جائے تو یہاں نماز مغرب ادا نہیں کرتے بلکہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھتے ہیں ، یہ شب آرام کی شب کہی جاتی ہے کیونکہ اگلی منزل کٹھن ہوتی ہے ۔ یہ میدان نسبتاً چھوٹا ہے لیکن لاکھوں افراد سما جاتے ہیں ، یہیں کنکریاں چنتے ہیں تاکہ تینوں جمروں کو اگلے روز کنکریاں مار سکیں ، اس عمل کو رمی کہتے ہیں ۔ نماز صبح (فجر) کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہی یہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں ۔ منیٰ میں تین جمرے ہیں جن کو کنکریاں مارنا ہوتی ہیں ۔ اس کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہوں ۔ جمرے بے شکل و صورت کے مجسمے یا مٹی کے ڈھیر ہیں اور شیطان کی پہچان ہیں ۔ ان جمروں کو اولیٰ ، وسطیٰ اور عقبیٰ کہتے ہیں ، ان پر کنکریاں مارنا ارکانِ حج میں شامل ہے ۔ حج میں تو اس قدر ازدحام ہوتا ہے کہ وہاں تک رسائی دشوار ہوتی ہے لیکن قریب تر جا کر کنکریاں مارنا لازمی ہے ۔ اس بار تو ہم رمضان میں حاضر ہوئے تھے لہذا کوئی دشواری نہیں ہوئی کنکریاں تو نہ ماریں لیکن لعنت کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ۔

وادی محسّر

اس کا ایک تاریخی پس منظر ہے ۔ ابرہہ کا لشکر جرار جس میں ہاتھی بھی شامل تھے اسی میدان کی سمت سے حرم کعبہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا ، حکم ربانی

سے ابابیلوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان ہاتھیوں پر برسائیں کہ سارا لشکر تباہ و برباد ہوگیا ۔ قرآن مجید میں اس کو اصحاب فیل کہا گیا ہے اور اس عبرتناک انجام کا ذکر سورہ فیل میں موجود ہے ۔ یہاں قیام نہیں کیا جاتا ہے محض گذر جاتے ہیں ۔

اب تک ہم نے ان متبرک مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں تک ہماری رسائی ہوئی ۔ یوں تو یہاں کی ہر گلی ، ہر کوچہ ، پہاڑی ، میدان ، کنکر پتھر ، ریت ، زمین و زماں سب ہی متبرک اور قابل ذکر ہیں ، جہاں تک ہمارے اور آپ کے نبیؑ برحق بلکہ تمام عالموں کے لئے رحمت ، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پہنچے لیکن کس کس کا ذکر کیا جائے ، سب کا ذکر کرنا محال ہے کچھ کا ذکر حاضر ہے ۔

وہ مقام جہاں لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں

اب میں ایک ایسے مقام کا ذکر کرنے جارہا ہوں جس کا ذکر لوگ نہیں کرتے اور جانتے بھی کم لوگ ہیں ۔ یہ مقام چند ایکڑ کا میدانی ، ریتلا اور کنکریلا علاقہ ہے ۔ ہوٹل قصر عبدالرحمان اول جس میں میرا قیام تھا اس کی پشت پر واقع ہے ۔ ہوٹل کی پشت پر پیادہ چلنے کا راستہ ہے اور قدرے تنگ سڑک بھی ہے ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر کاریں لانا ممنوع ہے لہذا سب لوگ پشت کی گلی ہی میں پیادہ ہوتے ہیں اور ہوٹل تک آتے ہیں ۔ سڑک کے دوسری جانب عمارتیں ہیں اس کے بعد یہ میدان ہے ، میدان کے بعد کشادہ سڑک ہے جس پر ہمہ وقت گاڑیاں رواں دواں رہتی ہیں ، حرم شریف جاتے ہوئے

کئی بار میری نظر اس پر پڑی میں سوچتا رہا مکہ جیسے شہر میں جہاں زمین اس قدر گراں ہے آخر یہ میدان غیرآباد کیوں ہے یہاں تو کئی بڑی بڑی عمارتیں بن سکتی ہیں - ایک روز ہوٹل کے عرب منیجر سے پوچھ ہی لیا اس نے اشارہ کنایہ سے بتایا میں اچھی طرح سمجھ نہ سکا، مجھے مزید جستجو ہوئی اور میں نے ہوٹل کے حمال سے پوچھا وہ بنگلہ دیسی مسلمان تھا - اردو بھی بول لیتا تھا، اس نے قصہ قدیم سنایا - میں سخت حیران ہوا اور بے حد دکھی بھی لیکن پھر بھی میں اس کی مزید وضاحت چاہتا تھا اور تصدیق بھی - پھر مجھے وہ کشمیری بھائی مل گئے جن سے پہلے دن ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے بھی وہی بات کہی جو بنگلہ دیسی بندہ کہہ چکا تھا - شام کو سید جاوید رضا سے میں نے دریافت کیا کہ اتنا بڑا میدان اتنی قیمتی زمین آخر خالی کیوں پڑی ہوئی ہے - انہوں نے وہی بات کہی جو پہلے تین افراد کہہ چکے تھے، کہنے لگے یہ وہ مقام ہے جہاں قبل اسلام کچھ اہل مکہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے - خدا جانے کتنی معصوم جانیں یہاں دفن ہیں - یہاں کون عمارت بنانے کی بابت سوچ سکتا ہے؟ اس رسم قبیح کا خاتمہ آنحضرتؐ نے کیا اور قرآن مجید کا ارشاد ہے **لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق** (اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو) - (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) اس آیت کریمہ میں اسی رسم پر کفار کو سرزنش کی گئی ہے - اسلام پہلا دین ہے جس نے عورتوں کو پورے حقوق عطا کئے -

مجھ پر کیا گزری میں بیان نہیں کر سکتا، آپ پر کیا بیتی یہ آپ ہی جانتے ہیں - یہ تو تاریخی حقیقت ہے میں نے بیان کر دی آپ کو دکھ پہنچا تو میں

معذرت خواہ ہوں ۔ حقیقت کا بیان کرنا ہی تو تاریخ ہے ۔ تاریخ کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ دینی مدارس کی اکثریت ایسی ہے جہاں سرے سے تاریخ پڑھائی ہی نہیں جاتی ۔ کچھ علما کا خیال ہے کہ تاریخ پڑھنا پڑھانا وقت کا زیاں ہے ۔ شاید ان کو یہ خبر نہیں کہ جو اقوام تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں ان کا حشر اچھا نہیں ہوتا ۔

جو قوم بھلا دیتی ہے تاریخ کو اپنی
اس قوم کا جغرافیا باقی نہیں رہتا

اب ہم تقریباً تمام زیارت گاہوں سے بحمداللہ مشرف ہو چکے تھے ۔ ہم زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گذارتے ۔ روزہ افطار سے قبل جاوید میاں کے ساتھ اپنے ہوٹل کے قریب ہی ایک پاکستانی رستوران سے افطار، کھانا اور سحری کا سامان خرید لیتے ایسا لگتا تھا جیسے کراچی سے نکل کر لاہور یا پنڈی پہنچ گئے ہیں ۔ ہماری قیام گاہ کا نام ہوٹل ضرور تھا لیکن حقیقت میں ایک اپارٹمنٹ تھا جس میں دو توالت (Toilet) اور ایک کچن (باورچی خانہ) تھا فریج بھی مہیا تھا اور ٹیلیویژن بھی ۔ وہاں گھروں میں ڈش انٹینا (Dish Antenna) کا عام رواج ہے مگر ہوٹلوں اور فلیٹ میں یہ وبا ابھی عام نہیں ہے ۔ ممکن ہے کہ کسی کسی ہوٹل میں ہو بھی لیکن ہم کو اس کا علم نہ تھا اور نہ ضرورت ۔ کچن کے استعمال کے لئے وقت درکار ہوتا ہے کھانا پکانے کے جھمیلے میں کون پڑتا ہم تو عبادت کے لئے وہاں گئے تھے اور وہ وقت جو کچن میں صرف ہوتا اس کو ہم مزید دعاؤں اور عبادت میں صرف کرنا چاہتے تھے ۔ اسی

وجہ سے کھانے پینے کا ساماں باہر سے آتا جو بہنایت آسانی سے بہتر اور مناسب قیمت پر مل جاتا تھا ۔ میں سحری میں بھی ہلکی غذا یعنی دہی اور صرف ایک ٹوسٹ کھاتا ہوں یہ میری پرانی عادت ہے ، سارا دن سکون سے گذرتا ہے نہ بھوک ستاتی ہے اور نہ پیاس ہی کا غلبہ ہوتا ہے ۔

پرسوں (پس فردا) یعنی بروز بدھ ۲۳ / فروری ۱۹۹۴ء کو مقام جلال سے مقامِ جمال کی جانب سفر کرنا ہے ۔ لہذا ہم نے پانچ سو ڈالر عوض کرائے جس کے ہم کو اٹھارہ سو ساٹھ ریال ملے ۔ روزہ افطار کے بعد ہم کھانا لینے جارہے تھے تو ہم کو وہ چھوٹی سی مسجد جس کا نام مسجدِ جعفر شکیبہ ہے کھلی ملی ، یہ ایک قدیم چھوٹی سی مسجد ہے چنانچہ ہم نے طے کیا کہ آج عشا کی نماز اسی مسجد میں پڑھی جائے ۔ اذان کے کچھ دیر بعد وہاں پہنچے تھے ۔ تراویح شروع ہو چکی تھی کچھ لوگ نمازِ تراویح میں شریک تھے اور کچھ جدا جدا نماز ادا کر رہے تھے ہم نے نمازِ فرادیٰ پڑھی ۔ جس چیز نے ہمیں خاص طور سے متوجہ کیا وہ تھی نمازِ تراویح کی " امامت " ۔ اس نماز کی امامت ایک بچہ کر رہا تھا جس کی عمر میرا خیال ہے بارہ تیرہ سال سے زائد نہ ہو گی اور ابھی مسیں بھی بھیگی نہ تھیں بہنایت خوش الحان تھا ممکن ہے امام کی کمسنی کی وجہ سے زیادہ تر لوگ فرادیٰ نماز پڑھ رہے تھے ۔ یہ ایک واقعہ تھا جس نے مجھے متوجہ کیا من و عن لکھ دیا ۔ ہمارا ہوٹل اگرچہ حرمِ مطہر سے قریب ہی تھا ہم پندرہ منٹ میں بہ آسانی پیدل پہنچ جاتے تھے ، اتنی قربت کے باوجود راستہ میں دو چھوٹی چھوٹی مساجد تھیں ایک کا ذکر میں نے کر دیا اور دوسری مسجد میں حاضری نہ دے سکا ۔ جہاں تک حرم شریف میں نمازِ تراویح کا تعلق ہے میں نے

محسوس کیا کہ اس میں مقامی حضرات بہت کم ہوتے ہیں کثرت زائرین کی ہوتی ہے ۔ رمضان المبارک میں چونکہ یہاں سارا کاروبار رات ہی میں ہوتا ہے مقامی حضرات کاروبار میں مشغول رہتے ہیں ۔ یہاں کی مساجد کا دستور ہے کہ مساجد میں اذان کے تقریباً پانچ منٹ بعد اقامت ہوتی ہے ۔ اسی دوران اکثر لوگ افطار کرتے ہیں اور کچھ لوگ نمازِ مغرب کے بعد افطار کرتے ہیں ۔ حرم میں افطار کا زیادہ سامان لے جانے کی اجازت نہیں لوگ چند کھجوروں ہی سے افطار کرتے ہیں اور دل کھول کر آبِ زم زم پیتے ہیں جس کا حرم میں نہایت عمدہ انتظام ہے ، حسنِ انتظام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔ بعدِ نمازِ مغرب لوگ باہر آجاتے ہیں اور حسبِ توفیق افطاری کرتے ہیں اور لوگوں کو کھلاتے بھی ہیں ۔ اس طریق کار سے حرم شریف میں صفائی ستھرائی کا مسئلہ کھڑا نہیں ہوتا ہے ۔ میرے خیال میں یہ اچھا طریقہ ہے صفائی کا لحاظ ہر حال میں مقدم ہے صفائی کو نصفِ ایمان کہا گیا ہے ۔

مدینہ منورہ کے لئے روانگی

آج فروری کی ۲۲ تاریخ ہے اور کل ان شاءاللہ یہاں سے تقریباً گیارہ بجے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہونا ہے یعنی مقامِ جلال سے نکل کر مقامِ جمال پہنچنا ہے ۔ آج کا بیشتر وقت حرمِ مطہر میں گذارا ۔ بار بار طواف کیا ، نمازیں پڑھیں اور دعا و مناجات میں مشغول رہے ۔ جب تھک جاتے تو سایہ میں بیٹھ جاتے اور خانہ کعبہ کی زیارت کرتے رہتے ۔ پھر اٹھتے ، طواف کرتے ، حطیم اور مقامِ ابراہیمؑ پر نماز ادا کرتے اور مناجات میں محو ہو جاتے

قضائے عمری نمازیں بھی ادا کیں اور اپنی نسل، دوست احباب، تمام عزیز و اقارب اور اپنے ملک کے لئے دعائیں بارگاہِ ایزدی سے طلب کیں۔

"دعائے خیر سب کے لئے ہو کہ دریا سوچ کر نہیں بہتا"

حرم میں کسی وقت بھی جائیں لوگوں کا بے پناہ ہجوم رہتا ہے صفائی ستھرائی کے کام پر زیادہ تر برصغیر ہندوستان و پاکستان کے باشندے تعینات ہوتے ہیں۔ ہم شلوار کرتہ اور واسکٹ میں پہچانے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اردو میں مخاطب کرتے اور پوچھتے آپ پاکستان سے آئے ہیں۔ قومی لباس بڑی پہچان ہے۔ ۲۲ / فروری ۱۹۹۴ء کا بیشتر وقت ہم نے حرم شریف میں گذارا جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ شام کو حرم سے واپسی پر ہم نے ایک تربوز خرید لیا دکاندار نے وزن نہیں کیا اس نے پندرہ ریال طلب کئے اور ہم نے دے دیئے۔ ہوٹل پہنچ کر تربوز کو فریج میں رکھا افطار کے وقت پتہ چلا کہ کسی کام کا نہیں بالکل بدمزہ اور پھیکا تھا ہم نے ٹھنڈی خاصیت کی وجہ سے کچھ کھا لیا۔ خیر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

میں آپ کو اہل مکہ کی سخت جانی، کرخت زبانی اور اکھڑ پن کا ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو ہم کو پاکستانی نژاد مکی ڈرائیور نے بتایا۔ اس پاکستانی ڈرائیور کا نام حضور بخش اور ملتان کا رہنے والا ہے۔ پاکستانی ڈرائیور کا بیان ہے "ہمارے پڑوس میں ایک عرب ڈرائیور رہتا ہے ایک روز کار پارک کرنے پر جھگڑا ہو گیا۔ غلطی اس کی تھی لیکن بہرحال وہ مقامی باشندہ تھا۔ پہلے زبانی گرما گرمی ہوئی پھر جھگڑا بڑھا طیش میں آکر کہنے لگا تمہاری کیا حیثیت ہے اس نے اس کے بعد جو کچھ کہا میں ضبط تحریر میں نہیں لا سکتا۔ واللہ اعلم

بالصواب - یہ ہے ملی مزاج کی ایک جھلک - اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے - اہالیان مکہ سے خوش گفتاری اور شیریں زبانی کی توقع بے معنی ہے - افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ بیرونی ممالک سے جا کر وہاں آباد ہو گئے ہیں وہ بھی اسی رنگ میں رنگے جا رہے ہیں - کہتے ہیں کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے لیکن جو لوگ زیادہ پرانے نہیں ہوئے ہیں ان میں اب بھی نرم خوئی باقی ہے اور ان پر ملی کلچر مسلط نہیں ہوا ہے لیکن " تا بہ کے

ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد

میں پاکستانی ڈرائیور کے رویے سے بھی مطمئن نہ تھا ، اس کے طرز گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر بھی ملی کلچر حاوی ہو چکا ہے لہذا میں نے اس کی گفتگو کو اہمیت نہ دی -

ہر چہ در دیگ بود بکچہ در آید

مکی مزاج، مکانات اور مکانیت

مکہ پہاڑی علاقہ ہے ۔ سخت گرمی پڑتی ہے ۔ بارش برائے نام ہوتی ہے ۔ اونچی نیچی پہاڑیوں پر لوگ آباد ہیں لیکن ان کے یہاں بجلی فیل ہونے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ہے اور نہ اب قلتِ آب کی پریشانی ہوتی ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں حالات بالکل مختلف تھے، قلت آب بھی تھی اور گرانی آب بھی ۔ کبھی کبھی نایابی بھی ۔ سچ پوچھئے تو ان کو سخت حیرانی ہوتی ہے جب ہم پاکستانی کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں اکثر بجلی فیل ہو جاتی ہے جو ان کے یہاں اب نہیں ہوتی ۔ ان کے استفسار پر ہم بجلی فیل ہونے کا سبب کیا بتلائیں:

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

چھوٹے چھوٹے قطعہ زمین پر اونچی اونچی عمارتیں ہیں بسا اوقات تو پہاڑیاں کاٹ کر عمارت تعمیر کی جاتی ہے شاید یہ نامساعد حالات ہی ان کی کرخت زبانی اور برہمی مزاج کا باعث ہوں ۔ ہاں یہ ماننا پڑتا ہے کہ روزہ افطار کے وقت ماحول میں خاصی تبدیلی آجاتی ہے ۔ وہی اہالیانِ مکہ جو دن میں سیدھے منہ بات نہیں کرتے افطار سے کچھ قبل گاڑیوں میں سامانِ خورد ونوش یعنی کھجوریں، ٹھنڈا پانی خصوصاً آبِ زم زم، فروٹ جوس (آبِ میوہ) اور دیگر اشیاء لئے ہوئے جگہ جگہ حرمِ مطہر کے آس پاس موجود لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، لوگ قطار لگا کر یہ اشیاء حاصل کرتے ہیں، ترتیب و تنظیم کے ساتھ اس وقت عرب و عجم کی تفریق نظر نہیں آتی ورنہ عموماً اہلِ مکہ

ہندوستان و پاکستان کے باشندوں کو مسکین کہتے ہیں اور معمولی معمولی بات پر کہتے ہیں " یا اللہ روح " یہ نفرین کا جملہ ہے جو وہ بے محابہ استعمال کرتے ہیں ۔ ممکن ہے وہ ایسا بے ارادہ کہتے اور کرتے ہوں لیکن اس طرزِ گفتگو سے ان کی جبلت کا اظہار ہوتا ہے:

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

جو حضرات حج یا زیارات کے لئے جاتے ہیں وہ ان باتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ انکا مقصد تو حج یا عمرہ ہوتا ہے اور اسی میں مگن رہتے ہیں ۔ ان کی سنی ان سنی کرتے ہیں ، عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں اور کوئی بات ناگوارِ خاطر ہوتی ہے تو اپنے نیک مقصد کے آگے اس کو قابلِ معافی سمجھتے ہیں ۔ اس مختصر سے ملی مزاج کے تعارف کے بعد حالاتِ سفر کی جانب پھر رجوع ہوتے ہیں ۔

آج فروری کی ۲۲ تاریخ ہے کل ہمیں مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہونا ہے جو ہمارے اجداد کا آبائی وطن ہے ۔ یہیں سے ۲۰۰ ھ میں مامون رشید عباسی نے امام علی رضاؑ کو مشہد بلوایا تھا جو بظاہر خلوص و عقیدت لیکن حقیقتاً اعزازی گرفتاری تھی ۔ شروع شروع میں بڑی آؤ بھگت ہوئی حکومت کی پیش کش ہوئی ، آپؑ نے انکار فرمایا تو ولی عہدی منظور کرنے پر مجبور کیا گیا اور پھر تین سال بعد زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا ۔ یہ الگ تاریخی واقعہ ہے اور سیاستِ دوراں کے داؤ پیچ جس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے میں نے اپنے سفر

نامہ "کوہ قاف کے اس پار" اور سرزمین انقلاب" میں کیا ہے ۔ گردش زمانہ دیکھئے کہ آج اپنے اجداد کی سرزمین میں ہم اجنبی ہیں اور مشکلوں سے وہاں جانے اور چند دن قیام کی اجازت ملتی ہے اور جن کا اس سرزمین سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا وہاں بادشاہ بنے بیٹھے ہیں ۔ یہ انقلاباتِ زمانہ ہیں ، تاریخ خود کو دہراتی رہتی ہے کل کیا ہو گا کسی کو کوئی خبر نہیں ہے :

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

میں ابھی ہوٹل ہی میں تھا کہ میرے عزیز دوست احسن صدیقی کا جن کو تمام احباب بڑے بھائی کے نام سے یاد کرتے ہیں جدہ سے فون آیا، کہنے لگے میں مکہ آنا چاہتا ہوں اپنے ہوٹل میں انتظام کر دو ۔ میں نے عرض کیا کب آنا چاہتے ہیں اور کتنے روز قیام ہو گا اور کتنے افراد ہوں گے تاکہ اسی حساب سے آپ کی بکنگ کرا دوں ۔ انہوں نے کہا بارہ بجے تک پھر فون کروں گا کیونکہ عزیزی مسرور، ان کا بیٹا باہر گیا ہوا تھا ۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ضرور فون کر دیں کیونکہ اس کے بعد میں ہوٹل چھوڑ دونگا اس لئے کہ میں پابرکاب ہوں مجھے مدینہ منورہ روانہ ہونا ہے لیکن میری روانگی تک ان کا فون نہیں آیا ۔

ابتدائی پروگرام کے لحاظ سے مجھے مکہ سے واپس جدہ آنا تھا اور پھر جدہ سے مدینہ منورہ ہوائی سفر کرنا تھا جس کے لئے ہمارے پاس ہوائی ٹکٹ موجود تھا لیکن ہم نے طے کیا کہ مدینہ تک یہاں سے زمینی سفر ہی کیا جائے اور

فضا میں اڑنے کے بجائے زمین دیکھتے چلیں آخر اجداد کی جگہ ہے ۔ ان راہوں پر نہ سہی جن راہوں سے نبی اکرمؐ نے سفر کیا تھا لیکن ان راہوں کی کچھ قربت تو حاصل ہو گی یہاں کے کچھ بازار، کچھ آبادیاں، ٹیلے اور پہاڑ تو دیکھ سکیں گے ۔ گرچہ آبائی وطن ہونے کے باوجود آباد تو ہو نہیں سکتے ۔ اجداد کا شہر ہے لیکن ہم اجنبی، زمانہ کیسے رنگ بدلتا ہے ۔ ہر تاریکی روشنی کا مژدہ لاتی ہے ہم نہ سہی ممکن ہے ہماری آئندہ نسل یہاں آباد ہو سکے ۔ ہم تو اسی میں خوش ہیں کہ جتنا بھی وقت یہاں گذر جائے اسی کو غنیمت سمجھیں ۔ راستہ میں تاریخی مقامات بھی پڑیں گے ان کی بھی زیارت ہو گی خدا معلوم اب پھر کب آنا نصیب ہو، خواہش تو یہی ہے کہ اگلا رمضان یہیں گذاریں خداوندِ عالم یہ آرزو پوری کرے ۔ (آمین)

آج مکہ معظمہ میں ہماری آخری شب ہے چنانچہ ہم نے طے کیا کہ زیادہ سے زیادہ وقت حرم شریف میں گذاریں اور ایسا ہی ہوا بھی لیکن مجھ کو چند کتابوں کی تلاش تھی، یہاں کتابیں حاصل کرنا جوئے شیر لانا ہے ۔ نمازِ عشاء کے بعد میاں جاوید رضا کے ساتھ بازار نکل پڑے وہ وہاں کے بازاروں سے واقف تھے، بہت تلاش کیا مگر کام کی چیز کہیں نظر نہیں آئی کافی دور نکل گئے ۔ ایک فوٹو گرافر کی دوکان پر پتہ چلا کہ حرم شریف کے ساتھ ہی پہاڑی پر ایک ہوٹل تعمیر ہو رہا ہے پوری عمارت تو تیار نہیں ہوئی لیکن نچلی منزل تیار ہو چکی ہے اور بازار کھل چکا ہے، اس فوٹو گرافر نے نام اور پتہ بھی دکان کا بتایا ۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچ گئے ۔ ہماری خوش نصیبی کہ وہ کتاب جس کی ہمیں تلاش تھی مل گئی ۔ کتاب کا نام "حرمین شریفین" ہے اور اس کی

تدوین عظمت شیخ نے کی ہے اور ان ہی کی محنتِ شاقہ کا ثمرہ ہے، خوب شے ہے ۔ یہ کتاب کم اور تصاویر کا البم زیادہ ہے تحریر عربی، انگریزی اور اردو میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آرزو پوری کر دی اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے ۔ اس کتاب کے ساتھ ساتھ ہم نے ایک عدد قرآن مجید چھوٹی تقطیع کا جو دمشق کا مطبوعہ تھا اس دکاندار سے حاصل کیا ۔ یہاں کے دکاندار مول تول کے عادی ہی نہیں بلکہ ماہر بھی ہیں ۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی وہی طریقہ اپناتے ہیں جب میں کتاب " حرمین شریفین " کی منہ مانگی قیمت دے چکا یعنی پینتیس ریال تو دکاندار نے ایک قرآن مجید دکھایا اور کہنے لگا اس کا ہدیہ تو بیس ریال ہے مگر آپ کو پندرہ ریال میں دے دونگا ۔ اصل میں میں نے اس کو پچاس ریال کا نوٹ دیا تھا اور غالباً وہ باقی ریال واپس نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ مجھے بھی نسخہ پسند آیا میں نے پندرہ ریال چھوڑے اور چھوٹی تقطیع کا قرآن کریم پکڑا ۔ وہ پندرہ ریال ملنے پر خوش اور میں قرآن مجید ملنے پر مسرور ۔ میں یہاں عرض کرتا چلوں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں سوا ان دو چیزوں کے اور کچھ نہیں خریدا، خیال یہی رہا کہ جو کچھ خریدنا ہے جدہ میں ہی خریدیں گے ۔ بازار سے واپسی پر ہم رستوران گئے تاکہ کچھ کھانے کی اشیاء حاصل کر لیں، آج مجھے اپنی من پسند چیز یعنی کریلا گوشت ملا، اس کے علاوہ جاوید رضا اور اہلیہ کے لئے دوسری چیزیں لے لیں ۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جاوید رضا اپنے ہسپتال روانہ ہوئے اور ہم حرمِ مطہر میں جاگزیں ہوئے ۔ آج ہماری یہاں آخری شب ہے اس لئے کافی دیر عبادت میں مشغول رہے ۔ طواف کیا، نمازیں پڑھیں اور سجدے کرتے رہے ۔ جب قیام و رکوع سے تھک جاتے تو پھر بیٹھے ہی بیٹھے

سجدہ کرتے اور جی چاہتا کہ:

میرے سر نیاز کی محویتیں مٹا نہ دے
موت ہو یا حیات ہو کوئی مجھے صدا نہ دے

حرم سے واپس آئے تھے کہ علی عباس سلمہ کا مدینہ منورہ سے اور میاں نذر عباس کا ریاض سے فون آیا خیریت دریافت کی اور اگلا پروگرام معلوم کیا۔ میں نے علی عباس کو بتا دیا کہ کل یعنی ۲۳ / فروری ۱۹۹۴ء کو ساڑھے گیارہ کی کوچ (Coach) سے مدینہ کے لئے روانہ ہوں گا۔ ان کو بتانا یوں بھی ضروری تھا کہ مدینہ منورہ کا قیام و طعام کا سارا بندوبست ان ہی کو کرنا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر اہلیہ کو ہوٹل میں چھوڑا اور خود واپس حرم کے لئے چلا لیکن وہ بھی ساتھ ہولیں کہنے لگیں آج کچھ دیر اور یہاں گذار لیں حرم کعبہ میں آخری شب ہے۔ پورا حرم کعبہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا، آج کے نور میں ٹھنڈک، آسودگی اور بے حد لذت و مسرت تھی مگر ساتھ ہی ساتھ جدائی کی دل میں کسک بھی۔ جی تو بہی چاہ رہا تھا کہ تمام رات یہیں بیٹھے رہیں اور تجلیاتِ الہیٰ سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ وہاں کی تجلیات اور انوارِ الہیٰ کا کچھ یوں عالم تھا:

گوشہ گوشہ میں نمایاں طور کے آثار ہیں
ہر طرف تیری تجلی ہے ترے انوار ہیں

لیکن کل کا سفر اللہ کے گھر سے جدائی کا سفر تھا، وہی ذہن پر طاری تھا لیکن سکون کی کیفیت یوں شامل حال تھی کہ خانہ خدا سے جدا ہو کر اس کے حبیبؐ کے گھر جانا تھا یعنی مقامِ جاہ و جلال سے چل کر مقامِ جمال و کمال میں

داخل ہونا تھا جہاں جمال ہی جمال ہمہ وقت برستا رہتا ہے ۔ حرم کعبہ سے جدائی شاق ضرور تھی ، ہمارے دل و دماغ بوجھل تھے اور چشم گریاں ، اللہ دلوں کا حال جانتا ہے ، ممکن ہے کہ یہی آنسوؤں کا نذرانہ اور یہی جذبات ہماری نجات کا ذریعہ بن جائیں

پاکیزگی کی شرط تھی پیشِ خدا عمر
ہم اپنے آنسوؤں سے نہا کر چلے گئے
(عمر انصاری لکھنوی)

ہماری حرم سے جدائی بے شک ہو رہی ہے یہی ذہن میں تھا مگر جمالِ محبوبِ الٰہی کی کشش اپنا کام کر رہی تھی ، ہم کشاں کشاں اس رخ کی طرف جا رہے تھے ۔ ہم جب تک حرم کعبہ میں رہے گریہ و زاری اور الحاح و فریاد اور حمد و ثنا کرتے رہے اور بہ خشوع و خضوع دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگتے رہے :

رنگ و خوشبو میں کھو گیا ہوں میں
نور ہی نور ہو گیا ہوں میں

اپنے لئے اہلِ خاندان کے لئے ، احباب کے لئے ، ملک و ملت کے لئے اور تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے دعائیں مانگتے رہے ۔ قاری (حرم میں نمازِ تراویح پڑھانے والے) کی آواز تو روز سنتے تھے لیکن آج آواز میں عجیب سوز و گداز محسوس ہوا ۔ ایسا لگا آوازِ قاری لحن داؤدی میں تبدیل ہو گئی ہے ۔ ہم اسی کیف و سرور میں کھوئے ہوئے تھے کہ یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے چونکا دیا ہو ، گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کا ایک بجنے والا تھا تھوڑے ہی فاصلہ پر

میری اہلیہ مقام ابراہیم کے پہلو میں بیٹھی تھیں ۔ حرم میں ملنے کے مقام کا ہم پہلے ہی تعین کر لیتے تھے ۔ ایسا لگا کہ وہ انتظار میں تھیں ۔ وہ قریب آئیں اور ہم دونوں نے ایک بار پھر طوافِ کعبہ کیا ، حطیم میں نماز ادا کی اور پرنم آنکھوں سے حرم کعبہ کا دیدار کرتے ہوئے باب عمرہ سے باہر آئے ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ صبح چونکہ ہماری روانگی ہے اس لئے طوافِ وداع بھی کل کریں گے آج بقیہ وقت آرام کرنا بھی ضروری ہے تاکہ کل کوچ (Coach) سے سفر با آسانی طے ہو سکے ۔ ہوٹل پہنچ بستر پر جاتے ہی سو گئے ۔ ہم نے حرم میں داخل ہونے سے قبل ہی میاں جاوید رضا کو خدا حافظ کہہ دیا تھا کیونکہ وہ کل ہم سے نہیں مل سکتے تھے ۔

آج ۲۲ / فروری ۱۹۹۴ء ہے ہم ہوٹل سے نکل کر حرم کعبہ کی سمت جا رہے تھے کہ یکایک حسین لوائی صاحب سے ملاقات ہو گئی ۔ حسین لوائی صاحب آج کل مسلم کمرشل بینک کے صدر اور ہمارے بینکر ہیں ، مختصر گفتگو ہوئی ، میں نے عرض کیا آج میں مدینہ منورہ جا رہا ہوں ۔ انہوں نے فرمایا میں ابھی چند دن اور قیام کروں گا گذشتہ شب ہی مکہ پہنچا ہوں ۔ ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی بڑے بھلے انسان ہیں ۔ پردیس میں اپنا کوئی مل جائے تو بہت خوشی ہوتی ہے ۔

ہم بابِ عمرہ سے حسبِ دستور داخل ہوئے ۔ طوافِ وداع کیا ، نمازیں پڑھیں ، دعائیں مانگتے رہے اور مناجات پڑھتے رہے ۔ دل و دماغ کی وہی کیفیت تھی جیسی کہ گزشتہ شب تھی لیکن اس بار عالمِ بیداری میں تھے

کیونکہ چند ساعت بعد ہی اس شہر جلال سے رخصت ہونا تھا ۔ حرم سے چلنے لگے تو دل و دماغ کی عجیب کیفیت تھی غمی اور خوشی دونوں شریکِ حال رہیں جانے کا غم تھا تو مدینہ پہنچنے کی خوشی ، بہرحال دل و دماغ کو قابو میں رکھا ۔ ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ باہر آئے اور بار بار مڑ مڑ کر خانہ کعبہ کا دیدار حدِ نظر تک کرتے رہے ۔ حرم مطہر سے باہر ساتھ والے میدان میں اس کیبن (Cabin) میں پہنچے جہاں سے ٹکٹ خریدنا تھا ۔ پچپن ریال فی سواری کے حساب سے پاسپورٹ دکھا کر دو ٹکٹ خریدے اور کوچ کی روانگی کا وقت معلوم کیا ۔ پتہ چلا کہ ٹھیک بارہ بجے کوچ (Coach) مدینہ منورہ کی جانب کوچ کر جائے گی ۔ ٹکٹ لے کر نکلے تو راستہ میں وہی کشمیری بھائی پھر اتفاقاً مل گئے جن سے دو بار پہلے ملاقات ہو چکی تھی ، ان کو اپنے ساتھ لایا اور سارا اضافی سامان ان کے سپرد کر دیا اور ان سے یہ عرض کیا کہ شاید یہ سامان آپ کے کام کا نہ ہو لیکن کسی اور بھائی کے کام آسکتا ہے ۔ وہ خوشی خوشی دعائیں دینے لگے اور ہم سے بغل گیر ہو کر روانہ ہو گئے ۔ گرچہ یہ ایک حقیر سی خدمت تھی لیکن نہ جانے کیوں طبیعت کو سکون ملا ۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے ہیں ۔ موسم بہت خوشگوار ہے ۔ آج بادل بھی ہیں تھوڑی بہت بوندا باندی بھی ہو گئی ۔ بوندیں پڑتے ہی خشک و گرم زمین سے بھینی بھینی خوشبو نکلنے لگی جس سے دل کو بڑی فرحت نصیب ہوئی:

جو سوکھی زمیں پر ترشح ہوا
نکلتی ہے بو سوندھی سوندھی سی کیا

ہم ہوٹل سے پونے بارہ بجے روانہ ہوئے ۔ ہوٹل کا حمال ایک ٹھیلہ پر سامان لے کر چلا اور ہم اس کے ساتھ ساتھ ۔ یہ ذہن نشین رہے کہ اس سڑک پر کسی قسم کی مشینی گاڑی ممنوع ہے ۔ دس منٹ میں باب عبدالعزیز کے سامنے بس اسٹینڈ پر پہنچ گئے ۔ حمال نے ہمارا مختصر سامان گاڑی میں رکھا اور ہم پانچ منٹ بعد یعنی ٹھیک بارہ بجے روانہ ہوگئے ۔ حمال کو ہم نے دس ریال دیئے وہ خوش ہوگیا اور ہم بھی اس کی خدمت سے مسرور ۔ حمال نے بتا دیا تھا کہ یہ چھوٹی کوچ بڑے اڈہ تک لے جائے گی وہاں سے آپ کو دوسری بڑی کوچ میں بیٹھنا ہو گا ۔ اس نے ساتھ میں تاکیداً کہا تھا کہ آپ اپنا سامان اس کوچ سے خود نکال کر دوسری کوچ میں رکھ دیجئے گا ورنہ یہ سامان واپس یہیں آجائے گا کوچ والے آپ کے سامان کو ہاتھ نہیں لگائیں گے ۔ اچھا ہوا کہ اس نے ہمیں آگاہ کر دیا ورنہ شاید ہم یہ سمجھتے کہ سامان کی ذمہ داری اب ان حضرات پر ہے ۔ دس پندرہ منٹ بعد ہم دوسرے بڑے بس اڈہ پر پہنچ گئے ۔ خود سامان اتارا اور خود ہی دوسری بس میں رکھا ۔ دستِ خود دہانِ خود ۔ پھر ہم نئی اور بڑی بس میں بیٹھ گئے ۔ بس چلی لیکن پندرہ بیس منٹ بعد بے بس ہو گئی ۔ اس کا ایئرکنڈیشن سسٹم جواب دے گیا ۔ کچھ دیر بعد تیسری بس میں بیٹھے سامان پھر اتارنا اور رکھنا پڑا اس کام میں سب ہی برابر کے شریک تھے ۔ لہذا کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہوئی کہ وہاں کا یہی دستور ہے یعنی جس کا سامان ہے وہی اس کو سنبھالے ، مالِ عرب پیشِ عرب والی بات ہے ۔ ڈرائیور کا کام محض بس چلانا ہے بشرطیکہ بے بس نہ ہو جائے ۔ ہم ابھی تقریباً ایک گھنٹہ ہی چلے تھے کہ بس چلتے چلتے یکایک پھر رک گئی حالانکہ

یہ نئی اور مرسڈیز بس تھی ۔ معلوم ہوا (Overflow) ہو گئی ہے یعنی تیل زیادہ آگیا ہے ۔ اس وقت ہم اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اگر داہنی طرف دیکھیں تو جدہ ایئرپورٹ تھا اور بائیں جانب جدہ شہر ۔ ہم اس وقت بہرحال ایک لق و دق میدان میں تھے ۔ ڈرائیور نے بڑی کوشش کی اور بار بار کوشش کی لیکن بس ٹس سے مس نہ ہوئی یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا اس درمیان کئی بسیں گذریں لیکن سب مسافروں سے بھری ہوئی ۔ دورہ والی پولیس (Patrolling Police) کی ایک گاڑی آئی حالات معلوم کئے اور چلی گئی ۔ کافی دیر کے بعد ایک ایسی بس آئی جس میں ہم سب زائرین سما سکتے تھے غالباً اس کا انتظام گشتی پولیس ہی نے کیا تھا ۔ اب چونکہ شام ہو چلی تھی سب لوگ نکل کر باہر بیٹھ گئے ۔ ہم سب رب العزت سے دعاگو تھے کہ ہم منزل مقصود پر جلد پہنچیں ۔ ادھر ڈرائیور بس کے تہہ خانہ میں جا چھپا تھا تاکہ کوئی اسے تنگ نہ کرے اور وہ آرام بھی کر لے لیکن مغرب سے چند منٹ قبل وہ باہر نمودار ہوا اور نہایت شیریں آبدار رس سے لبریز خنک کھجوریں سب کی خدمت میں پیش کیں اس طرح اپنے غائب ہونے کا ثمر کھلایا کہتے ہیں "جس کی کھائے اس کی گائے" سب کی شکایتیں دور ہو گئیں ۔

روزہ افطار کا وقت ہوا تو پتہ چلا کچھ روزہ سے ہیں اور کچھ نے قصر کیا ہوا ہے کیونکہ سفر میں ہیں ۔ بہرحال کسی نے کسی پر اعتراض نہیں کیا ۔ مجھے جنرل ضیاء الحق کے دور کا ایک واقعہ یاد آیا جو پیش کئے دیتا ہوں ۔ میں کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا ہوٹل میں قیام تھا چونکہ سفر میں تھا ۔ روزہ از روئے

شریعت قصر کیا تھا ۔ ناشتے کے کمرہ میں پہنچا تو ایک اعلان نامہ (Declaration Form) سامنے رکھ دیا گیا ۔ عبارت کچھ ایسی تھی " میں اعلان کرتا ہوں کہ میں غیر مسلم ہوں / میں سفر میں ہوں " اس اعلان نامہ پر دستخط کے بعد ہی خورد و نوش کی اشیاء ملیں لااکراہ فی الدین یعنی دین میں جبر نہیں ہے ۔ دکھاوے کا اسلام اور ہے اصل اسلام اور ہے ۔ حیرانی ہے کہ فقۂ ملوکیت کی تدوین میں بڑے بڑے علما حکومت میں شامل ہیں لیکن فقہ اسلامی میں گنے چنے ہی نام لئے جا سکتے ہیں ۔ فقۂ اسلامی کے سرخیل امام جعفر صادقؑ ابن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ خاندان رسالت کے جگمگاتے ہوئے تارے ہیں ۔ ان کے علاوہ امام ابو حنیفہ جو بنو عباس کے جبر و تشدد کی نذر ہو گئے اور جیل میں اللہ کو پیارے ہوئے جان دے دی ملوکیت کا ساتھ نہیں دیا ۔ ان کے علاوہ امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ایسی ہستیاں گذری ہیں جنہوں نے آمریت اور سلطانی کے سامنے سر نہیں جھکایا ، سر پر تلوار لٹکتی رہی لیکن حق بات کہتے رہے ۔ کاش ایسے علما آج بھی ہوتے اور آپس میں دست و گریباں نہ ہوتے اور معمولی معمولی اختلافات پر کفر کا فتویٰ صادر نہ فرماتے ۔ آج فتاویٰ کی ارزانی نے ہی مسلمانوں کو ذلیل و خوار کیا ہوا ہے اور وہ آپس میں برسرپیکار ہیں لیکن افسوس صد افسوس اصل دشمن کو پہچان نہیں رہے ہیں ۔ کاش ہمارے علمائے کرام قرآن اور روح قرآن کو سمجھتے اور سمجھاتے اور سب مل کر کفر کے خلاف ایک سیسہ پلائی دیوار بن جاتے اور اصل دشمن کا مقابلہ کرتے ۔ ہمارا تعلق قرآن سے صرف اس قدر رہ گیا ہے کہ بقول علامہ اقبال

بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از لیسینٖ او آساں بمیری

جس کے پاس جو کچھ تھا لے کر سب فرشِ زمین پر بیٹھ گئے ۔ روزہ افطار ہوا لیکن قلتِ آب تھی ۔ میرے پاس "آبِ زم زم" کا ایک چھوٹا ڈرم تھا اور دوسرے اصحاب کے پاس بھی کچھ پانی تھا بہرحال سب نے مل جل کر روزہ افطار کیا اور دعا کرتے رہے ۔ اس بس میں ہم سفر مختلف قومیتوں کے لوگ تھے ، سب کی زبانیں مختلف ، سب کے رنگ مختلف لیکن اس وقت سب شیر وشکر ہوگئے تھے ۔ سب ایک دوسرے کی بات اشارہ کنایہ سے سمجھ رہے تھے عرب و عجم کالے گورے سب میں امتیاز ختم ہوگیا تھا ۔ تین بسوں کی بے بسی کے بعد چوتھی بس میں بیٹھے اور وہاں سے روانہ ہوئے ۔ اس چوتھی بس نے منزلِ مقصود تک پہنچایا گو چھ گھنٹے تاخیر سے ۔ اس دوران ایک ٹیکسی آئی لیکن اس میں کوئی نہیں گیا ۔ ایک بس بھی آئی اور رکی اس میں صرف چند مقامی لوگ جن کے پاس کوئی سامان نہ تھا چلے گئے اور ہم سب ریگستانی شام کے قدرتی مناظر سے محظوظ ہوتے رہے ۔ سورج کا ڈوبنا بھی کتنا حسین منظر پیش کرتا ہے ۔ گرمی کی تمازت ختم ہو چکی تھی ۔ ہم سب لوگ یاداللہ میں مشغول رہے ۔ لیکن کسی نے نمازِ مغرب نہیں پڑھی اور نہ اس کا ذکر آیا غالباً سب کی یہی خواہش رہی ہوگی کہ نمازِ مغرب و عشاء حرم شریف میں پڑھیں گے کہ اس کی فضیلت ہی کچھ اور ہے ۔ کافی دور ایک مسجد نظر آئی لیکن کسی نے وہاں جانے کی بابت نہیں سوچا ۔ دوسری سواری کسی وقت بھی آسکتی

تھی ۔ افطار کے کافی دیر بعد ایک بس آئی جس میں ہم سب سما گئے اور سفر کی مخصوص دعا پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے ۔ تقریباً دو گھنٹے چلنے کے بعد ایک سرراہ رستوران میں پڑاؤ ڈالا گیا جہاں سب نے اطمینان سے چائے پی، کچھ کھایا بھی ۔ موسم خوشگوار ہو چکا تھا بلکہ قدرے خنکی ہو چلی تھی لیکن منزل ابھی کافی دور تھی ۔ مستورات تو بس میں ہی براجمان رہیں مردوں نے ان کی خدمت میں چائے اور کچھ کھانے کی چیزیں پہنچائیں ۔ ہم لوگ اس رستوران میں تقریباً بیس منٹ قیام کے بعد بس میں اپنی جگہوں پر بیٹھے اور بس روانہ ہوئی یہ علاقہ جہاں ہم رکے تھے وادیِ ابیار کے نام سے موسوم ہے، ہوٹل والوں کا تعلق پاکستان کے علاقہ ملتان سے تھا، ایسا محسوس ہوا کہ ہم پاکستان میں موجود ہیں وہی ماحول وہی لباس اور سب سے بڑھ کر شیریں زبان اردو اور سرائیکی، سب کی خواہش کہ واجبات وہ ادا کرے لیکن بازی ایک ملتانی مسافر لے گیا اس طرح مہمان نوازی کی سعادت اسے نصیب ہوئی کیونکہ اس نے شروع ہی میں کاؤنٹر پر جا کر پیسے جمع کرا دیئے تھے ۔

مدینہ منورہ میں آمد

یہاں سے روانہ ہو کر گیارہ بجے کے بعد مدینہ منورہ کے بیرون شہر بس رکی اور ہم سب پیادہ ہو گئے ۔ پانچ چھ گھنٹے کا سفر بارہ گھنٹے میں طے ہوا اس کے باوجود سب شاداں و فرحاں تھے ۔

گر بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر وے از ہزار نتوانم داد

ہم جیسے ہی بس سے باہر آئے میاں علی عباس گلے ملے اور اظہار مسرت کیا۔ میں نے معذرت کی کہ بہت دیر ہو گئی لیکن وہ بہت خوش کہ خدمت کا موقع ملا۔ ہم چلنے لگے تو ان صاحب سے دریافت کیا جو جدہ سے ہمارے ساتھ آئے تھے جن کا تعلق پاکستان سے تھا لیکن کسی عرب ملک میں ملازم تھے اور وہیں سے تشریف لائے تھے کہ ان کی ہوٹل میں بکنگ ہے کہ نہیں۔ کہنے لگے ہے تو نہیں لیکن کہیں نہ کہیں سر چھپانے کی جگہ مل ہی جائے گی۔ علی عباس میاں نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلئے امید ہے کہ اسی ہوٹل میں جگہ مل جائے گی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جگہ مل جائے گی تو سبحان اللہ ورنہ ہمارے ہی کمرہ میں فی الحال آرام کیجئے گا اور بعد ازاں مناسب ہوٹل تلاش کر لیں گے، بچے ہمارے یہاں آرام کر لیں گے۔ چنانچہ وہ تیار ہو گئے علی عباس نے اپنی گاڑی وہیں چھوڑی اور دوسری بڑی گاڑی کرایہ پر لی کیونکہ وہ پانچ نفر تھے اور سامان بھی زیادہ تھا۔ ہم ہوٹل پہنچے سامان حمال نے ہوٹل پہنچایا۔ خوش قسمتی سے ایک کمرہ ان کو بھی اسی ہوٹل میں مل گیا وہ مطمئن ہوئے کہ جگہ مل گئی اور ہم کو طمانیت کہ ان کے کچھ کام آسکے۔ ہم نے ان کو اپنے سر پر جگہ دی یعنی ہم خود چھٹی منزل پر اور ان کو آٹھویں منزل پر پہنچایا۔ ہوٹل میں سب سے پہلے پاسپورٹ دفتر پذیرائی (Reception Office) میں جمع کرایا اور ہوٹل کا کارڈ جیب میں رکھا تاکہ اگر راستہ بھٹک جائیں تو یہ کارڈ کام آئے ہم قریب ہی کے ایک ریستوران سے کھانے کا سامان خرید رہے تھے کہ مینجر نے میاں علی عباس سے دریافت کیا "کیا علی اکبر رضوی صاحب آگئے؟" مجھے

اجنبی کے منہ سے اپنا نام سن کر حیرانی ہوئی لیکن خاموش رہا ۔ میاں علی عباس نے کہا " یہ آپ کے سامنے موجود ہیں ۔ " یہ سنتے ہی میں نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا ۔ انہوں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور فرمایا آپ کے بارے میں سید ظفر رضا صاحب کا فون آیا تھا آپ کو جناب علی عباس کے ہمراہ دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ ہی علی اکبر رضوی ہوں پھر گویا ہوئے کہ میں حاضر ہوں مجھے خدمت کا موقع ضرور دیجئے گا ۔ میں نے شکریہ ادا کیا ۔ کھانے کی اشیاء لیں اور اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑے جو چند منٹ کے فاصلہ پر تھا ۔ میں نے علی عباس سے کہا کہ دو عدد چٹائیوں کی جاء نماز بھی خرید لیں ۔ اس وقت قضا نمازیں ہوٹل ہی میں ادا کریں گے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ۔ ہم سب نے فرش پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور جی بھر کر کھایا، منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے ۔ مکہ میں گیارہ بجے ہوٹل چھوڑا تھا ۔ مدینہ منورہ میں ساڑھے گیارہ بجے شب ہوٹل پہنچے اس ضعیفی میں تقریباً بارہ گھنٹے کا سفر وہ بھی بھوکے پیاسے لیکن خدا شاہد ہے کہ مدینہ پہنچنے کی ایسی خوشی تھی گویا سب کچھ مل گیا:

ابتدا میں شوقِ منزل رہبری کرتا رہا
اب تو خود منزل ہماری رہنما ہونے لگی

تمام راستے میں نہ تو بھوک پیاس کا احساس ہوا اور نہ تھکن کا ۔ منزل پر پہنچے تو خداوندِ کریم کے فضل سے پوری طرح چاق و چوبند تھے ۔ میاں علی عباس روانہ ہوئے تو جاتے جاتے کہہ گئے کہ کل افطار سے پہلے حاضر خدمت ہوں گا

ان کے جانے کے بعد لباس تبدیل کیا، وضو کیا، پہلے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی ۔ پھر راستہ میں قضا ہو جانے والی نمازیں ادا کیں ۔ اللہ رب العزت کو شکرانہ کا سجدہ بہت عزیز ہے اور ساجد عزیز تر، سجدے کئے اور بستر پر لیٹتے ہی سوگئے ۔ سحر کے وقت فون کی گھنٹی بجی سحر کا اعلان ہوا ۔ سحری کھائی، نمازِ فجر ادا کی اور پھر بستر پر دراز ہو گئے ۔

آج ۲۴ فروری ۱۹۹۴ء بمطابق ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۴ ھ ہماری زندگی کا ایک ہنایت اہم دن ہے ۔ آج کی صبح ہمارے لئے خوش نصیبی اور برکت کی صبح ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم آج حرم مطہر میں حاضری دینے جا رہے ہیں ۔ میں بندۂ عاصی تو ۱۹۶۰ء میں حج کے سلسلہ میں اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ اس سعادت سے بحمداللہ مشرف ہو چکا ہوں لیکن سیری کبھی ہنیں ہوئی جی چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس بابرکت جگہ میں قیام ہو لیکن کیا کیا جائے یہاں کی آمدورفت اور قیام سبھی پر موجودہ حکومت کا قبضہ ہے ۔ میری اہلیہ پہلی بار شرفِ باریابی سے مشرف ہونے جارہی تھیں ظاہر ہے کہ ان کی دلی کیفیت ناقابلِ بیان ہے ۔ میں نے انہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ یہاں اظہارِ عقیدت کے ساتھ ساتھ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے ۔ ہم اللہ کے دربار یعنی خانہ کعبہ سے دربارِ حبیبِؐ کبریا میں حاضر ہو رہے ہیں ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا قیام پذیر رہی ہیں ۔ یہی وہ دیار ہے جہاں علی مرتضیٰؑ و بی بی فاطمہؑ کے بیٹوں جنابِ حسنینؑ کے لئے جنت سے جوڑے آئے تھے :

کبھی درزی کبھی روٹی کے سوالی بن کر
آسمان سے درِ زہراؑ پہ فرشتے اترے
ایک ستارہ بھی ہمیں یاد ہے اترا تھا مگر
پھر کسی در پہ نہ دیکھا کہ ستارے اترے

انہیں گلیوں میں خاتم النبیینؐ اپنے ان نواسوں کو جن کو اپنا فرزند گردانا اپنے کاندھوں پر بٹھا کر گھمایا کرتے تھے ۔ یہی وہ مقامِ پاک ہے جہاں ان دونوں فرزندوں اور ان کے والدین عالی مقام نے پے درپے تین دن روزے رکھے اور اپنا کھانا فقرا میں تقسیم کر دیا:

فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
(انیس)

یہ سب تاریخی حقائق ہیں ۔ لہذا یہاں عقیدت میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے ۔کیونکہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر رکھنا ہے اور ایک ایک لفظ کو تول تول کر بولنا ہے ۔ مانگنا اللہ تعالیٰ سے ہے وسیلہ ان مقدس ہستیوں کا ہے ۔ ہر دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود و سلام لازم ہے ۔ اس مختصر سے کلام و بیان کے ساتھ ہوٹل سے نکل کر بازار سے گذرتے ہوئے چند منٹ میں شارع ابی ذرِ غفاری پہنچ گئے ۔ شارع ابی ذرِ غفاری عبور کیا تو اس طویل و عریض پختہ

چبوترے تک پہنچے جو توسیع شدہ مسجدِ نبویؐ تک پھیلا ہوا ہے۔ مسجد نبویؐ کے شمالی حصے میں بابِ عمرؓ، باب عبدالمجید اور باب عثمانؓ واقع ہیں۔ ہم آہستہ آہستہ اس طرف بڑھتے رہے اور ان ابواب کی قربت نصیب ہوئی۔ اہلیہ مستورات کے مخصوص باب سے اور میں خود ساتھ والے باب سے دعائے اذنِ دخول پڑھتا ہوا داخلِ مسجد نبویؐ ہوا۔ اہلیہ سے طے پایا تھا کہ وہ باب النساء اور باب البقیع سے ملحق کھلے صحن میں گیارہ بجے آکر ہمارا انتظار کریں کیونکہ مستورات کو صرف گیارہ بجے تک اندر رہنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ میں گیارہ بجے کے کچھ بعد ہی حرم مطہر میں درود و سلام پڑھتا ہوا باب البقیع سے باہر آیا اور اہلیہ کا انتظار کرنے لگا وہ دیر تک نظر نہ آئیں تو میں باب النساء اور بابِ جبرئیل کے سامنے دور تک دو چکر لگا آیا اور ایک بار مقامِ جبرئیل تک ہو آیا لیکن اہلیہ نظر نہیں آئیں تو میں قدرے پریشان ہوا اتنے میں ایک باریش بزرگ نظر آئے اور فرمایا آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں میں نے عرض کیا کہ اہلیہ کو یہاں پروگرام کے مطابق ہونا چاہیئے تھا لیکن وہ نظر نہیں آرہی ہیں چونکہ وہ پہلی بار یہاں آئی ہیں لہذا کچھ تشویش ضرور ہے۔ بزرگ نے دلاسہ دیا اور فرمایا کہ اس دربار میں کسی کو پریشانی نہیں ہوتی یہ وہ مقام ہے جہاں پریشانیاں دور ہوتی ہیں آپ حلالِ مشکلات کے دربار میں ہیں وہ آپ کو جلد مل جائیں گی۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ نظروں سے اوجھل ہو گئے اب میں نے پلٹ کر باب النساء کی جانب نظر دوڑائی تو دیکھا کہ اہلیہ خراماں خراماں میرے پاس چلی آرہی ہیں۔ میں نے شکرِ خدا ادا کیا۔ اور پھر ان بزرگ کی طرف نظر دوڑائی تو وہ حدِ نظر تک دکھائی نہیں دیئے۔ یہ ساری

بات چند ثانیہ کی ہے ان بزرگ کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں وہ باریش بزرگ (کافوری ریش) احرام میں تھے یا مجھے ایسا لگا ۔ انہوں نے نہایت شستہ اردو میں گفتگو کی ان کا یہ فرمانا " یہاں کسی کو پریشانی نہیں ہوتی " میرے ذہن میں بیٹھ گیا ۔ سچ ہے کہ یہ تو باب الحوائج ہے محل رحمت و برکت اور شفاعت ہے یہاں کیوں کسی کو پریشانی ہونے لگی ۔ کاش ان بزرگ سے کچھ دیر اور بات چیت ہو جاتی ۔ اہلیہ قریب آئیں اور کہنے لگیں کون صاحب تھے جن سے باتیں ہو رہی تھیں ۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کوئی " فرشتہ " تھے ۔ آپ کا پتہ بتا رہے تھے ۔ میں نے دریافت کیا کہ کیوں دیر کر دی ۔ فرمایا کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا ۔ میں اس دربار میں جا کر کھو گئی دستِ دعا اٹھے ہوئے تھے ، ہونٹ کپکپا رہے تھے مجھ پر سکتہ کا عالم تھا ۔ مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب میں نے دیکھا کہ تمام عورتیں باہر جا رہی ہیں تو میں بھی آگئی گھڑی دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی ۔ پھر فرمانے لگیں اندر کی باتیں تو بعد میں ہوں گی بتائیے اب کیا پروگرام ہے ۔ میں نے کہا چلئے باہر ہی سے سہی جنت البقیع کی زیارت کر لیں ، خواتین تو اندر جا نہیں سکتیں ۔ میں کل بعدِ نمازِ فجر اندر جا کر اجداد کی قبروں پر فاتحہ پڑھ لوں گا لیکن کھڑے کھڑے کیوں کہ وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی کسی قبر کو ہاتھ لگا سکتے ہیں ، یہ یہاں کا قانون ہے اور قانون کی پاسداری ہمارا فرض ہے ۔ کہنے لگیں ایران میں تو قبروں پر ہاتھ رکھ کر سورۂ فاتحہ اور اخلاص پڑھتے تھے کوئی روک ٹوک نہیں تھی ۔ میں نے کہا کہ یہ ایران نہیں عرب ہے یہ فرق اختلافِ عقیدہ کی وجہ سے ہے ۔ یہ باتیں کرتے ہوئے ہم جنت البقیع کی جانب قدم بڑھاتے

رہے اور چند منٹ میں ان زینوں تک پہنچ گئے جنہیں چڑھ کر اس وسیع پلیٹ فارم (پختہ چبوترہ) پر پہنچنا تھا جہاں سے صرف قبور کے ڈھیر دیکھ سکتے تھے۔ قبروں کے تعویذ مٹا دیئے گئے ہیں اور تمام گنبد منہدم کر دیئے گئے ہیں، یہ سب کچھ ۱۹۲۵ء اور اس کے بعد کے سالوں میں ہوا اور یہ ساری کاروائیاں آلِ سعود حکومت کے دور میں ہوئیں۔ ۱۹۲۵ء سے قبل یہاں قبروں پر گنبد اور مینار و برج تھے جہاں اکنافِ عالم سے زائرین آتے اور عقیدت کا اظہار کرتے یہ مدینہ منورہ کا سب سے قدیم اور بڑا قبرستان ہے جہاں بہت سے آلِ رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ مدفون ہیں، سب کا ذکر تو اس سفرنامہ میں کرنا ممکن نہیں کیونکہ فہرست بہت طولانی ہو جائے گی لیکن کچھ کا ذکر لازمی ہے۔ ہم زینہ چڑھ کر جیسے ہی اوپر پختہ چبوترہ پر پہنچے ہمارے راہبر نے بتلایا یہاں آلِ رسولؐ مدفون ہیں اور سب کے نام گنوائے کچھ آپ بھی سن لیجئے:۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ۔ حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام علی زین العابدینؑ۔ حضرت امام محمد باقرؑ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ۔ ان کے علاوہ تھوڑے فاصلہ پر جناب عقیل۔ جناب جعفر طیار۔ حضرت ابراہیمؑ (فرزندِ رسولِ مقبول)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں۔ اس سے ذرا آگے ازواجِ مطہرات حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت صفیہ وغیرہم بی بی ام سلمہ اور بی بی ام حبیبہ کی قبریں شام دمشق میں ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ "سفرِ شام" میں دی جائے گی۔ ان قبروں کے صرف نشان باقی ہیں، روضے، محرابِ گنبد، برج وغیرہ سب مسمار کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ سوئم بھی یہیں مدفون ہیں لیکن ان کی قبر کافی فاصلہ پر

قبرستان کے دوسرے کنارہ پر تھی۔ چونکہ اب قبرستان میں کافی وسعت ہو گئی ہے قبر حضرت عثمانؓ بھی اسی قبرستان کا حصہ ہے بلکہ قبرستان اب تو بہت آگے تک چلا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کے چچا جناب عباسؓ، عبداللہ ابن مسعود اور بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم محو خواب ہیں امام مالک کا بھی مدفن یہیں ہے، کن کن کا ذکر کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے ان سب کے مقابر پر قبہ، تعویذ، لوح مزار۔ نشان قبر سب ہی کچھ تھا لیکن اب سارے مزار بے نشاں ہو گئے ہیں۔ یہ سب آلِ سعود کی حکومت نے ۱۹۲۵ء کے بعد کیا۔ قبروں کا پتہ یوں چلتا ہے کہ ہر سال تمام عالمِ اسلام سے لاکھوں مسلمان حج، عمرہ اور زیارت کے لئے جاتے ہیں تو جنت البقیع میں بھی فاتحہ اور عقیدت کے پھول نچھاور کرنے جاتے ہیں اور وہاں والے قبروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ترکوں کے دورِ حکمرانی میں گنبد بھی تھے لوحِ مزار بھی اور تعویذ بھی۔ انہدام سے قبل کی مختلف تصاویر شامل کتاب ہیں ان تصاویر کی زیارت سے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ جنت البقیع کیا تھی اور کیا ہو گئی:

دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

ہم کافی دیر وہاں کھڑے رہے، درود و سلام پڑھتے رہے اور آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ دل گرفتہ اور پرنم آنکھوں کے ساتھ لوٹے۔ مولانا سعدی کا حسبِ ذیل شعر جنت البقیع کی مدفون ہستیوں پر صادق آتا ہے:

پس از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزار ماست

جنت البقیع اور مسجدِ نبوی کے درمیان کھلے صحن میں بے شمار کبوتر ہوتے ہیں ان کو دانا دنکا کھلانا عام رواج ہے ہم بھی اس کارِ خیر میں شریک ہوئے اور پھر ہوٹل کی جانب رواں دواں ہوگئے اس وقت مرزا غالب کا یہ شعر زبان پر تھا:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

اور چند منٹ میں اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے ۔ یہاں تک تو میں نے باہر کے حالات اور اپنی کیفیات جو میرے دل پر گذریں رقم کیں جہاں تک میرے ذہن اور قلم نے ساتھ دیا ۔ اب میں کوشش کروں گا کہ حرمِ مطہر کی اندرونی کیفیات بیان کروں ۔ میں دربارِ حبیبِ کبریا میں داخل ہو رہا تھا دعاء دخول دل ہی دل میں پڑھی ، بابِ دخول کے پٹ کو ہاتھ لگایا اور اپنا ہاتھ چوم لیا دل و دماغ کی تمام توانائیوں کے ساتھ در کو چومنا چاہتا تھا لیکن شرطے (سپاہی) کے ڈر سے ایسا نہ کر سکا کیونکہ ایسا کرنا یہاں قطعاً ممنوع ہے ۔ اندر داخل ہوا آہستہ آہستہ چلنے لگا ، عالم کچھ ایسا کہ :

اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

میں قدم تو برابر بڑھاتا رہا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے میں جہاں سے چلا تھا وہیں کھڑا

ہوں ۔ کچھ دیر بعد میں نے ایک صاحب سے پوچھ لیا بغیر ان کی طرف دیکھے ہوئے " روضہ مبارک " کدھر ہے ؟ جواب ملا چلتے رہیئے دو ہال اور طے کریں ، بائیں جانب مڑ جائیں تو اپنی منزلِ مقصود پر ہوں گے ۔ میں چلتا رہا اور چلتا رہا ۔ یہ تھوڑا فاصلہ بہت زیادہ لگنے لگا پھر سامنے محراب و منبر نظر آیا ، آنکھیں پرنم ہو گئیں ، نئی محراب و منبر ، پرانی محراب سامنے ہے اور بندۂ عاصی جنتِ ارضی کے ٹکڑے میں حاضر ۔ اپنے آپ پر رشک آنے لگا ۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ جلد ہی پرانی محراب میں مصلیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ، اس وقت مجمع نسبتاً کم تھا لیکن سب باری باری صف میں لگ کر دو رکعت نماز ادا کرتے اور پیچھے ہٹ جاتے تاکہ دوسروں کو بھی یہ سعادت حاصل ہو ۔ پھر جنتِ ارضی کے اس حصہ میں ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر تک نوافل اور قضائے عمری ادا کرتا رہا بعد ازاں دعا اور مناجات میں مشغول ہو گیا جامی کی مشہور نعت تو

نسیما جانب بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن

میں مزار امام علی رضاؑ مشہدِ مقدس پر پڑھتا رہا تھا ۔ خداوندِ کریم کا کرم ہے کہ میری دعا قبول ہوئی اور میری تمنائیں بر آئیں کہ مجھے درِ حبیبؐ پر حاضری نصیب ہوئی :

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

جس وقت میں حرم میں داخل ہوا تھا بے خودی کا سا عالم تھا آہستہ آہستہ دل و دماغ میں ٹھہراؤ آنے لگا اور مجھے یہ احساس ہوا کہ میں کہاں ہوں تو مولانا حالی کی حسبِ ذیل نعت زباں پر جاری ہو گئی:

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا ملجیٰ ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدا کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

وہی دوست ہے خالق دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اس دوران میں اسی جنتِ ارضی کے ٹکڑے میں حاضر رہا، حسنِ اتفاق کہیئے یا میری خوش بختی کہ آج مجمع کچھ کم تھا غالباً زائرین زیادہ تر نمازِ ظہر کی تیاری کے لئے اپنی اپنی رہائش گاہ چلے گئے تھے تاکہ نمازِ ظہر کے وقت دوبارہ یہاں حاضر ہوں ، اسی لئے مجھے دوبارہ پرانی محراب مصلیٰ رسولِ اکرمؐ کے قرب میں دو رکعت نماز ادا کرنے کا شرف پھر نصیب ہوا اور اس کے بعد نئی محراب میں اور بعد ازاں میں مواجہ شریف کی طرف متوجہ ہوا ۔ مرقدِ مقدس رسولِ پاکؐ کے سامنے جس کی پہچان بڑا مدور سوراخ ہے کھڑا ہو کر درود و سلام میں محو ہو گیا ۔ پھر یکایک ایسا لگا کہ مجھے جیسے کسی نے دھکا دے دیا ہو، میں ہوشیار ہو گیا میری نظر گھڑی پر پڑی اور خیال آیا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے جائے مقررہ پر گیارہ بجے ملنے کو طے کر رکھا تھا ۔ لہذا آہستہ آہستہ بابِ بقیع کی طرف بڑھنے لگا ۔ رسولِ مقبولؐ کے مرقد کے سامنے والی جالی میں نسبتاً بڑا سوراخ ہے وہاں کھڑا تھا، آگے بڑھا تو نسبتاً دو چھوٹے چھوٹے سوراخ نظر آئے یہ دونوں سوراخ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبروں کی نشان دہی کرتے ہیں ستم ظریفی یہ ہے کہ شرطے حجرے کے اندر جھانکنے یا درِ حبیبؐ کی جالی کو چومنے اور ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتے ، چار و ناچار

یہاں سے گزرتا ہوا باب بقیع سے باہر آگیا - باہر بہت وسیع و عریض پختہ میدان ہے جس کے آگے جنت البقیع شروع ہوتی ہے - زینہ چڑھتے ہوئے ہم دونوں اس مقام کے سامنے تک پہنچ گئے جہاں اہل بیتِ رسولؐ کے مزار ہیں - آنسو جاری تھے ، سسکیاں بندھ چکی تھیں اور زبان گنگ تھی اور ہونٹ کپکپا رہے تھے - میں اسی حال میں محو تھا کہ کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا - میں چونک پڑا - دیکھا تو اہلیہ ہیں ان کا بھی مجھ جیسا ہی حال تھا - بات کہنے کی نہ تھی ، میں سمجھ گیا اور ان کے ساتھ آہستہ آہستہ زینے طے کئے اور شارع ابی ذر غفاری پر ہولئے اور چند منٹ میں اپنے ہوٹل پہنچ گئے - اس طرح آج پہلی حاضری پر بے حد سکون نصیب ہوا اللہ سب کو یہ دن دکھائے -

وطن واپسی پر جب میں یہ سفرنامہ لکھنے بیٹھا تو تاریخی واقعات کے لئے کتابوں اور ذاتی ڈائریوں کی جستجو ہوئی - چنانچہ میں نے اپنے ذاتی کتب خانہ کو کھنگالنا شروع کیا - اسی تلاش کے دوران مجھے ۱۹۶۰ء کے حج کی لکھی ہوئی یادداشت (ڈائری) مل گئی - اس یادداشت کے چیدہ چیدہ واقعات اس کتاب کے آخر میں بطورِ ضمیمہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا ان شاءاللہ لیکن ایک واقعہ یہاں لکھنا ضروری سمجھتا ہوں - ۱۹۶۰ء میں حج کے دوران خدا جانے کتنی دعائیں اپنے لئے ، عزیز و اقارب کے لئے ، دوست احباب کے لئے رب العالمین کے حضور اس کے گھر میں بیٹھ کر مانگی ہوں گی لیکن دعائیں ضبط تحریر میں نہیں ہیں - ایک خواہش اس میری یادداشت (ڈائری) میں لکھی ہوئی ملی جی چاہتا ہے کہ آپ کے علم میں لے آؤں کہ وہ خواہش کیا تھی: " یا الہ العالمین مجھے ایک بار پھر اپنی بارگاہ میں حج

سے قبل یا بعدِ حج اہلیہ کے ساتھ بلالے تاکہ میں یکسوئی سے تیرے اس گھر کا طواف کر سکوں جو تیرے نام سے منسوب ہے ۔" خداوندِ عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری اس خواہش کو شرفِ قبولیت عطا ہوا اور میں ۱۹۹۴ء میں ماہِ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ تقریباً چونتیس سال بعد بغرض عمرہ دیارِ حرم میں اہلیہ کے ساتھ حاضر ہوا ۔ میں اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے ، کہ یہ اسی کے کرم کا نتیجہ ہے گرچہ یہ درست ہے کہ فخر کرنا اچھی بات ہنیں انسان کو منکسر المزاج ہونا چاہیئے لیکن انسان کی زندگی میں کچھ ایسے موڑ آتے ہیں جن پر وہ فخر کر سکتا ہے یہ ایک ایسا ہی موقع ہے ۔

اکسیر خاک کو ترے پرتو نے کر دیا
ورنہ میں جانتا ہوں جو تھی آبرو مری

میری ۱۹۶۰ء کی دعا اتنے عرصہ بعد قبول ہوئی اور یہ بندۂ عاصی سعادتِ عمرہ سے ماہِ رمضان میں سرفراز ہوا ، اللہ تعالیٰ نے ہی یہ سعادت بخشی ہے اور وہی اس کو قبول فرمائے ۔ آمین یارب العالمین ۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ چکے ہیں اور مدینہ کی گلیوں میں میرے اس سفر مبارک کا آج دوسرا دن ہے لہذا اب مناسب ہو گا کہ مدینہ منورہ کی مختصر تاریخ قارئین کے نذر کی جائے تاکہ آگے آنے والے واقعات میں دلچسپی برقرار رہے ۔

اب سے تقریباً تیرہ سو بہتر (۱۳۷۲) سال قبل (بحساب شمسی میلادی) نبیء اکرمؐ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۱۲ ربیع الاول بروز

دوشنبہ مطابق ۲۴/ ستمبر ۶۲۲ء مدینہ منورہ پہنچے (اسوقت اس شہر کا نام یثرب تھا) تو اہالیانِ مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی بچوں اور بچیوں نے دف بجا کر آپؐ کو خوش آمدید کہا ۔ اس جگہ کا نام جہاں آنحضورؐ نے چوبیس روز بعض روایتوں کے مطابق چار روز قیام فرمایا "قبا" ہے آپؐ نے یہاں مسجد کی بنیاد رکھی ۔ اسی واقعۂ ہجرت کے ساتھ سالِ ہجری کی ابتدا ہوئی اور یہی اسلامی کیلنڈر کہلایا ۔ اس مسجد کی تعمیر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حصہ لیا یہ فرشِ زمین پر پہلی مسجد ہے ۔ ابھی آپؐ کا قیام قبا میں ہی تھا کہ حضرت علیؑ مع اہلِ خاندان آملے جن کو آپؐ اپنا نمائندہ بنا کر اپنے بستر پر سونے کا حکم دے آئے تھے ۔ اس حکم کے پس منظر میں کیا کچھ پوشیدہ تھا خدا بہتر جانتا ہے یا اس کا حبیبؐ، ظاہری طور پر جو بات ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ حضرت علیؑ اہلِ مکہ کی وہ امانتیں واپس کر دیں جو آنحضرتؐ کے پاس بطورِ امانت رکھی ہوئی تھیں کیونکہ آنحضرتؐ کو اہلِ مکہ جو ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی امین مانتے تھے اور صادق بھی گو آپؐ کے لائے ہوئے دین کے منکر تھے ۔ حضرت علیؑ بستر پر سوتے رہے مشرکین سمجھتے رہے کہ رسولِ مقبولؐ استراحت فرما رہے ہیں لیکن آپؐ ان کے بیچ سے نکل کر سفر ہجرت پر روانہ ہوگئے اور ان کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی گویا بہرے اور اندھے ہوگئے تھے ۔ اہالیانِ مکہ حضرت علیؑ اور دیگر اہلِ خاندان کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے لیکن نہ ان کو ٹوکا اور نہ روکا ۔ یہ بات غور طلب ہے کہ ابھی تک تو آپؐ کے پاس ذوالفقار حیدری بھی نہ تھی اور نہ اب تک معرکہ آرائی ہوئی تھی ۔ کیا آن تھی اور کیا شان ، بڑے بڑوں کے پتے پانی ہوگئے ۔ ابو لہب بھی تھا،

ابو جہل بھی اور ابو سفیان بھی، کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ سامنے آتا اور کہتا "تم رسولؐ کے بھائی ہو اور فاطمہؑ رسولِ مقبولؐ کی دختر، ہم کسی کو جانے نہ دیں گے۔" خدا شاہد ہے اور تاریخ خاموش کہ کسی میں یہ جرآت نہ ہوئی کہ سامنے آکر مقابل ہوتا۔ حیدر کرار حضرت علیؑ خاندان کے بچے کھچے افراد کے ساتھ علی الاعلان روانہ ہوئے اور سب دیکھتے رہے اور چند روز بعد قبا میں آنحضرتؐ سے آن ملے۔ یہ تاریخ انسانی کا عجیب و غریب واقعہ ہے اور نہایت ہی فکر انگیز بھی۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے سفر کے مزید حالات بتائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے تاریخی، جغرافیائی اور ثقافتی حالات کا مختصر جائزہ لے لیا جائے تاکہ آپ کو سفرنامہ پڑھتے ہوئے زیادہ لطف آئے اور آپ محظوظ ہو سکیں۔

تاریخِ مدینہ

جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا مقدس شہر، مکہ مکرمہ سے تقریباً تین سو میل اور جدہ سے تقریباً دو سو پینتالیس میل پر واقع ہے اس کا قدیم نام یثرب تھا تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر کو یثرب نامی شخص نے آباد کیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے تھے اور اسی مناسبت سے یہ شہر یثرب کہلایا۔

اسی بات سے اس شہر کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ شہر اسی زمانہ سے آباد چلا آرہا ہے کیونکہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب تھا اور کھجوروں کے باغات بھی کثرت سے تھے۔ یہاں سینکڑوں قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ مدینہ کی کھجوروں کا کیا کہنا رس سے بھری ہوئی فارسی میں خرمائے آبدار کہتے ہیں خصوصاً عجوہ نامی کھجور اپنی افادیت کی وجہ سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔

یثرب سے مدینہ

رسولِ اکرمؐ نے ہجرت کے بعد اس شہر کا نام بدل کر طیبہ اور طابہ رکھ دیا، آگے چل کر یہ شہر مدینہ منورہ، مدینۃ النبی، اور مدینۃ الرسول کہلانے لگا لیکن مدینہ منورہ زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اس شہر کے شمال میں جبلِ احد اور جنوب میں جبلِ عیر ہیں دونوں شہر سے چار میل کے فاصلہ پر ہیں لیکن اب شہر کا حصہ بنتے جا رہے ہیں کیونکہ آبادی کثرت سے بڑھ رہی ہے۔ یہاں پانی کی وافر مقدار ملتی ہے، طوفانِ نوح کے بعد سے پھر آباد ہوا اور آباد چلا آرہا ہے، اب بھی تقریباً پچیس چشمے پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں کافی تعداد میں کنویں بھی ہیں جن کو عربی میں ابیار کہتے ہیں جن کا ذکر آگے ہو گا شہر کے ارد گرد کئی وادیاں ہیں جن میں وادی " العقیق " اور وادی " رانو ناء " قابلِ ذکر ہیں۔ مدینہ منورہ کا پانی ہلکا، سرد اور شیریں ہے اور یہاں کے باشندے اہلِ مکہ کے بر عکس حلیم، خلیق اور شیریں گفتار ہیں۔ جگہ نہایت پرسکوں ہے:

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

مگر اس شعر کا اطلاق اس شہر پر نہیں ہوتا ۔ یہ امن و سکون کا شہر ہے یہاں کا باسی دکھ درد میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتا ہے ، امن کا گہوارہ اسی شہر کو کہتے ہیں ۔ مدینہ ہمیشہ سے ایک زراعتی خطہ رہا ہے ، پانی بھی موجود ہے اور زمین بھی زرخیز ۔ کھجور ، انگور ، اور نارنگی پھلوں میں اور اناج میں گندم ، جو اور جوار پیدا ہوتے ہیں ۔ مختلف قسم کی سبزیاں اور رنگ برنگے پھول بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مدینہ کو پھولوں کا شہر یا حجاز کا امسٹرڈم کہا جا سکتا ہے ۔ موسم گرما میں خاصی گرمی پڑتی ہے لیکن مکہ والی کیفیت نہیں ہوتی ۔ سردی بھی خاصی پڑتی ہے ۔ گرمی اور سردی چونکہ قابل برداشت ہے اس لئے آب و ہوا کو معتدل کہا جا سکتا ہے ۔ مکانات زیادہ تر پتھر کے ہوتے ہیں اور کئی کئی منزلہ ۔ گلیاں اور بازار تنگ ہیں لیکن اب نئی عمارتیں کئی کئی منزلہ بنتی جارہی ہیں ۔ یہاں کے باشندے حج اور رمضان المبارک کے منتظر رہتے ہیں کیونکہ یہی مواقع ان کے کاروبار کے ہوتے ہیں ، ان ایام میں یہاں ہر شے بہ آسانی مل جاتی ہے مول تول بھی ہوتا ہے ، جوں جوں حج کے ایام قریب آتے ہیں چیزیں گراں ہوتی جاتی ہیں یہی حال رمضان المبارک میں بھی ہوتا ہے ۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ شہر طوفان نوح کے بعد سے دوبارہ آباد چلا آ رہا ہے ان کی تہذیب اور تمدن نے بھی نئے نئے رنگ دیکھے

ہیں۔ حضرت نوح کی اولاد جو یہاں آباد ہوئی عمالقہ اور عمالیق کہلائی ۔ زمانہ عمالیق کے تہذیب و تمدن کے بارے میں تو تاریخ خاموش ہے لیکن بعد کے زمانوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقوش، مجسمہ سازی یا بت بنانا اور ان کو نقش و نگار سے آراستہ کرنا اور مکانوں میں کھدائی کر کے نئے نئے نقوش سے آراستہ کرنا وقت کی ثقافت تھی ۔ ان ہی اشیاء کو بطور تحفہ تحائف پیش کرنا عام رواج تھا ۔ یہ ثقافت جزیرہ نما عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ یہ ثقافت، یونان، فارس اور روم تک پہنچ چکی تھی علاوہ ازیں علم وادب اور شعر و شاعری میں بھی خاصی شہرت حاصل کر لی تھی ۔ اہلِ عرب نے غیر عرب کو عجم (گونگا) کہنا شروع کر دیا تھا ۔ آنحضرتؐ کی آمد سے قبل لوگ اپنے اپنے قبیلہ میں الگ الگ محلوں میں رہتے تھے ۔ لڑنا جھگڑنا، لوٹ مار اور غارت گری عام تھی انتہا یہ تھی کہ ان افعالِ قبیحہ پر فخر کرتے تھے ۔

ابتدا میں یہ لوگ اللہ رب العزت کے قائل تھے بعد میں جب بابل سے لوگ آکر یہاں آباد ہوئے تو غیر اللہ یعنی بتوں کی پرستش کرنے لگے کچھ دنوں بعد چاند اور سورج کو پوجنے لگے ۔ یہاں پر جب اوس اور خزرج قبیلہ کے لوگ آباد ہوئے تو اپنے قبیلہ کے ایک بزرگ کا بہت بڑا بت بنا کر اس کا نام منات رکھا ۔ اس طرح یہاں بت پرستی عام ہوئی اور روز بہ روز بڑھتی رہی لیکن اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو آخری نبی کی آمد کے منتظر تھے زمانہ جاہلیت کے آخری دنوں میں کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ آخری نبی جن کا ذکر توراۃ اور انجیل میں ہے یہی ہیں ۔ ان لوگوں

نے دین حنیف یعنی اسلام قبول کر لیا ۔ اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں نے مدینہ والوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا ۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں ابو عامر قبیلہ اوس سے اور ابو قیس قبیلہ خزرج سے ہجرت سے قبل اسلام لائے اور تبلیغِ دینِ اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ اہل مدینہ میں جب مسلمانوں کی تعداد کچھ اور بڑھی تو ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی ۔ آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے جس کا ذکر کچھ پہلے ہو چکا ہے ۔

ہجرتِ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہی یہودی یثرب (مدینہ) پہنچ چکے تھے اور یہاں کی معیشت پر پورا پورا قبضہ کر لیا تھا، ساتھ ہی ساتھ اوس اور خزرج کے قبائل میں جنگ و جدال کرایا کرتے تھے اور اپنا مطلب نکالتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پہنچ کر ان دو قبائل میں پرانی جنگ و جدال ختم کرائی اور بھائی چارہ پیدا کیا ۔ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے آنے والے مہاجرین اور یثرب (مدینہ) کے رہنے والے انصار کے درمیان دین کی بنیاد پر اخوت و مودت کا ایسا رشتہ قائم کرا دیا کہ اس کے سامنے خون کے رشتہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ۔ عربی عجمی ، کالے گورے ، اعلیٰ و ادنیٰ گویا ہر طرح کے تفرقے ختم ہو گئے اور سب طبقے دینی بھائی چارہ میں تسبیح کے دانوں کی طرح منسلک ہو گئے ۔ انصار نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور گلے لگایا اور اپنے مکانوں اور جائدادوں میں بھی مہاجرین کو حصہ دار ٹھہرایا انتہا یہ ہے کہ جن انصار کے ایک سے زائد بیویاں تھیں ان میں سے بہتوں نے کسی ایک کو طلاق

خوش اسلوبی سے دے دی تا کہ اس کا کسی مہاجر سے عقد ہو سکے۔ ایسی اخوت کی مثالیں دنیا میں مشکل سے ملیں گی۔

اس طرح دین اسلام کی عمارت مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوئی اور بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی لیکن افسوس صد افسوس خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام میں ملوکیت اور سلطانی در آئی۔ ستم بالائے ستم اسی کو خلافت کا نام دیا گیا، پورا دور بنی امیہ اور عباس اسی میں گذرا۔ آج تمام عالمِ اسلام کے مسلمان پریشان اور بکھرے ہوئے ہیں، آج وہی دین نفرتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے جس میں کبھی مثالی بھائی چارگی تھی۔ اے کاش سارے مسلمان ایک بار پھر تسبیح کے دانوں کی طرح یکجا ہو جائیں تا کہ ایک امت کی طرح عزت و توقیر کی زندگی گذار سکیں۔ مدینہ منورہ کے بارے میں علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آتے ہیں:

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو
نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

تعمیرِ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرما کر چند روز "قبا" میں قیام فرمایا تھا۔ کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے وہاں چوبیس دن قیام فرمایا اور کچھ روایتوں سے صرف چار دن قیام کا پتہ چلتا ہے اسی دوران دنیا کی پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ (یثرب) میں داخل ہوئے۔ اہالیانِ مدینہ پر وجد کا عالم طاری تھا اور ہر فرد کی یہی خواہش تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف اسے حاصل ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کے مہمان ہوں! بہنایت نازک مسئلہ تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "میری اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ وہ خود منزلِ مقصود پر پہنچ کر دم لے گی۔" بالآخر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو یہ شرف حاصل ہوا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے دینی، دنیوی اور اخروی مسائل کی دیکھ بھال کے لئے ایک مرکز قائم کیا اور یہ مرکز تھا مسجدِ نبوی، گویا مدینہ کی پہلی مسجد اور درس گاہ۔ اس مسجد کی تعمیر میں آپ

نے خود حصہ لیا اور سب کے ساتھ مل کر اس مسجد کی تعمیر کی ۔ اسطرح مسجدِ نبوی کو اسلامی معاشرہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہوئی ۔ مسجد محض پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ معاشرہ کی اجتماعی فلاح و بہبود کا مرکز بھی ہے ۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مسجد کو سیاسی نظام کا مرکز بھی قرار دیا تھا ۔ سرکاری فرمان بھی مسجد سے جاری ہوتے تھے ، عدالتی فیصلے بھی یہیں سے فرماتے تھے، قومی امور کے فیصلے بھی یہیں ہوا کرتے تھے یہاں تک کہ بیرونی ممالک کے وفود بھی حضورؐ سے یہیں ملاقات کرتے تھے ، دعوتِ تبلیغ کا مرکز بھی یہی مسجد تھی ۔ بہ الفاظ دیگر مسجدِ نبوی اسلام کی سب سے پہلی دانش گاہ (یونیورسٹی) اور حکومتی مرکز قرار پائی ۔ اس دانش گاہ سے دنیا بھر میں ہدایت پھیلی اور لوگوں کو راہنمائی ملی اور راہِ مستقیم کا پتہ بھی چلا ۔ ابتدا میں یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی ، جس میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا جس کی تفصیل بعد کے صفحات میں قارئین کو ملے گی۔ کھجور کے تنوں کے ستون ، مٹی کی دیوار، کچا فرش اور کھجور کے پتوں کی چھت اور بیٹھنے اور نماز کے لئے چٹائیاں ، بظاہر یہی کل کائنات تھی اس مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لیکن بباطن انسانی معراج کا مرکز تھی اور جو " مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " کے نام سے آج بھی تمام اکنافِ عالم سے آنے والے زائرین کی نگاہ کی ٹھنڈک بنی ہوئی ہے ۔ اس شہر یعنی مدینۃ النبی کے فضائل کے کیا کہنے ، کس کے قلم میں زور ہے اور کس کی زبان میں قوتِ گویائی کہ اس کے فضائل بیان کر سکے لیکن جہاں تک میرا ذہن کام کرے گا اور قلم میرا ساتھ دے گا کچھ نہ کچھ فضائل بیان کرنے کی

کوشش کروں گا۔

فضائلِ مسجدِ نبویؐ

دنیائے اسلام میں نہایت برگزیدہ مقامات خانہ کعبہ مکہ میں اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں ہیں ۔ مقاماتِ مقدسہ اور بھی ہیں لیکن یہ دو مقامات سب سے جدا اور سب سے اعلیٰ ہیں ۔ خانہ خدا کی بنا حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی جو تغیراتِ زمانہ کی زد میں رہا ۔ خانہ کعبہ اللہ کا گھر کہا جاتا ہے لیکن وہ صرف یہاں ہی نہیں رہتا بلکہ ہر جگہ اور ہر دل میں موجود ہے ۔ میر انیس نے کتنا خوبصورت تجزیہ کیا ہے :

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
اقرب ہے رگِ جاں سے اور اس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

اس گھر کو اللہ سے نسبت ہے اسی لئے اللہ کا گھر کہا جاتا ہے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کا گھر ہے وہ حبیبؐ جو صاحبِ خلقِ عظیم ہے اور رحمت للعالمین ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے آخری دس سال اسی سرزمین میں گذارے ہیں ، سارے عالم میں جو جاہلیت اور بربریت کی گھٹاٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی اس کو نورِ خداوندِ کریم سے روشن کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مالامال کر دیا ۔ بغض و عناد کو بھائی چارہ میں بدل دیا ، قتل و غارت گری کو امن و آشتی ، بے چینی اور

پریشانی کو سکون عطا فرمایا، یتیموں اور بیواؤں کے ملجیٰ و ماویٰ بنے تمام دنیا میں دعوتِ اسلام پہنچائی اور فتح مکہ کے بعد بھی یہیں قیام فرمایا اور اسی زمین کو اپنی ابدی قیام گاہ قرار دیا ۔ یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب مدینہ میں پیدا ہوئے تھے اور آپؐ کے والدِ محترم عبداللہ بھی یثرب میں مدفون ہیں ۔ تصویر قبر شاملِ کتاب ہے ۔ (سیرت محمد مجتبیٰ صفحہ ۵۰) یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کی قبر پرانی مدینہ روڈ مقام مستورہ سے کچھ آگے ایک طویل صحرائی علاقہ کے بعد " ابوا " کے مقام پر واقع ہے جہاں تمام تر خواہش کے باوجود حاضر نہ ہو سکا ۔ مختصر یہ کہ یہ شہر محلِ رحمت اور مقامِ سعادت ہے ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر اور مسجدِ نبوی کے منبر کے مابین کا حصہ ریاض الجنت قرار پایا ۔ حدیث میں مذکور ہے جو شخص مسجدِ نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ لے تو وہ حج کا ثواب پاتا ہے اور مسجدِ قبا میں دو رکعت نماز پڑھ لے تو عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ یہاں حاضری دیجئے اور بار بار حاضری دیجئے حضورِ قلب ، خضوع و خشوع اور دل کی گہرائیوں سے درود و سلام پڑھئے اور دعائیں مانگئے ، یہاں تو سال میں جب چاہیں حاضری دے سکتے ہیں نمازیں پڑھ سکتے ہیں یہاں عبادت کے ایام مقرر نہیں ہیں ۔ حج تو سال میں صرف ایک بار ہوتا ہے اور وہ بھی ایام مقررہ میں ۔ مکہ شہر جلال ہے تو مدینہ شہر جمال اور مدینۃ العلم ۔ خوشا نصیب کہ زیارت مدینہ نصیب ہو اور بار بار ہو ۔ مکہ مکرمہ کا اپنا مقام ہے ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے بہترین سال یہاں

یعنی مکہ میں گذارے ہیں ۔ یہیں پیدا ہوئے یہیں اعلانِ نبوت فرمایا یہیں سے تبلیغ کا آغاز فرمایا اور طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں لیکن شہر نہ چھوڑا جب تک کہ حکمِ رب العالمین ہجرت کے واسطے نہ ہوا ۔

نہایت متبرک شہر ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام مدینہ میں ہی رہا، صرف عمرہ اور حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے ۔ اگر بات کو اختصار سے کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش ہے تو مدینہ جائے قیام ۔ مکہ جائے جلال ہے تو مدینہ جائے جمال ہے اور مکہ مکرمہ عظمت والا شہر ہے تو مدینہ رحمت والا و برکت والا شہر ہے ۔ خداوندِ کریم ہم سب کو جلال و جمال اور رحمت ایزدی سے سرفراز فرمائے آمین ثم آمین ۔ ان مقامات پر دعائیں مانگیئے اور بار بار صدقِ دل سے مانگیئے اسی میں انسان کی عبدیت اور عظمت ہے معبودِ حقیقی اپنے بندہ سے یہی چاہتا ہے ۔ بہتر تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی بتائی ہوئی دعائیں مانگی جائیں اور عربی میں ، مگر لازمی نہیں کہ عربی میں ہی ہوں ۔ نہایت ہی خضوع اور خشوع اور دل کی بیتابیوں سے اپنے لئے ، اپنے خاندان کے لئے ، اپنے عزیز و اقارب کے لئے ، دوست احباب کے لئے اور ملک و ملت کے لئے اس بارگاہ میں درود و سلام کے بعد عرضِ مدعا کیجئے ۔ ہم کو بارالہا تو دنیا کی بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت کی بھی تمام بھلائیاں عطا فرما ، ربِ کریم ملک و ملت کو شاد و آباد رکھ تمام عالم کے مسلمانوں میں بھائی چارہ پیدا کر دے اور دشمنوں کے شر سے نجات دلا اور اتفاق اور محبت کی ڈور میں تمام عالمِ اسلام کو پرو دے :

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر
(اقبال)

اس شہر رحمت و برکت میں آج ہمارا تیسرا دن ہے ۔ مستورات کے لئے حرم میں حاضری کے اوقات مقرر ہیں یعنی صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک لہٰذا ان اوقات میں میں اہلیہ کے ساتھ آتا تھا۔ ان اوقات کے علاوہ میں تنہا حاضری دیتا رہا ۔

حضرتِ امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی

جوں جوں وقت گذرتا رہا تاریخ اسلام کے اوراق میری نظروں میں ٹیلیویژن کے اسکرین کی طرح آتے رہے ۔ ۶۰ ھ کے اواخر میں حضرت امام حسینؑ سے بیعت طلب کی گئی ۔آپؑ نے انکار فرمایا ۔ مدینہ میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لگ کر خوب روئے اور جدائی اختیار کی اور مکہ مکرمہ چلے گئے ۔ مکہ مکرمہ میں کچھ دن قیام فرمایا پھر مکہ میں حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ ھ کو مکہ کو بھی خیر باد کہا اور کوفہ روانہ ہو گئے ۔ دونوں مقامات کو خیر باد کہنے میں انکار بیعت تو تھا ہی لیکن مقصد یہ بھی تھا کہ کہیں آپ کی موجودگی کی وجہ سے یزید کی فوج ان مقدس اور متبرک شہروں کی بے حرمتی نہ کرے کیونکہ عدو ہر قیمت پر بیعت لینا چاہتا تھا ۔ آپؑ نے دونوں مقدس شہروں کی جدائی برداشت کی تاکہ ان شہروں کی بے حرمتی نہ ہو ۔ اپنا سارا کنبہ میدان کربلا میں کٹوا دیا لیکن حرم نبوی و

خانہ کعبہ کے تقدس کو اپنی زندگی میں پامال نہ ہونے دیا:

سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

یہاں واقعات کربلا لکھنا مقصود نہیں ۔ واقعاتِ کربلا پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور تا ابد لکھی جاتی رہیں گی ۔ یہاں میں صرف علامہ اقبال کی مشہور نظم جو واقعاتِ کربلا کی منظر کشی کرتی ہے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں ، یہ ایک مختصر نظم تاریخ انسانیت کا منظر نامہ ہے ۔

امامِ عالی مقام حسین علیہ السلام نے جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں کہ ۲۸ رجب المرجب ۶۰ ھ کو اپنے اہلبیت اور رفقا کے ہمراہ شہر مدینہ کو سلامِ الوادع کہا اور مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوگئے ۔ آپؑ نے خود فرمایا " میں نے نہ تو فتنہ و فساد پیدا کرنے اور نہ ہی لوگوں کی گردنیں کاٹنے اور ظلم روا رکھنے کے لئے مدینہ چھوڑا بلکہ میں نے اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی اصلاح کے لئے سفر اختیار کیا ہے ۔ نیکی کا حکم دینا چاہتا ہوں اور (لوگوں کو) بری باتوں سے باز رہنے کی تاکید کرنا اور خود بھی اپنے جدِ بزرگوار رسولِ خداؐ اور پدرِ بزرگوار علیؑ ابنِ ابی طالب کی سیرت کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہوں ۔ " مختصر یہ ہے کہ امامِ عالی مقامؑ نے تمام مصائب نہایت جرأت اور جواں مردی سے برداشت کئے ۔ اپنا اور اپنے پورے کنبہ کا سر کٹا دیا ، سارے رفقاء شہید ہوگئے سروں کو نیزوں پر بلند کیا گیا ، عورتیں اسیر ہوئیں ، ساری مصیبتیں برداشت کیں اور اپنے نانا کے دین کو زندۂ جاوید کر

دیا - یہ سب کچھ ہوا لیکن اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دیا - سچ پوچھئے تو آپؑ ہیں امام حریت اور حقوق انسانی کے علمبردار:

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
کہو کہ رہبر راہِ خدا کہیں اس کو

اب علامہ اقبال کی وہ نظم جس کا ذکر میں نے پہلے کیا تھا پیشِ خدمت ہے

ہر کہ پیماں باہو الموجود بست
گردنش از بندِ ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را نا ممکنِ ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر چالاک تر بیباک تر
عقل در پیچاکِ اسباب و علل
عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
عشق صید از زورِ بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند
عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند
عقل می گوید که خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن
عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و باخود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بنده شو آزاد شو
عشق را آرام جاں حریت است
ناقه اش را ساربان حریت است
آں شنیدستی که هنگام نبرد
عشق با عقل هوس پرور چه کرد
آں امام عاشقاں پور بتولؑ
سرو آزادے ز بستان رسولؐ
الله الله بائے بسم الله پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر
بهر آں شهزادهٔ خیر الملل
دوش ختم المرسلیں نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی ایں مصرع از مضمون او
درمیان امت آں کیواں جناب
همچو حرف قل هو الله در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

(۷۲ عدد)

مدینہ منورہ کی بے حرمتی

دو واقعات " مدینہ منورہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لکھنا ازبس ضروری ہیں کہ ان واقعات کا ان مقدس شہروں سے براہِ راست تعلق ہے ۔ اس شہر مقدس کی بے حرمتی سب سے پہلے یزید بن معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں ۲۸ ذی الحجہ ۶۲ ھ میں کی جب اس نے اہلِ مدینہ کو اپنی بیعت پر مجبور کیا اور جب انہوں نے یزید کو اپنا خلیفہ اور حاکم تسلیم کرنے سے انکار کیا تو یزید نے اہلِ مدینہ پر چڑھائی کر دی ۔ تین دن حرمِ مدینہ میں لوٹ مار، فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری ہوتی رہی اور یہاں کی پاک دامن عورتوں کی عصمت دری کی گئی ۔ "

(اقتباس کتاب " دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ ماضی اور حال کے آئینہ میں تحریر ڈاکٹر عبد الباسط بدر، ترجمہ محمد حسام اللہ شریفی ")

تاریخ میں یہ اندوہ ناک واقعہ " واقعۂ حرہ " کے نام سے معروف ہے ۔ بے حرمتی کعبہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے، یہ دل خراش واقعہ بھی یزیدی دور کا ہی ہے ۔

آج جب میں مواجہ شریف سے پر نم آنکھوں اور پر درد دل کے ساتھ باہر کی جانب آ رہا تھا اور زیارتِ جنتِ البقیع کے لئے جا رہا تھا، تو مجھے اپنے جدِ اعلیٰ حضرت امام علی رضاؑ کا واقعہ یاد آگیا اور مجھ پر بے حد رقت طاری ہو گئی ۔ امام علی رضاؑ اسی مدینہ میں مقیم تھے ۔ عباسی خلیفہ ماموں رشید نے

آپؑ کو خراسان بلا بھیجا، سیاستِ دوراں کے تحت اقتدار منتقل کرنے کی خواہش کا اظہار ہوا ۔ آپؑ نے انکار فرمایا ۔ ولی عہدی پیش کی گئی لیکن آپؑ نے اس سے بھی انکار فرمایا ۔ بعد میں حالات ایسے پیدا کئے گئے کہ آپؑ کو مجبوراً ولی عہدی قبول کرنا پڑی لیکن اپنی شرائط پر ۔ حصولِ اقتدار کی نوبت نہیں آئی کیونکہ آپؑ کو زہر سے ۲۰۳ھ میں شہید کرادیا گیا آپؑ کا جسدِ خاکی مشہد میں دفن ہوا جو آج مشہدِ مقدس کے نام سے مشہور ہے جہاں لاکھوں افراد ہر سال زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ۔ ان واقعات کو قدرے تفصیل سے میں نے اپنی کتاب "کوہ قاف کے اس پار" اور "سرزمینِ انقلاب میں لکھا ہے یہاں تو مجھے مقصود اس جانب محض اشارہ کرنا تھا ۔ مدینۃ النبی میں آج ہمارا چوتھا دن ہے ۔ دن کا بیشتر حصہ حرمِ مطہر میں گذارتے اور رات میں دیگر مقدس مقامات کی زیارت روز کا معمول تھا ۔ اس سلسلہ میں ہمارے میزبان میاں علی عباس رہے ۔ ان کا قیام چونکہ شہر سے باہر ایئرپورٹ کے قریب تھا، اس وجہ سے ہم نے شہر میں حرم سے بالکل قریب ہوٹل میں کمرہ لے لیا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گذار سکیں ۔ رات کو مقدس مقامات کی زیارت کو جاتے، میاں علی عباس کے یہاں کھانا کھاتے اور آرام کی خاطر ہوٹل آجاتے ۔ یہی ہمارا روز کا معمول تھا ۔ یہی مقام یعنی مدینہ منورہ ہمارا آبائی وطن رہا ہے ۔ یہ لیل و نہارِ زمانہ ہیں کہ آج ہم اسی ملک میں اجنبی ہیں لیکن کوئی شکوہ نہیں شکایت نہیں ۔ ہم کوئی تنہا اس جبر کے شکار نہیں، ہم جیسے لاکھوں کروڑوں اور بھی ہیں ۔ ہم نہ سہی ہماری آئندہ نسلیں وہاں جا سکتی ہیں اور آباد ہو سکتی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

بقول غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

حرم مطہر سے نکلا، جنت البقیع حاضر ہوا اور شارع ابی ذرغفاری سے ہوتا ہوا ہوٹل پہنچا یاد داشت لکھنے بیٹھ گیا، اہلیہ نے کہا بھی کہ کچھ دیر آرام کر لیں لیکن میں نے مناسب یہی جانا کہ روز کے روز یادداشت لکھتا رہوں ورنہ سفر نامہ لکھنا جوئے شیر لانا ہو گا - اور واقعات گڈ مڈ ہو جائیں گے - میں ابھی تحریر میں مصروف ہی تھا کہ میاں علی عباس کا دفتر سے فون آیا - انھوں نے مطلع کیا کہ میں کمرہ میں ہی قیام رکھوں کیونکہ کراچی سے فون آنے والا ہے میں نے ریسور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی رسیور اٹھایا تو معلوم ہوا کہ کراچی پاکستان سے فون ہے، فون میرے فرزندِارجمند میاں ہادی سلمہ کا تھا - گھر والوں کی خیریت سے آگاہی ہوئی - اپنی کیفیت بتائی اور یہ بھی تاکید کی کہ تمام عزیزوں کو ہماری خیریت سے مطلع کر دیں کیونکہ ہمارے دوست عزیز و اقارب سب ہماری خیریت و حالات سننے کے مشتاق تھے - میں نے نہایت اختصار کے ساتھ ہادی سلمہ کو بتایا کہ حرم مطہر اب بہت بدل چکا ہے اور وسیع و عریض ہو چکا ہے، نہایت ہی خوبصورت اور دیدہ زیب، صفائی کے اعلیٰ انتظامات نہایت عمدہ اور قابلِ ستائش - میں نے بصد شوق یہ بھی بتایا کہ مجھے نہایت آسانی سے ریاض الجنتہ میں جگہ مل گئی میں نے نوافل ادا کئے - میں نے یہ بھی کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کے بعد مجھے قدیم منبر رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصلائے رسولِ اکرمؐ پر سجدہ ریز ہونے کا شرف بھی حاصل ہوگیا، میری تمنا تو یہ تھی اس خاکِ پاک پر مقام سجدہ کروں جہاں کی مٹی رسول مقبولؐ کے قدموں کو بوسہ دیا کرتی تھی:

بمقامیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

لیکن ایسا ممکن نہ ہوا کیونکہ حرمِ مطہر میں قالین بچھے ہوئے ہیں خصوصاً اس حصہ میں دیوار بہ دیوار قالین ہیں بہر حال سجدہ ریز ہونے کی سعادت تو نصیب ہوئی ۔ خاکِ پاک پر براہِ راست نہ سہی، قالین پر ہی سہی جگہ تو وہی ہے جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی مقام کا گذر ہوتا رہا ہوگا ۔ میری نیت تو اس خاک پر سجدہ کرنے کی تھی جس خاک نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم چومے ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندہ کی نیت دیکھتا ہے ۔ اس مختصر سی گفتگو کے بعد میں درود و سلام کے بعد پھر یادداشت لکھنے میں مشغول ہوگیا ۔

مدینہ منورہ پہنچے ہوئے آج چوتھا دن ہے ۔ میں نے مدینہ کی سرگذشت مختصراً بیان کر دی مناسب معلوم ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ کی خواہش بھی ہوگی کہ تعمیرِ مسجدِ نبویؐ کی بابت کچھ اور بیان کیا جائے ۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں ۔ جو لوگ پچھلے چند سالوں میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہیں اور موجودہ مسجدِ نبویؐ کی زیارت کی ہے وہ ابتدائی حالات سن کر شاید حیران ہوں کہ ابتدا کیسے ہوئی اور بات کہاں تک پہنچی ۔ میں پہلے بھی

عرض کر چکا ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر قبا " پہنچے اور چوبیس روز (بعض روایتوں کے مطابق چار روز) وہاں قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد کی بنا ڈالی جو مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے اور دنیا میں پہلی مسجد ہے ۔ قبا سے روانہ ہو کر سرکارِ دو عالم محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے اور میزبانی کا شرف حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو نصیب ہوا ۔ ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے پاس ہی کچھ زمین افتادہ تھی جو دو یتیم بچوں سہل و سہیل کی ملکیت تھی ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمین کی قیمت لگوائی اور قیمت ادا کر کے خرید لی اور حضورؐ نے صحابہ کرام کی معیت میں بہ نفسِ نفیس مسجد کی تعمیر شروع کر دی ۔ تعمیرِ مسجد کے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعائیہ شعر پڑھتے جاتے تھے :

لاعیش الا عیش الآخرۃ
اللھم ارحم الانصار و المھاجرۃ

(آخرت کے آرام کے علاوہ کوئی آرام نہیں)

(اے اللہ انصار و مہاجرین پر اپنی رحمت نازل فرما ۔)

حضرت علیؑ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا ۔

لایستوی من یعمل المساجد
بذأب فیھا قائماً او قاعدا
و من یری عن الغبار حأئرا

(یعنی وہ فرد جو تعمیر مسجد میں مشغول ہے اور گرد و غبار میں اٹا ہوا ہے ، بھلا اس کے مقابلہ میں ایسا شخص کیسے ہو سکتا ہے جو دور کھڑا صرف دیکھ رہا ہے)
اور تمام مسلمانوں کی زبان پر یہ شعر جاری تھا ۔

لئن قعدنا والنبی یعمل
فذاک منا عمل مضلل
(اگر مابنشینیم و پیامبر کار کند
این رفتار ما عملی تباہ است)

(یعنی ہم سب بیٹھے رہیں اور پیامبر اکرمؐ مشغول کار رہیں تو یہ
طریقہ ہمارے لئے گمراہی کا سبب ہوگا)

اس وقت یہ مختصر سی مسجد کھجور کے تنوں کے کھمبوں اور اسی کے پتوں کی چھت پر تعمیر ہوئی تھی ۔ دھوپ کی شدت سے عافیت کے لئے کھجور کے پتوں کی ہی چھت بنی جس پر مٹی ڈال دی گئی تاکہ دھوپ کی تپش کم ہو جائے لیکن پھر بھی بارش کا پانی ٹپکتا اور دھوپ بھی چھن کر سجدہ ریز ہوتی ، فرش بھی عرصہ تک بالکل کچا رہا ۔ مسجد کے گرد امہات المومنین کے گھر اور صحابہ رسولؐ کے بھی چھوٹے چھوٹے گھر بنے ۔ یہ تھی کل کائنات ابتدائے اسلام میں مسجدِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے گھروں کی ۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس میں بہتری بتدریج ہوتی رہی ساتویں صدی ہجری یعنی فتح خیبر کے بعد رسول اکرمؐ نے کافی وسعت دی لیکن اصل مسجد کی ساخت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی ۔ ترکوں کے دور میں یہاں بہت کام ہوا ۔ کھمبوں کی

اونچائی ابتدا سے تقریباً سات فٹ تھی اور اسی کو قائم رکھا گیا لیکن تجدید عمارت کے وقت سنگِ مرمر ابتدائی اونچائی تک رہا اور قدیم آثار کو محفوظ کر دیا گیا ۔ شرقاً غرباً پانچ کھمبے ، شمالاً جنوباً چار کھمبوں تک کا علاقہ " ریاض الجنۃ " کہلاتا ہے جہاں دو رکعت نماز ادا کرنے کی ہر مسلمان کو تمنا ہوتی ہے ۔ مسجد کے بیرونی حصہ سے ملحق بیت فاطمہؑ تھا اور اس کے شمال میں مسجد سے باہر چبوترہ اصحابِ صفہ کا قائم ہوا تھا ۔ اب یہ سارے علاقے مسجد کا حصہ بن گئے ہیں ۔

مسجدِ نبویؐ میں توسیعی مراحل

مسجدِ نبویؐ کی ابتدائی تعمیر کا حصہ یعنی ریاض الجنت کے شمال و مغرب میں دو دو کھمبوں کا اضافہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا اور اس حصہ پر بھی پہلے ہی جیسی چھت ڈالی گئی ۔ ریاض الجنت کی شناخت کا آسان طریقہ سفید مرمریں کھمبوں والا حصہ ہے ۔

" **مابین بیتی و منبری من ریاض الجنۃ** " (میرے مکان اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کا ٹکڑا ہے) ریاض الجنت سے ملحقہ حصہ والے کھمبوں کو ترکوں نے سرخ پتھر سے بنایا اور ان کھمبوں کے درمیانی حصہ میں بڑا زریں گلاب کا پھول نیز اس کے اوپر نیچے طلائی لکیریں بنا دی ہیں ۔ محراب کے داہنے حصہ پر نمایاں طور پر ہذا مصلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا ہے ۔ یہاں نماز پڑھنے والے کا سجدہ قدمِ مبارک رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم پر ہو گا جو دنیا کے لئے بدل نعمتِ عظمیٰ ہو گی" (آئنہ حرم از محی الدین قادری الزراقی) فتح خیبر یعنی ۷ ھ کے بعد آنحضرتؐ نے مسجد میں مزید توسیع فرمائی۔ پہلے کچھ دنوں یہ حصہ کھلے صحن کی صورت میں تھا بعد میں اس پر بھی پکی چھت ڈال دی گئی ۔

فتح مکہ ۸ ھ کے بعد رحمۃ للعالمین نے عفو و درگذر سے کام لیا اور ان سب کو معاف کر دیا جنہوں نے بارہ سال تک برابر خاتم النبیین پر ظلم و ستم کیا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فتح مکہ کے دن تمام کفار کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا تھا ۔ **اذھبوا انتم الطلقاء لاتثریب علیکم الیوم** (جاؤ تم سب آزاد ہو آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عفو و درگذر کا یہ اثر ہوا کہ کفار و مشرکین جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے ۔ فتح مکہ کے بعد ہی ابو سفیان نے اسلام قبول کیا جو کل تک اسلام کے سب سے بڑے اور زور آور دشمن تھے ۔ یہاں علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آرہا ہے لکھے دیتا ہوں :

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب الجود و الکرم فاتحانہ داخلِ کعبہ ہوئے اور کعبۃ اللہ کو بتوں سے خالی کیا جن بتوں تک ہاتھ نہ پہنچ سکا ان کو توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو کاندھے پر چڑھایا:

میانِ خیبر و خندق معلق شاہِ مرداںؑ تھے

قدم ایسے سبک ہوں تب نبیؐ کے دوش پر رکھے
کعبۃ اللہ میں جو کفر کی مورتیاں تھیں وہ چکنا چور ہو گئیں اور

برپا نشان کفر جو تھا دور ہو گیا
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا

(میر انیس)

ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ بارِ رسالت کوئی اٹھا نہ سکتا تھا اور نہ حضورؐ کسی غیر کو کاندھے پر اٹھا سکتے تھے اس لئے اپنے عم زاد اور داماد کو خود اپنے کاندھے پر اٹھایا تاکہ خانہ کعبہ بتوں سے خالی ہو اور وحدہ لا شریک کی عبادت جاری ہو۔ مختصر یہ کہ اسلام کا بول بالا ہوا اور کفر کا منہ کالا ہوا۔ کل تک جو لوگ اسلام کے جانی دشمن تھے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رحمدلانہ سلوک سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا مسجدِ نبویؐ میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور یہ سلسلہ تقریباً ہر دور میں جاری و ساری رہا۔ آنحضرتؐ کے بعد خلافتِ راشدہ کے دور میں وقتاً فوقتاً اس مسجد کی توسیع ہوتی رہی حضرت عمرؓ کے دور میں کافی اضافہ ہوا اور مسجدِ نبویؐ کا رقبہ ۳۲ X ۵۴ میٹر تک پہنچ گیا۔ دورِ عثمانی میں مزید توسیع ہوئی۔ جنوب میں قبلہ رخ کی طرف بتدریج اضافہ ہوا علاوہ ازیں کھجور کے قدیم کھمبے (ستون) ہٹا کر پتھر کے منقش ستون لگا دیئے گئے اور لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔ دیوار کو پختہ اینٹوں سے مضبوط بنایا گیا یہ توسیع اور تزئین محرم ۳۰ ھ میں پوری ہوئی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز جب مدینہ کے گورنر تھے تقریباً دو ہزار تین سو اسی میٹر کی مزید توسیع ہوئی ۔ مسجدِ نبویؐ کا مشرقی کھلا حصہ اور بیت فاطمہؑ اور چبوترہ اصحابِ صفہ جو اب تک مسجد سے ملحق تھے اندرونِ مسجد لے لئے گئے ۔ مسجدِ نبویؐ کے چاروں کونوں پر چار مینار پہلی بار بنائے گئے اور پوری مسجد میں سنگِ مرمر کا فرش جڑا گیا ۔ (۸۸ - ۹۱ ھ کے درمیان) دنیا کی سب سے پہلی محراب مصلیٰ نبویؐ پر تعمیر ہوئی اس کے بعد ساری دنیا میں وسط مسجد میں پیش امام کے لئے محراب بنانے کا رواج ہوا ۔ محراب بنانے سے خوبصورتی کے علاوہ اصل فائدہ یہ ہوا کہ پیش امام کی آواز محراب سے ٹکرا کر نمازیوں تک پہنچنے لگی ، اسی اصول پر بعد میں بہتر انداز اور تزئین کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی مساجد میں محراب و مینار بنانے کا رواج عام ہوا ۔ یہ محراب اور مینار مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا کام دینے لگے ۔ ان مکبر الصوت میں وقت کے ساتھ ساتھ بہتری ہوتی رہی یہاں تک کہ بجلی کے اسپیکر ایجاد ہوئے اور مساجد میں استعمال کئے جانے لگے ۔ ابتدا میں علماء نے اسپیکر کی مخالفت کی اور اس کے استعمال کو حرام قرار دیا لیکن بعد میں ایسے عادی ہوئے کہ بغیر لاؤڈ اسپیکر تقریر تو بڑی چیز ہے ایک جملہ کہنے کے بھی روادار نہیں ہیں ۔

حادثۂ آتش زنی

۶۵۴ ھ میں حادثہ آتش زنی ہوا ۔ روضہ اقدس اور مسجد کے کچھ حصہ کے سوا باقی سارا حصہ خاکستر ہو گیا جس کے بعد تجدیدِ نو کا سلسلہ شروع ہوا ۔

تجدیدِ نو

۶۵۵ ھ میں عباسی حکمران معتصم باللہ نے تجدید کا کام شروع کیا لیکن دوسرے ہی سال اس کا قتل ہوگیا۔ بہر حال تجدید کا کام جاری رہا حکمران آتے اور جاتے رہے لیکن تجدید اور توسیع کا کام بھی چلتا رہا۔ ۸۷۹ ھ میں پہلی بار حجرۂ اقدس کے اطراف جالی نصب ہوئی۔

ترکوں کے دور میں تجدید اور تعمیر

ترک سلطان، سلطان عبد المجید نے مسجدِ نبویؐ کی نئے سرے سے ۱۲۶۵ ھ اور ۱۲۷۷ ھ کے درمیان تعمیر اور تجدید سرخ پتھر سے نہایت عقیدت اور بصد احترام کی جس کی مثال ہم سب کے سامنے موجود ہے اور سب ہی سلطان عبد المجید کو اچھے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور ان کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں۔

دورِ حاضر کی تجدید اور تعمیر

حرمِ نبویؐ کی تجدید تعمیر اور توسیعی کام سعودی حکمران نے شروع کیا اور برابر یہ سلسلہ جاری ہے۔ مسجدِ نبویؐ مکمل طور سے ایرکنڈیشنڈ ہے اور ہر ممکن سہولت موجود ہے۔ پوری مسجد میں خوبصورت قالین بچھے ہوئے ہیں اور صفائی ستھرائی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ رمضان المبارک میں آبِ زم زم کا نہایت عمدہ انتظام ہوتا ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس سال (۱۹۹۴ء) رمضان المبارک کے دس دن میں نے مدینۃ النبی میں بسر

کئے دنیا و مافیہا سے بے خبر، ہم تھے اور یادِ باری تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - دورانِ قیامِ مدینہ کچھ غم کی گھڑیاں بھی آئیں لیکن یہ غم غمِ دنیا نہ تھا غمِ آخرت تھا دنیا میں تو رب العزت کی بے حد نوازشات ہیں بس یہی دعا شاملِ حال رہی کہ اللہ تعالیٰ توشۂ آخرت بھی جی بھر کے سمیٹ لینے دے - اور انجام بخیر کرے:

جب دم واپسی ہو یا اللہ
لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

بندۂ مہر بلب ہوں میں ثنا خواں تیرا
دل میں رکھتا ہوں مقفل غمِ پنہاں تیرا

(جوش ملسیانی)

مسجدِ نبویؐ کا ایک رنگین خاکہ شاملِ کتاب ہے، اس خاکہ سے عہد بہ عہد کی توسیع صاف ظاہر ہوتی ہے - یہ خاکہ التاریخ الشامل للمدینۃ المنورہ سے لیا گیا ہے -

مدینۃ النبی میں تقریباً سبھی متبرک مقامات مٹائے جا چکے ہیں لیکن جن بندوں کی باطن کی آنکھیں روشن اور منور ہیں یہ مقدس مقامات اور ان کی طہارت کا ادراک یقیناً ان کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہے - ان مقامات کا کیا درجہ ہے اور کس قدر روحانیت اور نورانیت کا اظہار ہوتا ہے یہ وہی متقی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کرمِ خاص ہوتا ہے اور جن کے نصیب میں مدینۃ النبی کی زیارت ہوتی ہے - یہاں ایک شعر ذہن میں آگیا

شاعر کا نام تو یاد نہیں آرہا ہے لیکن مجھے اس سے باطنی مسرت ہو رہی ہے لہذا میں قارئین کی نذر کر رہا ہوں :

قدرت کو جسے بخشنا منظور ہو گیا
اس کو مدینہ آنے کا مقدور ہو گیا

اوپر آپ نے سعودی حکمرانوں کے دور میں تجدید، تعمیر، تزئین اور توسیع کا حال پڑھا یقیناً وہ قابل ستائش ہے ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ خواتین باب النساء سے داخل ہوتی ہیں ۔ باب النساء سے لے کر بابِ عثمانؓ و بابِ عبد العزیز تک کا حصہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے ان ابواب سے مردوں کا داخلہ ممنوع ہے!

ابوابِ مسجد النبیؐ

مغرب میں باب السلام اور باب الرحمہ واقع ہیں یہ قدیم باب ہیں

اور مشرقی حصے میں بابِ جبریل ، باب النساء اور بابِ عبدالعزیز ، بابِ جبریل مشرقی دیوارِ مسجد میں گنبدِ خضرا سے متصل ہے ، باب النساء بھی مشرقی دیوار میں باب جبریل کے قریب ہی واقع ہے ۔ بابِ بقیع جنوبی اور مشرقی دیواروں کے نقطہ اتصال پر واقع ہے اس باب سے نکل کر زائرین جنت البقیع جاتے ہیں ۔ یہ ایک نیا باب ہے ۔ شمال میں بابِ عبدالمجید، باب عمر بابِ عثمان واقع ہیں ، ان ابواب کے علاوہ مغرب میں بابِ صدیق اور بابِ سعود توسیع مسجد کے دوران تعمیر ہوئے تاکہ زائرین آسانی سے ہر جانب سے مسجدِ نبویؐ میں داخل ہو سکیں ، نئے ابواب سعودی حکومت کے

بنوائے ہوئے ہیں، قارئین کی آسانی کے لئے خاکہ مسجد شامل کتاب ہے۔

یہاں ایک بات ذہن نشین کرانا بہت ضروری ہے کہ نقشوں میں ہمیشہ اوپر کی جانب شمال اور نیچے کی جانب جنوب دکھایا جاتا ہے لیکن جہاں تک حرم مطہر اور مسجدِ نبویؐ کا تعلق ہے سمتِ کعبہ کی وجہ سے اوپر کی جانب یعنی کعبہ کے رخ پر جنوب دکھایا گیا ہے اور نیچے کی جانب شمال اور اسی مناسبت سے دوسری سمت دکھائی گئی ہے۔ دوسری ضروری بات یہ کہ بابِ جبریلؑ یا باب البقیع سے اگر باہر تشریف لائیں تو پختہ چبوتروں سے گذر کر سیدھے جنت البقیع جا سکتے ہیں۔

آپ مواجہ شریف میں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر درود وسلام پڑھتے ہوئے جس باب سے باہر نکلتے ہیں اس کو بابِ بقیع کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے سیدھے جنت البقیع تک جا سکتے ہیں۔ اس باب سے لے کر جنت البقیع تک پختہ چبوترہ ہے اور اس کے بعد سیڑھیاں، جنہیں عبور کر کے جنت البقیع کی بالکونی تک جاتے ہیں جن میں آہنی جالی دار بڑے بڑے دروازے لگے ہوئے ہیں جہاں سے آپ قبورِ مقدسہ کی زیارت کر سکتے ہیں۔ حجاج کرام اور زائرین کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ریاض الجنت میں مقامِ مکبر بہنایت خوبصورت آٹھ فٹ بلند سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے جہاں متعدد مؤذن بیٹھتے ہیں اس مقامِ مکبر کے نیچے نماز پڑھنا اور عبادت کرنا باعثِ ثواب ہے کیونکہ یہ حصہ جنت کے باغوں کا ایک حصہ ہے۔ میں حرم کے اندر قیام کے دوران اس حصہ میں بہت دیر تک بیٹھتا اور درود و سلام پڑھتا رہتا لیکن جب

میں یہ دیکھتا کہ کوئی دوسرا فرد انتظار میں کھڑا ہے تو آہستہ سے وہاں سے اٹھتا اور دوسرے حصہ میں جا کر بیٹھ جاتا ۔ میرے ذہن میں یہ بات رہتی کہ کہیں میرے یہاں دیر تک بیٹھنے سے اگرچہ عبادت ہی کے لئے سہی ، کسی کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی ہے کیونکہ یہاں سب ہی اس نیت سے آتے ہیں کہ اس جنتِ ارضی میں نماز ادا کریں اور دعائیں پڑھیں ۔ کسی حقدار کو اس کا حق پہنچانا بھی تو عبادت ہے میرا اس پر کامل یقین ہے ۔ خاص بات یہ ہے کہ یہاں نہ تو کوئی کسی کو روکتا ہے اور نہ ٹوکتا ہے لہذا میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سب ایک دوسرے کا خیال اور لحاظ رکھتے ہیں ۔ گنبدِ خضرا نظروں کے سامنے ہوتا ہے لازمی طور پر ذہن وہاں کے مکین کی طرف جاتا ہوگا ۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب بھی خیال آئے اور زبان پر نام آئے تو درود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیجنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ جب نام نامی لب پر آئے تو بصد ادب و احترام آئے:

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اسی مقام اور اسی نام نامی کی شان میں حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک شعر میری یاوری کر رہا ہے لہذا جی چاہتا ہے اسے بھی یہاں نذرِ قارئین کروں تاکہ قارئین اور میں عاصی دونوں مثاب ہوں اور محظوظ بھی ۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

اسی سلسلہ میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے حسن والے اور انسانوں کے سردار وہ کہ جس کے پر نور چہرۂ مبارک کی روشنی سے چاند بھی منور ہوا۔

اے وہ کہ جس کے شایانِ شان تعریف کرنا انسانی بس میں نہیں ہے۔ بس مختصر یہ کہ اللہ جل شانہ کے بعد آپؐ ہی کی ذات اشرف ہے۔

یہاں کے دن اور رات ایسی تیزی سے گذر رہے تھے کہ گویا ہم ہوائی سفر پر ہیں اور وقت کو پر لگے ہوئے ہیں۔ مسجدِ نبویؐ کے بارے میں جو کچھ اب تک بتایا گیا ہے وہ میرے ذاتی مشاہدہ اور کتابی مطالعہ کی بنیاد پر ہے جن کتابوں اور حوالوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے آخر میں "کتابیات" کے عنوان سے دے دی گئی ہے۔ مسجدِ نبویؐ کے بارے میں اتنا اور عرض کرنا ضروری ہے کہ مسجد کے شمال میں دو کھلے ہوئے حصوں میں بالکل جدید طرز کی چھت بنا دی گئی ہے۔ صورت حال یوں ہے کہ ستون اسطرح بنائے گئے ہیں کہ ان میں لگے ہوئے بٹن کو دبایا جائے تو پورے حصہ میں چھت بن جاتی ہے اور جب اس حصہ کو کھلا رکھنا مقصود ہو تو پھر بٹن دبا دیا جاتا ہے اور پوری چھت سمٹ کر ستون میں گم ہو جاتی ہے اور ایسا

لگتا ہے کہ یہاں جیسے چھت تھی ہی نہیں ، یہ ترکوں کی انجینرنگ کا کارنامہ ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔ یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسلمان کسی بھی میدان میں دیگر اقوام سے کم نہیں ہیں ، اگر کسی چیز کا فقدان ہے تو ان کارناموں کو رو بہ عمل لانے کے ذرائع کا ہے اور مسلم ممالک میں یک جہتی ، اتفاق اور جذبہ کا ہے ۔ اگر امیر مسلم ممالک کی دولت اور غریب مسلم ممالک مثلاً ایران ، ترکی اور پاکستان کی استعداد یکجا ہو جائے تو کوئی ایسا کارنامہ نہ ہو گا جس کو مسلمان سرانجام نہ دے سکیں ۔ کاش سارے اسلامی ملک متحد اور متفق ہو جائیں ۔ خدا وندِ عالم ان ممالک کے صاحبانِ اقتدار کو عقلِ سلیم اور دردمند دل عطا فرمائے ۔ آمین ۔ علامہ اقبال سارے عالم کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے کیا خوب فرماتے ہیں :

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اب تک ہم نے خانہ کعبہ (مسجدِ حرام) مسجدِ قباء اور مسجدِ نبویؐ کا ذکر کیا ہے جو دنیا کی اہم ترین مساجد میں شامل ہیں ۔ اب ہمیں مسجدِ اقصیٰ اور مدینہ منورہ کی دیگر مساجد کا ذکر کرنا ہے ۔ مسجدِ اقصیٰ کی زیارت تو اس سفر میں نہ ہو سکی اور نہ اس دوران سفر ممکن تھا کیونکہ میرا ویزا جدہ ، مکہ اور مدینہ ہی تک محدود تھا۔ لیکن مجھے سن ساٹھ کی دہائی میں یہ شرف حاصل ہو

چکا ہے اس کا بھی ذکر ان شاءاللہ آگے چل کر کروں گا، پہلے مدینہ کی دوسری مساجد کا ذکر ہونا چاہیئے کیونکہ یہ مساجد مسجدِ نبویؐ کی کڑی سے منسلک ہیں یا یوں کہیئے کہ ایک ہی تسبیح کے مختلف دانے ہیں - ان مساجد کے مختصر تذکرے سے پہلے میں اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو اب روکے نہیں رک رہے ہیں - مجھے اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ میں اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ صحیح طور پر پہنا نہیں سکتا لیکن جہاں تک قلم یاوری کرے گا ضرور بیان کروں گا - میں جب بھی جنتِ ارضی اور روضہ اقدس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرتے ہوئے رسولؐ اور آلِ رسولؐ پر درود بھیجتے ہوئے پر درد دل اور پر نم آنکھوں سے بابِ بقیع سے باہر آتا اور جنت البقیع پر آہنی دروازوں کے باہر ہی سے حاضری دیتا اور قبورِاہلبیتؑ کی زیارت کرتا دل کھول کر روتا اور آنسو بہاتا جس سے میرے قلب و ذہن کو سکون ملتا - جناب ابو الحسن رضوی حسن ملیح آبادی کا ایک شعر حسبِ حال ہے جو قارئین کی نذر کرتا ہوں:

کوئی عالم ہو رواں آنکھوں سے دریا کیجئے
غم تو غم ہے شادمانی میں بھی رویا کیجئے

آنسو بہانا عین فطرت ہے - غم میں تو آنسو آتے ہی ہیں، انتہائی خوشی کے عالم میں بھی آنسو نکلتے ہیں جس کا مشاہدہ آئے دن ہوتا رہتا ہے میں اس بات کا دل سے قائل ہوں - حقیقت تو یہ ہے کہ رونا زندگی کی علامت ہے، نومولود جب روتا ہے تو گھر والے ہنستے ہیں اور اگر بچہ نہیں روتا ہے تو گھر

والے روتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ کسی فرد کے ذہن میں یہ بات آئے کہ یہ بار بار رونے رلانے کا ذکر آخر کیوں ؟ تو حقیقتِ حال یہ ہے کہ مجھے نہ صرف جنت البقیع کی حالت پر رونا آیا بلکہ میرے ذہن میں اسلام کے دورِ اول کی پوری تاریخ پھر جاتی ہے کہ یہ وہی گلیاں ہیں ، وہی راستے ہیں اور کچے پکے مکان جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھومتے پھرتے تھے اور جہاں کی خاک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کو بوسہ دیتی تھی ۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ کے دونوں بیٹے حسنؑ اور حسینؑ جن کو حضورؐ نے ہمیشہ اپنا بیٹا کہا اور کاندھوں پر سوار کر کے گھمایا کرتے تھے ۔ یہ وہی لختِ جگر ہیں کہ اگر دورانِ سجدہ پشت پر سوار ہو گئے تو اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے جب تک کہ یہ اتر نہ جاتے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیار اور محبت کا اظہار کن کن طریقوں سے کیا لیکن ایک دن ایسا آیا کہ ۶۰ ھ میں امامِ عالی مقام حسین علیہ السلام کو یہ شہر ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑا یعنی اپنے نانا کے شہر کو ۔ یہ بڑی دکھ بھری کہانی ہے جس کو سوچ کر ، سن کر اور پڑھ کر بے اختیار رونا آتا ہے ۔ کچھ لوگ اس رویہ پر معترض بھی ہو سکتے ہیں لیکن رحمدل ضرور آنسو بہائے گا ۔ میں ان کی بات نہیں کرتا جو سنگدل ہیں یا جن کے شدت جذبات سے آنسو بھی خشک ہو جاتے ہیں اور ان کے معالج کو ان کو صحیح حالت میں لانے کے لئے بہت مشکل ہوتی ہے اور ایسے موقع پر طبیب کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے آنسو بہنے لگیں ۔ یہ بات تو میرے ذہن میں آگئی اور میں نے بغیر کسی جھجک

کے من و عن تحریر کر دی، حقیقت تو یہ ہے کہ:

گریہ فطری شے ہے دشمن پر بھی بھر آتا ہے دل

چنانچہ وہاں میرا روز کا یہ معمول تھا "جنت البقیع پر حاضری" کچھ دیر وہاں کھڑا رہتا درود و سلام پڑھتا، آنسو بہاتا اور پھر آہستہ آہستہ جائے قیام کی طرف روانہ ہو جاتا۔

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے
جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں

(درد)

اکثر اوقات جب وہاں دیر ہو جاتی تو اہلیہ کاندھے پر ہاتھ رکھتیں اور کہتیں چلئے بہت دیر ہو گئی ہوٹل چلئے اور میں خمیدہ سر آہستہ آہستہ ان کے ساتھ ہوٹل چلا جاتا۔ ایک روز میں جنت البقیع سے نکل کر ہوٹل جا رہا تھا کہ مجھے ۱۹۶۰ء کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ وہ لوگ جو اس سفر میں میرے ساتھ تھے اور وہ آبادیاں بھی جو مسجدِ نبویؐ اور جنت البقیع کے درمیان آباد تھیں۔ ان ہی تنگ گلیوں کوچوں اور بازاروں سے گذر کر ہم جنت البقیع روز جایا کرتے تھے۔ اس وقت جنت البقیع کے گرد احاطہ تھا اور ایک بڑا باب تھا جس سے گذر کر ہم اندر جاتے اور آلِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر اصحابؓ کی قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے لیکن کھڑے کھڑے کیونکہ ان مقابرِ مقدسہ پر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہاتھ رکھنے کی۔ ہمہ وقت وہاں شرطے (سپاہی) موجود رہتے تھے اور کسی بھی فرد کو کسی قبر کے قریب بیٹھنے کی

اجازت نہ دیتے ۔ ہم عموماً سیدھے اس حصے میں چلے جاتے جہاں اہلبیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدفون ہیں وہاں تو ایسی پاک و محترم ہستیاں مدفون ہیں کہ ان کا خیال آتے ہی جگر منہ کو آنے لگتا ہے اور زارو قطار رونے کو جی چاہتا ہے، لیکن یہاں کھل کر رونے پر بھی پابندی ہے مگر جیسے ہی خاتونِ جنت فاطمہ الزہراؑ کا نام زبان پر آتا ہے دل بے قابو ہو جاتا ہے اور میں زارو قطار رونے لگتا کبھی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں، ماحول سے بے خبر دل کی بھڑاس نکالتا اور جب دل بھر کر خوب رو لیتا تو جسم و جان و دماغ ہلکا ہو جاتا اگر آپ سن سکیں تو بتاتا ہوں وہاں کیسی کیسی ہستیاں محوِ استراحت ہیں جن کی قبروں پر آپ ہاتھ رکھ کر فاتحہ درود و سلام بھی نہیں پڑھ سکتے ۔ وقت وقت کی بات ہے ۱۹۲۵ء سے قبل یہاں گنبد تھے، مقبرے تھے اور تعویزِ قبر تھے اب سب ختم ہو گئے سب منہدم کر دیئے گئے ہیں ۔ قبر کے نشان تو مٹا دیئے گئے لیکن دلوں کے نشان کون مٹا سکتا ہے یہ تو اور گہرے ہو گئے ۔ حق تو یہ ہے کہ جوں جوں جفا میں اضافہ ہوتا ہے وفا بڑھتی جاتی ہے ۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان ہر زخم پر راحت محسوس کرتا ہے اور معبودِ حقیقی سے لو بڑھتی جاتی ہے ۔ یہی عالم تھا اہلبیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب ان پر خلافت راشدہ کے بعد مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مولائے کائنات حضرت علیؑ کا دور ختم ہوا اور آلام و مصائب کا دور

شروع ہوا ۔ ان ذواتِ مقدسہ کے نام نامی مٹانے کی بڑی کوشش ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، ان کے نام وقت کے ساتھ منور سے منور تر ہوتے چلے جاتے ہیں:

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

قبورِ اہلِ بیتِ رسولؐ کا ذکر

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ مکہ مکرمہ کے قبرستان " جنتِ المعلیٰ " میں محوِ خواب ہیں وہاں بھی نہ تو قبہ ہے اور نہ گنبد صرف نشانِ قبر باقی ہے ۔ انہدام قبور سے قبل گنبد اور قبہ موجود تھا (تصویر زینتِ کتاب ہے) امہات المومنین میں جناب ام سلمہ اور جناب ام حبیبہ دمشق میں مدفون ہیں، دونوں محترم ہستیاں مختلف گنبد اور قبہ میں محوِ استراحت ہیں ۔ میں نے اس سفر نامہ کی تکمیل کے سلسلہ میں اسی سال ماہ اگست ۱۹۹۴ء دمشق اور استنبول کا سفر اختیار کیا تھا اور اپنے عزیز ترین دوست سید وثاق الحسن رضوی کے ساتھ ان قبور پر فاتحہ پڑھنے حاضر ہوا تھا ۔

ان دو امہات المومنین کے علاوہ باقی سب کی قبریں جنت البقیع میں ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۔ حضرت عائشہ ۔ حضرت صفیہ ۔ حضرت جویریہ ۔ حضرت زینب بنتِ جحش ۔ ان کے علاوہ آنحضرت کی صاحبزادیاں، زینب، رقیہ، ام کلثوم کی قبریں بھی اسی حصہ جنت البقیع میں واقع ہیں ۔ یہ سب مقابر پرانے دروازہ (جواب بند کر دیا گیا ہے) کے بائیں جانب ہیں ۔ جنت البقیع کے قدیمی دروازہ کے بائیں جانب جناب اسماعیلؑ ابنِ امام

جعفر صادقؑ کی قبر ہے، آپ امام جعفر صادقؑ کے بڑے فرزند تھے لیکن آپ کا انتقال امام کی حیات کے دوران ہی ہوگیا تھا ۔ جناب اسماعیلؑ کو امام ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں، اس مقام سے ذرا آگے کی جانب قبور ہائے اہلِ بیتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یعنی امام حسن علیہ السلام ، امام زین العابدین علیہ السلام ، امام جعفر صادقؑ امام محمد باقر علیہ السلام اور خاتونِ جنت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں ۔ ترکوں کے دورِ حکومت میں جنت البقیع کے اس حصہ میں گنبد تھے ، قبے تھے تعویذِ مقابر تھے لیکن ۱۹۲۵ ء کے بعد یہ سارے گنبد و قبے مہندم کر دیئے گئے میں نے اپنے احساسات قلم بند کر دیئے ہیں ان تمام احساسات کے باوجود جو دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں میں کسی طبقہ ، گروہ یا حکومت کے بارے میں کوئی ذاتی فیصلہ صادر کرنا نہیں چاہتا ۔ ایک دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب کو حاضر ہونا ہے وہی فیصلہ کرنے والا ہے:

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا
قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

مواجہ شریف میں قرآن خوانی

میں ہر روز مواجہ شریف سے گذرتے ہوئے دیکھتا کہ کچھ لوگ مواجہ شریف کی جنوبی دیوار سے کچھ فاصلہ پر روضہ رسول الثقلین (جن و انس کے رسولؑ) کی طرف پیٹھ کئے بیٹھے تلاوتِ قرآن کریم کر رہے ہیں ۔ تلاوت قرآن کا ثواب ہے اس سے کون اختلاف کر سکتا ہے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو آئے ہوئے لوگ حضورؐ کے روضہ مبارک سے منہ پھیر کر بیٹھ کئے ہوئے تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول ہوں کچھ عجیب سی بات ہے، میرے نزدیک تو یہ نہایت بے ادبی ہے۔ تلاوت کے لئے پوری مسجدِ نبویؐ ہے۔ روضہ اقدس کی طرف پشت کرنا تو درکنار یہاں سے گذرتے ہوئے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہوئے نہایت ادب سے گذرنا چاہیئے۔ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں چند اشعار میرے لبوں پر ہیں آپ بھی سنتے چلیں:

دل و جانم فدایت یا محمدؐ
سر ما خاکِ پایت یا محمدؐ

منزل ملی مراد ملی مدعا ملا
مل جائیں گر حضورؐ تو سمجھو خدا ملا

محمدؐ در عرب سردارِ دین است
چراغ آسماں شمع زمین است

اب تک میں نے شہر مدینہ منورہ، حرم مسجدِ نبویؐ، مسجدِ قبا، جنت البقیع کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ واپسی وطن کے دن قریب سے قریب تر آتے جا رہے تھے لہذا ہم نے طے کیا کہ دیگر مقدس مقامات اور مساجد کی زیارت کی جائے۔

چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوا - اب ان مساجد کی زیارت بھی کی جائے اور حسبِ موقع دو رکعت نمازِ نفل بھی ادا کر لی جائے کیونکہ میرے مقاصدِ سفر کا مقصد بھی ثواب کا حصول اور قربِ خداوندی حاصل کرنا ہے - اب ان مساجد اور دیگر مقامات کے حالات نذرِ قارئین ہیں -

مساجدِ مدینہ

مساجد چھوٹی ہوں یا بڑی سب ہی کی تقدیس اور تکریم لازمی ہے لیکن کچھ مساجد کی حیثیت تاریخی بھی ہے لہذا ان کا بیان تو شامل ہو گا ہی ساتھ ساتھ دیگر مساجد کا ذکر بھی ہوتا رہے گا۔ خدا کرے کہ میں زیادہ سے زیادہ مساجد کا ذکر کر سکوں اور ان کی عکسی تصاویر بھی شاملِ کتاب کر سکوں میری تو یہی دعا ہے -

مسجدِ قبا کا ذکر پہلے آ چکا ہے یہ کرۂ ارض پر اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حصہ لیا تھا - یہ ان چار مقدس مساجد میں شمار کی جاتی ہے جن کا اسلام میں بہت احترام ہوتا ہے یعنی خانہ کعبہ (مسجدِ حرام) مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ نبویؐ مدینہ منورہ اور مسجدِ قبا - مسجدِ قبا پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبا پہنچنے کے بعد جہاں آنحضورؐ نے چوبیس دن (بعض روایتوں کے مطابق چار روز) قیام فرمایا تھا تعمیر کی گئی تھی - تصویر شاملِ کتاب ہے -

مسجدِ ضرار

اس مسجد کا وجود ختم ہو چکا ہے، ذکر ضروری ہے کیونکہ یہ اہم واقعے سے منسلک ہے۔ مسجدِ قبا کے قریب ہی چند لوگوں نے جو بظاہر مسلمان لیکن بباطن کفر اور الحاد میں مبتلا تھے گویا اعلانِ اسلام تو کر دیا تھا لیکن ایمان ان کے قلب تک نہیں پہنچا تھا۔ (تاریخ اسلام میں ان کے علاوہ اور بھی کچھ افراد ایسے ملیں گے جو بظاہر مسلمان بباطن مشرک اور دشمنِ اسلام رہے ہیں) ایک اور مسجد کی بنیاد ڈالی اور مسجد تعمیر کر ڈالی۔ بعدِ تعمیرِ مسجد آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے آپؐ اس مسجد میں نماز ادا فرمائیں تو یہ بات ہمارے لئے باعثِ سعادت ہو گی اور مسجد کے لئے برکت کا ذریعہ۔ رب العالمین تو دل کا حال بخوبی جانتا ہے آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی کہ آپؐ اس مسجد میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں۔ چناں چہ حکمِ خداوندی کے تحت آپؐ نے اس مسجد کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا اور دشمنانِ اسلام کی اسکیم کو سرے سے ملیا میٹ کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ دشمنِ دین حضورؐ کے پاس ایسے بھی آتے تھے جو دراصل کافر تھے اور ظاہری طور پر مسلمان اور مل جل کر کاری وار لگانا چاہتے تھے۔ ایسے لوگوں میں عبد اللہ ابن ابی بن سلول کا نام سرفہرست ہے۔ ان کا بہت ہی خطرناک گروہ تھا۔ یہ لوگ بظاہر کلمہ گو تھے اور اپنے کو مسلمان اور صحابیِ رسولؐ کہتے تھے لیکن یہ لوگ دراصل مسلمانوں کے اندر رہ کر اسلام دشمنی کرتے تھے یوں سمجھئے یہ مارِ آستین تھے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

لیکن مسجدِ ضرار کی خاکستری سے ایسے لوگوں کی تمام خباثتیں عیاں ہوگئیں اور ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس سال ماہِ رمضان المبارک میں جب میں نے مدینہ منورہ میں حاضری دی اور مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تو معلوم ہوا کہ مسجدِ قبا سے ذرا فاصلہ پر جو توالت (Toilet) ہے یہی وہ مقام ہے جہاں کفر اور نفاق کے بانیوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی جس کا وجود اب باقی نہیں رہا ہے۔

مسجدِ جمعہ

مسجدِ جمعہ کو مسجدِ الوادی اور مسجدِ عاتکہ بھی کہتے ہیں وادی رانوناء میں ہجرت کے بعد چند روز قبا میں قیام (چوبیس یا چار دن قیامِ قبا) کے بعد حضورؐ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں ابھی قبیلہ بنی سالم میں پہنچے ہی تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ اسی مقام پر ادا کیا جہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی اسی وجہ سے اس کو مسجدِ جمعہ کہتے ہیں۔ میں اس مسجد میں نمازِ جمعہ نہ پڑھ سکا کیونکہ مجھے صرف ایک جمعہ دورانِ قیامِ مدینہ منورہ میں نصیب ہوا تھا لہذا میں نے نمازِ جمعہ مسجدِ نبویؐ میں پڑھنے کا شرف حاصل کیا جس کا ذکر قدرے تفصیل سے اگلے صفحات میں مندرج ہے۔

مسجدِ الفضیخ

مسجدِ الفضیخ قدیم نام ہے اب اس مسجد کو مسجدِ شمس کہتے ہیں۔ جب میں یہاں حاضر ہوا تو عزیزی علی عباس سلمہ نے مجھے اس مسجد کے متعلق

ایک واقعہ سنایا تھا میں خاموش رہا، نوٹ تو کر لیا تھا لیکن سچ پوچھئے تو مجھے اس وقت یقین نہیں آیا تھا۔

اب جب میں نے یہ واقعہ " دیارِ رسولؐ مدینہ منورہ ماضی اور حال کے آئینے " اور " دیار المحبوب " صفحہ ۱۴۴ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں پڑھا تو سپردِ قلم کر رہا ہوں ۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد، مسجدِ قبا کے پاس مشرقی جانب ایک بلند مقام پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے ۔ یہ مسجد بغیر چھت کے ہے ۔ جس وقت حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تھا اسی جگہ خیمہ زن ہوئے تھے اور کئی روز نمازیں ادا کی تھیں ۔ بعض روایات کے مطابق انصار کی ایک جماعت اسی جگہ بیٹھ کر فضیخ ایک قسم کا مشروب پیا کرتی تھی جب حرمتِ شراب کی آیت نازل ہوئی تو سارا مشروب یعنی فضیخ گرا دیا گیا اسی وجہ سے اس مسجد کا نام فضیخ پڑ گیا ۔ اس مقام کی جہاں فضیخ گرائی گئی تھی نشان دہی اب بھی کی جاتی ہے ۔

مسجد مشربہ ام ابراہیم

یہ مسجد بغیر چھت بنی قریظہ کے شمالی جانب حرۂ شرقیہ کے نزدیک کھجور کے باغ میں واقع ہے یہاں سرورِ کائنات محمدِ مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی ۔ اب ظاہر بظاہر ایک احاطہ سا لگتا ہے لیکن کبھی مسجد رہی ہو گی ۔

مسجدِ طریق السافلہ

یہ مسجد حضرت ابو ذرغفاریؓ کے نام سے بھی مشہور ہے ۔ حضرتِ حمزہؓ کے مقامِ شہادت کی طرف جائیں تو یہ مسجد راستہ میں پڑتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد میں ایک طویل سجدہ فرمایا تھا جب سر اٹھایا تو فرمایا کہ جبریلِ امین وحی لائے تھے کہ " آپؐ کا پروردگار فرماتا ہے جو شخص آپؐ پر درود و سلام بھیجتا ہے میں اس پر درود و سلام بھیجتا ہوں اور جو اشخاص آپؐ پر سلام بھیجتے ہیں میں ان پر سلام بھیجتا ہوں ۔ " میں نے اپنے پروردگار کی اس نعمت پر سجدۂ شکر ادا کیا خداوند کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم قرآن مجید میں فرمایا ہے : **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی ۔ یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما**

مسجدِ بنی قریظہ

اب یہ مسجد مسمار ہو چکی ہے ، صرف ایک چبوترہ بطور یادگار باقی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو اس جگہ قیام فرمایا تھا اور نمازیں ادا فرمائی تھیں ۔ بعد میں یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی گئی تھی جو امتدادِ زمانہ سے مٹ گئی صرف اس کا نشان باقی ہے ۔ یہ مسجدِ شمس کے مشرق میں حرۂ شرقیہ کے نزدیک باغات کے پاس واقع تھی

مسجدِ غمامہ

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد دوسرے سال یعنی ۲ ھ میں پہلی بار آنحضرتؐ نے یہاں نمازِ عید ادا فرمائی تھی، نماز استغفار بھی حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں ادا کی تھی ۔ سفر سے واپسی پر یہاں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا فرمایا کرتے تھے ۔

مساجدِ سبعہ

مسجدِ فتح یا مسجدِ احزاب

یہ مسجد قدرے بلندی پر ہے تقریباً پندرہ زینے چڑھ کر آپ مسجد تک پہنچ سکتے ہیں ۔ جنگِ خندق کے موقع پر حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین روز متواتر یہاں قیام فرمایا اور فتح کے لئے دعا فرمائی، آخر کار جنگِ خندق یا جنگِ احزاب میں حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہاتھوں فتح نصیب ہوئی اور مشرکینِ مکہ کا بہادر ترین پہلوان عمرو ابن عبدود شیرِ خدا علی مرتضیٰؑ کے ہاتھوں لقمۂ اجل ہوا ۔ رسولِ مقبولؐ کی دعا قبول ہوئی جنگِ خندق فتح پر ختم ہوئی ۔ ہم اس مسجد میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھنے کا شرف نصیب ہوا ۔ میری اہلیہ بھی فشارِ خون کی تکلیف کے باوجود یہاں سیڑھیاں چڑھ کر پہنچیں اور ہم سب نے رب العزت کا لاکھ لاکھ شکرانہ ادا کیا اور نماز ادا کی ۔ علی عباس اور ان کے اہل خانہ ہمارے ساتھ تھے ۔ مسجد سے نکلتے ہوئے علی عباس سلمہ نے تصویر کشی بھی کی جو شاملِ کتاب ہے ۔ اس علاقہ اور مسجد میں روشنی کا معقول انتظام ہے ۔

مسجدِ سلمان فارسیؓ

یہ ایک چھوٹی اور کچی مسجد ہے ۔ ہم وہاں حاضر ہوئے اور نمازِ شکرانہ ادا کی ۔ اس ننھی سی مسجد سے ہمہ وقت بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی ہے ۔ یہ مسجد بہت ہی پرانی ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ اب تک اصل حالت میں ہے لوگ کثرت سے آتے رہتے ہیں ۔ یہاں روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہے لیکن قدرتی روشنی سے منور رہتی ہے ۔ چونکہ یہاں ذکر مسجدِ سلمان فارسیؓ کا چل نکلا ہے لہذا اگر کچھ اس نام کی نسبت سے حضرت سلمان فارسیؓ کے حالاتِ زندگی اختصار سے بیان کر دیئے جائیں تو نہایت مناسب ہو گا ۔

حضرت سلمان فارسیؓ ہجرت کے پہلے سال ہی مشرف بہ اسلام ہوئے اصلاً یہ فارسی (ایرانی) اور مذہباً مجوسی تھے مگر حق کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہے بعد میں نصرانیت اختیار کر لی ۔ خوبی قسمت دیکھئے کہ ایک نصرانی عالم کی ہی وصیت کے مطابق حلقہ اسلام میں داخل ہوئے ۔ دس بار غلام بنائے گئے اور فروخت ہوئے ، قسمت نے یاوری کی ، ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ منورہ پہنچے اور اسلام قبول فرمایا ۔کہتے ہیں کہ قبولِ اسلام کے وقت آپ کا سن ڈہائی سو سال تھا ۔ بظاہر یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عہدِ قدیم میں لوگ کئی کئی سو سال زندہ رہتے تھے ۔ نظامِ قدرت کے تحت انسان سینکڑوں کیا ہزاروں سال زندہ رہ سکتا ہے ۔ اصحابِ کہف کا واقعہ ذہن میں رکھئیے کہ کتنے سو سال سوتے رہے اور پھر جاگے تو زمانہ بدل چکا تھا ۔ وہ غار جہاں اصحابِ کہف کئی سو سال سوتے

رہے اسی سال ماہ اگست ۱۹۹۴ء میں دمشق کے سفر کے دوران مجھے دیکھنا نصیب ہوا۔

مسجدِ سلمان فارسیؓ کے قریب مسجدِ ابو بکرؓ اور مسجد عمرؓ بھی واقع ہیں۔ چونکہ مقامِ خندق پر مسجدِ ابو بکرؓ نئے سرے سے تعمیر ہو رہی ہے اس لئے نماز مسجدِ عمرؓ میں ہوتی ہے۔ خیال ہے کہ اس مسجد کو اتنا وسیع کیا جائے گا کہ یہ دونوں مساجد ایک ہو جائیں گی اور جمعہ کی نماز یہاں بھی ہوا کرے گی۔

مسجدِ علیؑ

یہ بھی ایک پرانی چھوٹی سی مسجد ہے اور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں روشنی کا قطعی انتظام نہیں ہے لیکن نظامِ قدرت دیکھئے کہ ساتھ والے پارک کی روشنی درختوں سے چھن چھن کر آتی ہے، اسطرح ہمہ وقت منور رہتی ہے۔ چاندنی رات میں اس مسجد کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے، مسجد کا اور اس نام نامی کا نور جس نام سے یہ ننھی سی مسجد موسوم ہے اس مسجد کو نور علیٰ نور کرتی ہے۔ یہاں بھی مسجدِ سلمان فارسیؓ کی طرح ہر وقت بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی ہے یہاں ہم سب کو شرفِ حاضری ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ ہماری آنکھیں پر نور ہوئیں اور دل بیحد مسرور یہاں حاضری دے کر دلی سکون نصیب ہوا۔ خدا سب مومنین اور مومنات کو یہ دن دکھائے۔ آمین ثم آمین۔

مسجدِ فاطمہؑ

یہ بھی ایک کمرہ کی چھوٹی سی مسجد ہے ۔ مسجد پر چھت نہیں ہے فرش بھی کچا ہے ، نمازیوں کے لئے بہر حال قالین بچھا ہوا ہے ۔ روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہے لیکن ساتھ والے باغ کی دھیمی دھیمی روشنی آتی رہتی ہے ۔ چھت نہیں ہے لیکن درختوں کی شاخیں قدرتی نظام کے تحت چھت کا کام کرتی ہیں صدیوں کی شکست و ریخت کے باوجود معجزانہ طور پر آج بھی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جوں کی توں بے چھت موجود ہے :

باد چو حکمِ ازل جائے تو بے انقلاب
باد چو عمر ابد عز تو بے انتہا

درِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا یہ کشکول بردار و دریوزہ گر ان تمام مساجد کہ جن کا ذکر ہو چکا ہے جہاں بھی حاضر ہوا میرے ساتھ میری شریکِ حیات اور علی عباس کے اہلِ خاندان بھی تھے ہم سب نے دو دو رکعت نماز ادا کی اور نہایت خضوع و خشوع سے ہمہ تن محوِ دعا ہو گئے :

رواقِ منظر چشم من آشیانہ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ ، خانہ تست

اب عرض کرتا ہوں کہ یہ مسجد خاتونِ جنت جگر پارۂ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نامِ نامی سے منسوب ہے ۔ ہم دونوں محوِ دعا تھے علی عباس نے تصویر کشی کر لی ۔ یہ دونوں تصاویر زینتِ کتاب ہیں ۔ لفظ زینت میں نے

یوں استعمال کیا کہ یہ مسجدِ فاطمہؑ ہے میں تو بندۂ عاصی ہوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ۔ کیاکہنے رمضان المبارک کے شب و روز ہوں اور مدینہ منورہ میں ہم جیسے بندگانِ عاصی کے لئے فخر و مباہات کا سامان مہیا ہو ۔ ایسا لگتا ہے کہ اس مسجد میں صفائی کا انتظام نہیں ہے درِ مسجد کے ساتھ ایک جھاڑو رکھی تھی ہم سب نے مسجد میں جھاڑو دینے کا شرف حاصل کیا اور بہت مسرور ہوئے ۔ اسی دوران ایک عرب خاندان وہاں آگیا انہوں نے بھی پہلے مسجد کی صفائی کی بعد ازاں نماز میں مشغول ہوگئے اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مسجد کی صفائی ستھرائی کرنا لوگ اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور کیوں نہ سمجھیں یہ مسجد جس ہستی کے نام نامی سے موسوم ہے کبھی ان کے دست وپاو پیشانی اللہ کے حضور اسی زمین سے مس ہوئے ہوں گے ، وہاں ہم جیسے لوگ بھی سجدہ کرنے کا شرف حاصل کریں یہ ہمارے لئے باعثِ افتخار ہے :

مسجدِ قبلتین

یہ مسجد مساجدِ سبعہ کے مغربی جانب وادی عقیق اور بئرِ رومہ کے نزدیک واقع ہے ۔ اس کا پرانا نام مسجدِ بنی سلمہ تھا ۔ ایک روز سید المرسلین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف تشریف لائے ہوئے تھے اور نمازِ عصر ادا فرما رہے تھے ، ابھی دو رکعت ہی ادا کی تھی کہ وحی نازل ہوئی کہ قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تبدیل کر دیا گیا ہے نماز پڑھتے

پڑھتے ہی آپؐ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر لیا اور آخری دو رکعتیں اسی جانب یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کیں اسی وجہ سے اس کو مسجدِ قبلتین کہتے ہیں ۔ ہم سب لوگ یہاں مسجدِ فتح اور دیگر مساجد جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کی زیارت کے بعد حاضر ہوئے تھے، ہم نے اس مسجد میں بھی نمازیں ادا کیں ۔ درود و سلام میں مشغول ، وہ مقام بھی دیکھا جہاں آیتِ تحویلِ قبلہ نازل ہوئی تھی، یہ آیتِ مبارکہ اس دیوار پر جلی حروف میں لکھی ہوئی ہے جو بیت المقدس کی طرف ہے ۔ خانہ کعبہ یعنی مسلمانوں کا موجودہ قبلہ بالکل اس کے برعکس ایک سو اسی ڈگری پر واقع ہے ۔ تحویلِ قبلہ کے بعد نمازیوں کی کیا صورت رہی ہو گی، خاتم النبیینؐ نے رخ تبدیل کیا تو کیا صورت بنی، آیا آنحضورؐ کے رخ تبدیل کرتے ہی دیگر نمازیوں نے جو اقتدا میں رہے ہوں گے انہوں نے بھی رخ تبدیل کر لیا یا یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضورؐ اس وقت تنہا رہے ہوں اور تنہا ہی نماز ادا کر رہے ہوں ۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی کیوں کہ یہ واقعہ تو ہجرت کے بعد ابتدائی دور یعنی تقریباً ڈیڑھ سال بعد کا ہے ۔ یہ بات میرے ذہن میں آئی تو لکھ دی تاکہ اہلِ دانش و بینش و اولی الابصار اس امر پر غور و فکر کریں اور وضاحت فرمائیں ۔

ان مساجد کا اب تک ذکر ہوا جہاں میں حاضر ہو سکا، ان کے علاوہ بھی کافی مساجد مدینہ منورہ میں ہیں چونکہ میرا قیام مدینہ منورہ میں مختصر تھا اس وجہ سے تمام مساجد کی زیارت نہ کر سکا لیکن ان کا ذکر کئے دیتا ہوں کہ جب قارئین وہاں جائیں تو ان کی زیارت بھی کر سکیں ۔ میری آرزو ہے اور

کوشش بھی کہ اگلے سال تین یا چار ہفتے صرف مدینہ منورہ میں گذاروں:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

خواہش اپنی ہے یہ آرزو پوری ہو یا نہ ہو اللہ رب العزت کے کرم پر منحصر ہے ، میری اگر یہ آرزو بر آئی تو ان شاءاللہ ضرور ان بقیہ مساجد کے بارے میں جو میرے ذاتی مشاہدات اور معلومات ہوں گی وہ آئندہ آپ حضرات کو پہنچانے کی کوشش کروں گا ۔ مساجد کے نام حسبِ ذیل ہیں: ۔ مسجدِ ذباب ، مسجدِ عینین ، مسجدِ وادی ، مسجدِ سقیاء اور مسجدِ مباھلہ ۔ علاوہ ازیں کم و بیش چالیس اور مساجد ہیں جن کے متعلق معلومات بہت کم ہیں ۔ اب تک تو ان مساجد کا ذکر ہوا جو مدینہ منورہ میں واقع ہیں یا مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں ہیں ۔ اب چند ان مساجد کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو مدینہ سے باہر یا مدینہ اور مکہ کے راستے میں واقع ہیں ۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ ویزا صرف مدینہ اور مکہ کا ملتا ہے ان حدود سے باہر جانا خطرہ سے خالی نہیں ہاں ان مقامات کی زیارت کر سکتے ہیں جو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہیں ۔ بقیہ جو مساجد شہر مدینہ اور شہر مکہ کی حدود سے باہر ہیں وہاں کا رخ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں خطرہ کا احتمال ہے ۔ ۔

مسجدِ ذی الحلیفہ یا مسجد شجرہ

اس مسجد کو مسجدِ شجرہ بھی کہا جاتا ہے ۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامِ مدینہ کے دوران جب پہلی بار عمرہ کی

نیت سے اور دوبارہ حج کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے تو اس مقام پر قیام فرمایا تھا اور درخت سمرہ کے سایہ میں احرام باندھا تھا - یہ مقام اب اہلِ مدینہ کا میقات ہے - پرانی مسجد تو باقی نہ رہی لیکن ۱۱۸۶ھ میں اس کی تجدید کی گئی - کافی وسیع و عریض ہے بعد میں مزید توسیع ہوئی ہے -

مسجدِ تعریس یا مسجد معرس

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ احمدِ مجتبیٰ سرورِ کائناتؐ نے بعض غزوات سے واپسی پر یہاں قیام فرمایا تھا اور نماز ادا کی تھی - کسی جگہ پڑاؤ ڈالنے اور آرام کرنے کو عربی میں تعریس کہتے ہیں ، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجدِ تعریس پڑ گیا -

مسجدِ بدر

غزوات میں سب سے پہلے غزوۂ بدر وقوع پذیر ہوا ، یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جن محاذ آرائیوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود شرکت فرمائی ان کو غزوہ کہتے ہیں اور جن معرکوں میں آپ نے خود شرکت نہیں فرمائی ان کو سرایہ کہتے ہیں - یہ پہلا غزوہ غلبہ اسلام کا پہلا زینہ ہے - اس کی یادگار میں یہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی جواب بھی موجود ہے - اس معرکہ میں شہید ہونے والوں کی قبریں بھی یہاں ہیں ، اس مقام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مزاراتِ شہدا کی بالائی جانب ریت کا ایک بڑا ٹیلہ ہے جہاں سے نقارہ کی سی آواز آتی رہتی ہے - اس کے علاوہ اور بھی کئی مساجد

ہیں مثلاً (۱) مسجدِ حلیس (۲) مسجدِ قدیہ (۳) مسجدِ سرف (۴) مسجدِ تنعیم (آخری حج کے موقع پر آنحضورؐ کے حکم سے احرام یہیں سے باندھا گیا تھا) (۵) مسجدِ ذی طویٰ - ان مساجد کے علاوہ کچھ اور بھی مساجد ہیں جن کا ذکر طوالت کی باعث نہیں کیا جا رہا ہے -

یوں تو مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ قابلِ تقدیس و ذکر ہے سب کا تذکرہ اگر کیا جائے اور احوال لکھے جائیں تو سفر نامہ بہت ہی طویل ہو جائے گا لیکن میں نے ذرا ذرا سے واقعات اور مقامات پر نظر دوڑائی ہے اور محض ضروری اور اہم واقعات پر روشنی ڈالی ہے خواہ اختصار سے سہی ذکر ضرور کرنے کی کوشش کی ہے - ابھی ابھی آپ نے مساجد کے احوال پڑھے اور آپ بھی میرے ساتھ محوِ زیارت رہے ہوں گے ، ہے نا یہی بات ؟ میں نے بھی کبھی تنہائی محسوس نہیں کی مجھے ہمیشہ اور ہر جگہ یہی محسوس ہوتا رہا کہ کچھ حضرات ہمہ وقت میرے ساتھ ساتھ زیارت سے فیضیاب ہو رہے ہیں -

کنوؤں کا ذکر

اب میں مدینہ منورہ کے کچھ کنوؤں کا ذکر کروں گا - میں اس سفر نامہ کے آغاز میں ہی لکھ چکا ہوں کہ مکہ مکرمہ ایک تجارتی مرکز رہا ہے اور مدینہ منورہ مرکزِ کاشت رہا ہے - یہاں کنویں بھی ہیں اور قدرتی چشمے بھی - یہاں کی کاشت کے بارے میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں اور خاص پیداوار کھجور کا ذکر بھی ہو چکا ہے لیکن یہاں کی اعلیٰ ترین کھجور اور اس کے خصائص کا ذکر رہ گیا تھا جو اب کئے دیتا ہوں - مدینہ کی " عجوہ " کھجوریں اپنی مثال آپ ہیں ظاہر بظاہر

چھوٹی اور خشک نظر آتی ہیں لیکن غذائیت اور اثر کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع ۔ عجوہ کھجور نہار منہ کھائیں تو کہا جاتا ہے کہ انسان زہر اور جادو کے اثر سے محفوظ رہتا ہے ۔ کھجوروں میں یہ سب سے گراں ہوتی ہے ۔ " گراں بہ حکمت ارزاں بہ علت " کی مثال اس پر صادق آتی ہے ۔ کھجور تو پھر کھجور ہے یہاں کی مٹی اور گرد میں بھی شفا پوشیدہ ہے ۔ خاکِ شفا کا ذکر تو آپ نے سنا ہی ہو گا ۔ اس دیار کی خاک میں شفا ہے جو اس خاک میں فنا ہو گیا شفا یاب ہو گیا ۔ اس مختصر سی گفتگو کے بعد میں اب یہاں کے کنوؤں اور چشموں کا ذکر کرنے جا رہا ہوں ۔

بئرِ آریس

یہ کنواں آریس نامی یہودی کے نام سے منسوب ہے ۔ یہ کنواں مسجدِ قبا کے قریب مغرب کی جانب واقع ہے ۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور لطیف ہے ۔ بعض احادیث کے مطابق سرورِ کائناتؐ نے اپنا لعابِ دہن اس میں ڈالا تھا جس کی وجہ سے لطافت اور شیرینی اس میں پیدا ہو گئی اس سے پہلے یہ ایک عام پانی کا کنواں تھا ۔ حضرت عثمانؓ کی انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی تھی جو تلاشِ بسیار کے باوجود نہیں ملی ۔ انگوٹھی کی گمشدگی کے بعد ہی سے حضرت عثمانؓ کی پریشانیاں شروع ہو گئیں ۔

بئرِ غرس

یہ کنواں بھی قبا کے مشرقی جانب نصف میل پر واقع ہے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنویں کے پانی سے وضو فرمایا تھا اور بچا ہوا

پانی اسی کنویں میں ڈال دیا تھا جس کی برکات سے پانی کی بہتات ہو گئی ۔

بئر رومہ

یہ کنواں مسجد قبلتین کے شمال میں وادی عقیق میں واقع ہے اس کا پانی بھی نہایت لطیف ، شفاف اور شیریں ہے ۔ اس کنویں کا دوسرا نام مزنی بھی ہے ۔ اس کنویں کے مالک کا نام مزنی تھا اسی وجہ سے اس کو بئر مزنی بھی کہتے ہیں ۔

بئر بضاعہ

یہ کنواں قدیم شہر مدینہ کے باب شامی کے نزدیک واقع ہے اگر آپ مقام شہادت حضرت حمزہؓ کی طرف جائیں تو یہ دائیں جانب پڑتا ہے اس کے پانی میں بہت شفا ہے ۔ علاوہ ازیں اور بہت سے کنویں ہیں جن کا ذکر کتب میں ملتا ہے ۔ لیکن طوالت کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کر رہا ہوں ۔ اب میں صرف ایک اور کنویں یعنی بئر علیؑ کا ذکر کرتا ہوں ۔

بئر علیؑ

اس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں اور یہ کنواں عموماً اسی نام سے یعنی ابیار علیؑ کے نام سے مشہور ہے ۔ عہد قدیم میں یہاں بارہ تیرہ کنویں تھے اب صرف ایک باقی رہ گیا ہے یہ مسجد میقات کے قریب واقع ہے ۔ ہم یہاں ۲۷ فروری ۱۹۹۴ء کی شب میں علی عباس کے ساتھ حاضر ہوئے تھے ۔ اس کنویں میں پانی وافر مقدار میں موجود ہے ۔ پانی میں شفا ہے اور بہت ہی شیریں ہے

یہاں لوگ دور دور سے پانی پینے اور ڈرم بھرنے آتے ہیں ۔ یہ مقامِ میقات کے قریب جدہ ۔ مکہ روڈ پر واقع ہے ۔ اس کنویں کے پاس ایک چھوٹی سی قدیم مسجد بھی ہے جو رات میں عموماً بند رہتی ہے ۔ ہم یہاں رات میں ساڑھے گیارہ بجے پہنچے تھے مسجد بند تھی۔ ہم سب نے حوض سے خوب پانی پیا علی عباس نے ڈرم بھی بھرا جو وہ ساتھ لائے تھے ۔ پانی بذریعہ مشین نکالا جاتا ہے ساتھ ہی بڑا سا حوض ہے جو ہمہ وقت بھرا رہتا ہے نل بھی لگے ہوئے ہیں ۔ گویا ایک طرح کی سبیل ہے ۔ یہاں عموماً نئے شادی شدہ عرب جوڑے برکت کی خاطر آتے ہیں اور یہاں کا پانی پیتے ہیں اور ساتھ بھی لے جاتے ہیں ۔ ہماری موجودگی میں بھی ایک جوڑا یہاں آیا تھا علی عباس نے ان سے گفتگو کی اور ہمیں بتایا کہ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ یہاں آئے تھے پہلی بیوی بھی ساتھ تھیں ۔ یہاں دوسری تیسری اور چوتھی شادی عام ہے ۔ سوکن کی کدورت یہاں کم سے کم ہے ، عورتیں بھی ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کرتی ہیں اور دوسری شادی کر لیتی ہیں ۔

یہاں کے بعد ہم مسجدِ میقات حاضر ہوئے ۔ یہ بہت بڑی مسجد ہے ، یہاں بہت سے غسل خانے بنے ہوئے ہیں جہاں حج اور عمرہ کرنے والے حضرات غسل کرتے ہیں اور احرام باندھتے ہیں ۔ مسجد کے ساتھ ہی خاصی کھلی ہوئی جگہ ہے جہاں احرام اور دیگر سامان فروخت ہوتا ہے ۔ احرام اور چپل سمیت دنیا بھر کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں ، میلے کا سماں ہوتا ہے روشنی کا بھی معقول انتظام ہے اور پھر یہیں سے لوگ احرام باندھ کر حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں ۔ دراصل یہ مسجد مدینہ والوں کے لئے میقات ہے

ان مقامات سے ہوتے ہوئے ہم واپس حرم کو لوٹے۔ یہاں پارکنگ کا سخت مسئلہ ہے۔ ایک چکر لگانے کے بعد بازار کے بالکل قریب خوش نصیبی سے جگہ مل گئی۔ تھوڑی دیر گھومتے پھرتے رہے اس کے بعد ہم تو اپنے ہوٹل میں آگئے اور علی عباس اپنی منزل کو سدھارے۔ ہمارا ہوٹل اسی بازار میں حرم کے بالکل قریب تھا۔ یہاں ہم نے کچھ تحائف بھی خریدے اس خریداری میں علی عباس نے بڑی مدد کی۔ مجھے ایرانی گائیڈ کا وہ جملہ یاد آیا۔ " تہران سستا بھی ہے اور مہنگا بھی " یعنی اگر آپ مول تول کر سکتے ہیں تو سستا ورنہ مہنگا۔ یہی حال مدینہ کا ہے کہ مول تول کے ساتھ یہاں زبان کا بھی مسئلہ ہے یہاں مول تول خوب ہوتا ہے۔

یہاں کل سے " شبِ غم " شہادتِ علی مرتضیٰ شروع ہو گی۔ ہم ٹیکسی سے ایک مجلس میں شرکت کے لئے پہونچے جہاں کچھ لوگ پہلے سے موجود تھے اذانِ مغرب ہوئی کھجور اور شربت سے روزہ افطار کیا اور نماز ادا کی۔ مجلس سے خطاب ایک ہندوستانی تاجر نے کیا مختصر لیکن وہاں کے حالات دیکھتے ہوئے نہایت جامع و مانع نہایت مناسب۔ افطار بھی مختصر یعنی کھجور اور شربت اور کھانا بھی نہایت سادہ لیکن صاف اور ستھرا یعنی کوفتے اور روٹی۔ وہاں کے حالات کے مطابق یہ اجتماع بھی بہت غنیمت تھا۔ یہاں کی روٹی دیکھ کر مجھے ایرانی روٹی یاد آگئی ٹھنڈی اور خشک۔ اسی مجلس میں مجھے ایک صاحب تقریباً اٹھارہ بیس سال بعد ملے جن کا نام مہدی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ میرے غریب خانہ پر ۲۴ ذی الحجہ کو محفل ہوا کرتی تھی اور جناب محسن اعظم گڑھی جس کی صدارت فرماتے تھے جن کا کلام میں نے شائع کرایا تھا

اس میں شریک ہوئے تھے ، مہدی صاحب نے مجھے خوب پہچانا ۔ میرے بال تو کافوری ہو چکے ہیں لیکن ان کے بال ہنوز مشکی ہیں ۔ اس کے بعد سب لوگوں نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے قیام کی جگہ روانہ ہو گئے ۔ کھانے کے دوران کئی ایسے حضرات سے ملاقات ہوئی جو کراچی کے رہنے والے تھے ۔ ایک ایسے صاحب سے وہاں ملاقات ہوئی جو میرا سفرنامہ "کوہ قاف کے اس پار" پڑھ چکے تھے ، اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور دریافت کیا کہ کوئی نسخہ ساتھ لائے ہیں ۔ میں نے نفی میں جواب دیا اور کہا "یہاں کتاب لانا مصیبت مول لینا ہے ۔" وہاں ایک ایسے صاحب سے ملاقات ہوئی جن کا تعلق بنارس سے تھا کچھ دیر میں انہوں نے پہچان لیا اور دریافت کیا "کیا آپ جے نرائن ہائی اسکول میں پڑھتے تھے؟" میں نے عرض کیا ۔ جی ہاں ۔ فرمانے لگے کہ میں نے بھی اسی اسکول سے میٹرک پاس کیا تھا آپ ایک جماعت پیچھے تھے ، تقریری مقابلہ (DEBATE) میں آپ بڑا حصہ لیتے تھے یہی آپ کی پہچان ہو گئی تھی سچ پوچھئے تو ان سے مل کر بڑی فرحت ہوئی ۔ دنیا کتنی مختصر ہو گئی ہے اور وقت کیسا سمٹ گیا ہے ، ایسے متبرک مقام پر کیسے کیسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے بھولے بسرے لوگ اور واقعات یاد آ جاتے ہیں ۔ ہوٹل پہنچتے پہنچتے رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا لیٹتے ہی سو گیا ۔ فون کی گھنٹی نے سحری کے لئے بیدار کیا ۔ سحری کھائی ، نماز پڑھی ، دعائیں پڑھیں اور تسبیح فاطمہؑ کا ورد کیا اور درود شریف پڑھتے پڑھتے سو گئے اور ایسے سوئے کہ آٹھ بجے کے بعد جاگے ۔ تیار ہوئے اور حرم کے لئے روانہ ہو گئے ۔ گیارہ بجے تک حرم شریف میں رہے ، نمازیں پڑھیں درود و سلام دل کی گہرائیوں سے پڑھتے رہے ۔ ریاض الجنت میں جگہ

مل گئی زیادہ وقت وہیں گذارا ۔ اس کے بعد مواجہ شریف میں ایستادہ ہو کر دعائیں مانگتے رہے ۔ گناہوں سے توبہ کرتے رہے اور بچشم گریاں باب البقیع سے باہر آگئے اس وقت مجھے علامہ اقبال کا ایک قطعہ یاد آگیا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

آج میری اہلیہ مجھ سے پہلے باہر آگئیں اور میرا انتظار کر رہی تھیں میں نے کہا آج آپ پہلے کیسے آگئیں ہر روز تو میں آپ کا انتظار کرتا تھا ۔ فرمانے لگیں گھڑی دیکھئے ، ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں ۔ میں تو گیارہ بجے ہی باہر آگئی تھی کیونکہ گیارہ بجے تک ہی خواتین اندر رہ سکتی ہیں ۔ ان کا فرمانا درست تھا ۔ میں بھی اٹھا تو وقت ہی پر تھا لیکن آج مواجہ شریف میں ایسا محو دعا ہوا کہ وقت کا خیال ہی نہیں رہا ۔ وہاں سے چل کر جنت البقیع گئے اور باہر راہ داری میں کھڑے ہو کر لوہے کی جالی دار کھڑکیوں سے مقابرِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ۔ دعائیں مانگتے رہے مناجات پڑھتے رہے اور کچھ دیر بعد دل گرفتہ اور چشم نم کے ساتھ روانہ ہوئے ۔ زینے اتر کر نیچے آئے اور شارع ابی ذر غفاری سے گذر کر بازار ہوتے ہوئے واپس ہوٹل پہنچ گئے ۔ آج فروری ۱۹۹۴ء کی اٹھائیس تاریخ ہے اور دن کے بارہ بج چکے ہیں ۔ اہلیہ کو

ہوٹل پہنچا کر میں خود واپس حرم پہنچ جاؤں گا اور بعدِ نمازِ ظہر ہوٹل آ کر آرام کروں گا آج زیارتِ بقیع کے موقع پر ایک بات نئی ہوئی ۔ میں ہر روز زیارت خود ہی پڑھتا تھا لیکن آج جیسے ہی ہم زینہ چڑھ کر اوپر راہ داری میں پہنچے ایک عرب بزرگ نے زیارت پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا ۔ ہم انکار نہ کر سکے ان کے ساتھ ہو لئے ۔ وہ بزرگ عربی لباس میں تھے اس مقام تک لے گئے جہاں سے ان قبروں کے نشانات دکھائی دیتے ہیں جہاں اہلبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدفون ہیں اور جہاں کبھی گنبد تھے قبے تھے اب جہاں محض قبروں کے نشان باقی ہیں یعنی اہلبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ہستیاں مثلاً خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ ، حضرت امام حسنؑ ، حضرت امام زین العابدینؑ ، حضرت امام محمد باقرؑ ، حضرت امام جعفر صادقؑ ، اور ان کے علاوہ جناب فاطمہ بنتِ اسد والدۂ گرامی حضرت علیؑ یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی محترمہ ۔ انہوں نے شہدائے احد اور دیگر مدفونین کے نام لے کر زیارت پڑھائی لیکن مجھے وہ سارے نام یاد نہ رہے ۔ میں چلنے لگا تو ان کی خدمت میں کچھ ریال بطورِ نذرانہ پیش کرنے کی جسارت کی لیکن انہوں نے انکار کیا اور ایک ضعیف خاتون کی طرف اشارہ کیا ۔ میں ان کی طرف بڑھا ۔ وہ ریال ، کچھ اور ملا کر ان کی جھولی میں ڈال دیئے وہ دعائیں دیتی رہیں اور میں آگے بڑھ گیا ۔ زیارت پڑھانے والے عموماً نہ صرف حق الخدمت لیتے ہیں بلکہ اصرار کر کے زیادہ کے طالب ہوتے ہیں ۔ مجھے یہ واقعہ کچھ نرالا سا لگا اس لئے سپردِ قلم کر دیا ۔ خدا جانے وہ انسان تھا یا فرشتہ جس نے عام روش سے ہٹ کر رقم کسی اور کو دلائی ۔ اس واقعہ کے

ساتھ ہی مجھے ایک شعر یاد آیا جو پیش خدمت ہے:

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کبھی گل بھی چھپا ہے سبز پتوں میں نہاں ہو کر

اس دن شام کو علی عباس میرے ساتھ واپس شہر آگئے ۔ سب سے پہلے ہم پی آئی اے کے مقامی دفتر گئے تاکہ واپسی کی سیٹ کی توثیق کرالیں ۔ مینجر نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا فرمانے لگے آپ پاک کارپٹ والے رضوی صاحب ہیں ۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ماشاءاللہ آپ نے خوب پہچانا ۔ کہنے لگے آپ کی فیکٹری کے علاقہ میں رہتا ہوں آپ کو اور آپ کی فیکٹری کو کون نہیں جانتا ۔ فہرست دیکھی اور فرمانے لگے آپ کی سیٹ تو پہلے ہی کنفرم (CONFIRM) ہو چکی ہے کراچی سے فیکس اور فون آیا تھا ۔ آپ اطمینان سے تشریف لے جائیں ۔ اس طرح ہم ساڑھے بارہ بجے شب ہوٹل پہنچے اور علی عباس گھر کو سدھارے ۔ ہوٹل پہنچ کر آب میوہ پیا اور کچھ پھلوں سے شغل کیا اور گرم گرم جلیبیاں بھی کھائیں جو میں نیچے ریستوران سے لیتا آیا تھا اس کے بعد لیٹتے ہی سو گیا ۔ سحری کی گھنٹی بجی ۔ بیدار ہوا حسب دستور ایک ٹوسٹ اور دہی کھایا اور ابھی لیٹا ہی تھا کہ اذان ہوئی ۔ اہلیہ سے کہا کہ دروازہ بند کر لیں میں حرم جا رہا ہوں آج کے شب و روز بہت ہی مبارک ہیں ۔ سب سے پہلے دن میں وہ بزرگ ملے جنھوں نے از خود زیارت پڑھائی اور حق الخدمت بھی نہیں لیا جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں ۔ " تاریخ مدینہ " ملنے کی سبیل پیدا ہوئی ۔ شہر مدینہ میں رات کے وقت مجلس حیدر کرار علی مرتضیٰ

میں شرکت نصیب ہوئی ۔ اور شہر مدینہ میں یعنی شہر علم میں باب العلم کی مجلس اور رمضان المبارک کی شب ۔ بتائیے اس سے بہتر ہمارے لئے کون سا دن اور کون سی شب ہو سکتی ہے؟ چنانچہ میں حرم کی طرف بھاگا تاکہ جماعت میں شریک ہو سکوں ۔

نمازِ تہجد بھی ادا کی اور نمازِ فجر بھی ۔ اس کے بعد نمازِ تشکر اور سجدۂ تشکر میں محو ہو گیا ۔ وقت کی قیدو بند سے آزاد ہو گیا اور بے حساب سجدے کئے اور کرتا ہی رہا جی یہی چاہتا:

آج سجدوں کی انتہا کر دوں
شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

شوق سجدہ میں کمی ہونی تھی اور نہ ہوئی لیکن کبھی کبھی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی ۔ تھا تو حرم میں بیٹھا ہوا لیکن ذہنی طور پر محلہ بنو ہاشم میں پھرتا محسوس کرتا ۔ محلہ بنو ہاشم حرمِ مطہر اور جنت البقیع کے درمیان کہیں واقع تھا اب ختم ہو چکا ہے ۱۹۶۰ء میں موجود تھا ۔ انہیں گلی کوچوں اور کچے پکے مکانوں اور دکانوں سے گذر کر بقیع تک جاتا اہلِ بیتِ اطہار کی قبروں پر فاتحہ ، سلام و درود پڑھتا اور آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتا پھر لوٹ آتا تھا

۱۹۶۰ء کا پورا نقشہ نظروں کے سامنے تھا ۔ میں ۱۹۹۴ء سے واپس ۱۹۶۰ء میں پہونچ چکا تھا یہ تخئیل کی کارکردگی تھی اور جذبہ دل ۔

اے جذبہ دل گر " تو چاہے " ہر چیز مقابل آ جائے

آج عجیب و غریب کیفیت مجھ پر طاری تھی:

رنگ و خوشبو میں کھو گیا ہوں
نور ہی نور ہو گیا ہوں

مجھے کچھ پتہ نہیں حرم سے کب نکلا ہوٹل پہنچا تو اہلیہ کہنے لگیں کہ آج بہت دیر کر دی ۔ اظہارِ معذرت کیا، ان کو ساتھ لیا اور پھر واپس حرم میں پہنچ گیا ۔ اہلیہ تو وقت میں مقید تھیں یا مقید کر دی گئیں تھیں ان کے لئے وقت نو سے گیارہ بجے تک متعین تھا لیکن میں مرد ہونے کے ناطے اس قید سے آزاد ۔ آج مجھے محلہ " نخاولہ " بہت یاد آیا جہاں ۱۹۶۰ء میں کئی بار گیا تھا، جہاں حضرت امام علی زین العابدینؑ کی نسل کے کچھ گھرانے آباد تھے اور جہاں ۱۹۶۰ء میں دو بار شریک ماحضر بھی ہونے کا شرف مجھے حاصل ہوا تھا ۔ اب وہ سارا محلہ ختم ہو چکا ہے سنا ہے کہ ان مکینوں کو معاوضہ دے کر کہیں دور آباد کر دیا گیا لیکن مجھے اس بار ان سب لوگوں سے سعادتِ ملاقات و شرفِ زیارت حاصل نہ ہو سکا ۔ اور محرومی رہی دل میں کسک تھی اور ہر شے میں کچھ کمی سی محسوس ہوئی ۔

جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

بہر حال وقت وقت کی بات ہے زمانہ کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے ۔ ۱۹۶۰ء کی ایک شام یاد آ رہی ہے جی چاہتا ہے کہ واقعہ سپردِ قلم کر دوں ۔ محلہ نخاولہ میں ایک عرب عالم دین قیام پذیر تھے اسم گرامی ان کا ...... لواسانی تھا ۔ ان کی دعوت پر ہم چار پاکستانی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ مغرب

کا وقت ہوا تو اذان ہوئی پھر نماز با جماعت ، نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا محترم نے مختصر تقریر کی درمیان میں ہمارے سمجھانے کو فارسی میں بھی کچھ جملے کہتے جاتے تھے ۔ تقریر ختم ہوئی تو طلقہ کمرہ میں جا بیٹھے ۔ بیٹھے اسطرح کہ ایک دائرہ سا بن گیا ۔ ہم چار پاکستانیوں کے علاوہ باقی سب عربی النسل تھے ۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا گول طشت آیا جس میں پلاؤ بھرا ہوا تھا طشت درمیان میں اور ہم سب اس کے ارد گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے ۔ مولانا نے بسم اللہ کہا اور مختصر سی دعا پڑھی ۔ حکم ہوا کھانا شروع ہو ۔ ہم سب نے بھی بسم اللہ کہا اور کھانا شروع کیا ۔ طشت تو ایک ہی تھا اور ہم کھانے والے غالباً دس یا بارہ نفر تھے یہ پلاؤ قسم کا نفیس چاول تھا گوشت اور چاول ۔ بجائے گھی کے زیتون کا تیل استعمال ہوا تھا ۔ ہم لوگ تو نہ اس طریقہ کے اور نہ ہی اس طرح کے کھانے کے عادی تھے بہر حال سب نے کھایا ہم بھی سب کا ساتھ دیتے رہے ۔ زیتون بطور اچار تو مغرب میں بھی کھایا تھا جہاں اس کو بہت مفید اور لذیذ سمجھا جاتا ہے ۔ روغن زتیون میں پکا ہوا پلاؤ یا بریانی پہلی بار کھانے کو ملی ۔ طریقہ نشست تو اسلامی ہے لیکن ہم لوگ اس کو بھول چکے ہیں ہم تو اہالیان مغرب کی طرح کرسی اور میز پر بیٹھ کر کھانے کے عادی ہو چکے ہیں یا پھر دعوتوں میں کرسی میز، فرش دسترخوان سب ہی سے آزاد فقیرانہ گھوم پھر کر چہل قدمی کر کے کھانا کھاتے ہیں اور فخریہ " بفے " کہتے ہیں ۔ درمیان میں میں نے پانی مانگ لیا پانی ایک بڑے گلاس میں ملا جو لبالب بھرا ہوا تھا سارا پیتا تو پھر کچھ کھا نہ سکتا کچھ پیا اور گلاس واپس کر دیا ۔ اسی دوران کسی اور نے فرمائش آب کر دی ۔ خادم نے اسی گلاس میں کچھ اور

پانی انڈیلا اور ان کو پیش کر دیا میں دیکھتا رہا اور خاموش رہا ۔ اس کے بعد کھانے کے دوران میں نے پانی طلب نہیں کیا ۔ ہم کو ان باتوں کا احساس یوں ہوا کہ ہم ان طریقوں کے عادی نہیں ہیں ۔ ہمارے یہاں کھانے کے دوران کسی کے طلب کرنے پر گلاس میں تھوڑا سا پانی پیش کرتے ہیں اور زیادہ بھر کر دینے کو برا سمجھتے ہیں جب کہ گلاس پر کر کے پیش کرنا عرب ثقافت سے تعلق رکھتا ہے ۔ جیسا دیس ویسا بھیس کچھ اس بارے میں کہنے کی گنجائش نہ تھی لہذا خاموشی اختیار کئے رہا ، لیکن اب رفتہ رفتہ وہاں بھی حالات بدل رہے ہیں ۔ اب میں آپ کو اسی طرح کے ایک دوسرے واقعہ سے آگاہ کرتا ہوں ۔ بارہ تیرہ سال قبل کی بات یا کچھ اور زیادہ کی ہے کویت میں تھے ایک سرکاری ضیافت میں شرکت کا موقع ملا ۔ وہاں الف لیلوی سماں تھا ساری تفصیل بتانا مقصود نہیں صرف ایک نکتہ بیان کرنا ہے ، وہاں جب ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تو ہاتھ دھونے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ پانی کے بجائے یوڈی کلون کے بوتلیں کھلیں اور سب کے چلو میں انڈیلی گئیں تا کہ ہاتھ اسی سے صاف کر لیں ۔ دیکھا آپ نے عرب ممالک میں چند سالوں میں بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی یہ ہے دولت کی فراوانی اور اسی کو اسراف کہتے ہیں جس کی اسلام میں سخت ممانعت ہے ۔ ہمیں پروردگار کو جو سریع الحساب ہے اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے ۔ بہرحال یہ بات تو برسبیل تذکرہ آ گئی اب میں واپس مدینہ منورہ چلتا ہوں آپ بھی میرے ساتھ چلیں ۔

اس سال فروری کا مہینہ اٹھائیس دنوں کا ہے سو وہ ختم ہو چکا ہے آج یکم مارچ ہے ۔ ہم آج قدرے جلدی ہوٹل سے نکلے اور حرم مطہر کے لئے روانہ ہوگئے ۔ اہلیہ کی فرمائش تھی کہ جلد چلیں تاکہ حرم میں زیادہ سے زیادہ دیر قیام کر سکیں چنانچہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہی اہلیہ (یعنی کنیز فاطمہ) خاتونِ جنت کے در پر حاضری کے لئے پہنچ گئیں دربان نے بھی نہیں روکا کہ بی بی، ابھی وقت نہیں ہوا یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے ۔

ترا در ہو میرا سر ہو میرا دل ہو تیرا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اہلیہ آج اگر چہ وقت سے پہلے ہی دربارِ حبیبِ کبریا اور چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہراؑ کے حضور حاضر ہو چکی تھیں لیکن باہر آنے میں کافی دیر کر دی ، میں تو وقتِ مقررہ پر باہر آگیا تھا تاکہ ان کو میرا انتظار نہ کرنا پڑے ۔ میں نے پوچھا کہ آج آپ نے بہت دیر کر دی ۔ فرمایا کہ باہر آنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا باہر خود سے نہیں آئی بلکہ نکالی گئی ہوں ، آج خلافِ معمول مجمع بھی بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے باہر نکلنے میں بھی کافی وقت لگ گیا ۔ میں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں خاتونِ جنت فاطمہ الزہراؑ کی مہمان تھیں ، آپ تو ان کی کنیز ہیں اور نام بھی کنیز فاطمہ ہے یعنی اسمِ بامسمیٰ ہیں ، ان کی کنیزی تو باعثِ افتخار ہے ۔ فرمانے لگیں اگر کنیزی قبول ہو جائے تو سمجھئے دین و دنیا سب مل گئی :

اے جبینِ مصطفیٰ تو ہی بتا
کتنے سجدوں کا صلہ ہے فاطمہؑ

خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ کی شان میں علامہ اقبال کے چند اشعار جو میں اکثر پڑھا کرتا ہوں پیشِ خدمت ہیں:

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

نورِ چشمِ رحمت للعالمین
آں امامِ اولین و آخرین

بانوے آں تاجدارِ ہل اتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا

مادراں را مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کاروان سالارِ عشق

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

رشتہ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جناب مصطفیٰ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
بوسہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

یہاں سے چل کر جنت البقیع حسبِ دستور حاضر ہوئے - باہر ہی سے لوہے کے جالی دار دروازوں کے پاس کھڑے ہو کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور زینہ اتر کر شارع ابی ذر غفاری پر آن پہنچے - بینک راہ میں پڑتا تھا سوچا ڈالر عوض کرالیں چنانچہ بینک میں داخل ہوگئے چونکہ اس بینک میں کئی بار جا چکے تھے لہذا مینجر پہچان گیا اس نے جلدی سے بغیر پاسپورٹ دیکھے سلپ بنا دی - خزانچی سے ریال لئے اور باہر آگئے - آج پانچ سو ڈالر کے ایک ہزار آٹھ سو پچپن ریال ملے اس سے پہلے ایک ہزار آٹھ سو ساٹھ ریال ملے تھے - بہر حال یہ معمولی سا فرق یا کمی بیشی تو ہوتی ہی رہتی ہے - ہوٹل جاتے ہوئے کچھ تازہ پھل مثلاً سیب، کیلا، ناشپاتی وغیرہ شام کے لئے خرید لئے اور ہوٹل پہنچ گئے - کافی دیر ہو چکی تھی لیٹے اور لیٹتے ہی محوِ خواب ہوگئے -

گذشتہ شب علی عباس سلمہ نے مجھے کچھ فوٹو دیئے جن کی مجھے مدت سے خواہش تھی - خداوندِ کریم علی عباس اور ان کی بیوی اور بچوں کو شاد و آباد رکھے - آمین بہ رحمتِ رب العالمین - وہ سب تصاویر میں نذرِ قارئین کر رہا ہوں تاکہ آپ سب گھر بیٹھے شریکِ بزم ہو جائیں اور ان تصاویر کی زیارت سے شاد و کامران ہوں اور مجھ عاصی کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں -

آج مارچ کی دوسری تاریخ ہے - علی الصبح چار بجے فون کی گھنٹی بجی - رسیور اٹھایا، آواز آئی سحر، سحر، ہم نے شکریہ کہا اور رسیور رکھ دیا - آج ہم نے بہت ہی کم سحر کھایا نہیں بلکہ پیا یعنی ایک کاغذی ڈبہ آبِ میوہ اور چند چمچے دہی کے اور بس پھر حرم کی جانب روانہ ہوگئے - حرم میں پہلے اذانِ تہجد ہوتی ہے، نماز ادا ہوتی ہے اور پھر تھوڑی دیر بعد نمازِ صبح - نمازِ صبح کی اذان

اور اقامت میں وقفہ دیتے ہیں تا کہ لوگ اذان سن کر نماز کے لئے دوڑیں اور نمازِ سنت ادا کریں ۔ اذان جیسا کہ ہم سب بخوبی واقف ہیں دراصل نماز کا بلاوا ہے ۔ نمازِ صبح کے بعد دعائے اجتماعی ہوتی ہے ۔ دعائے اجتماعی کے الفاظ اور آواز مسحورکن ہوتی ہے انسان کھوسا جاتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر جی چاہتا ہے کہ دعا جاری رہے ، ہم سنتے رہیں اور آمین یارب العالمین کا ورد کرتے رہیں ۔ چند منٹ بعد بہر حال دعا ختم ہونی تھی اور ختم ہوئی ۔ پھر سب عبادتِ فرادیٰ میں مشغول ہوگئے اور ہم بھی ان کا ساتھ دیتے رہے کیونکہ ہم ان ہی عبادات کے لئے وہاں حاضر ہوئے تھے ۔ آج ہم زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گذارنا چاہتے تھے دعائیں اور سجدے کرنا چاہتے تھے ۔ چناں چہ محوِ سجدہ ہوگئے:

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

بچپن میں بزرگوں نے کچھ دعائیں اور مناجاتیں حفظ کرائی تھیں بے اختیار یاد آنے لگیں ، دل ہی دل میں ان کو پڑھنا شروع کر دیا جی یہی چاہتا کہ رب العزت کی لو میں سجدے پر سجدے کرتا رہوں اور ہمہ وقت حضورِ قلب سے دعائیں مانگتا رہوں ۔ پروردگارِ ارض و سما بار بار کچھ مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور بندہ کی بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ اس موضوع پر مولائے کائنات حضرت علیؑ کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں :۔

۱۔ سالت عبدی و انت فی کتفی

اللہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے مجھ سے سوال کیا تو میری پناہ میں ہے۔

وکل ما قلت قد سمعناہ

اور جو کچھ تو نے کہا میں نے سنا۔

صوتک تشتا قہ ملئکتی

تیری آواز کے میرے فرشتے مشتاق ہیں۔

فذ نبک اینما قد غفرناہ

پس اس وقت میں نے تیرے گناہوں کو بخش دیا۔

۳۔ فی جنۃ الخلد ماتمناہ

بہشتِ دائمی میں اس کی تمام آرزوئیں پوری ہوں گی۔

طوباہ طوباہ ثم طوباہ

اس کے لئے خوشخبری اور خوشخبری پر خوشخبری ہے

سئلنی بلا حشمۃ ولما رھب

مجھ سے بلا شرم اور بے خوف کے مانگ۔

ولا تخف اننی انا اللہ

اور مجھ سے نہ ڈر کہ میں تیرا معبود ہوں۔

(ماخوذ از دیوانِ حضرت علیؑ)

جی چاہتا ہے وہ مناجات بھی پیشِ خدمت کردوں جو بچپن میں یاد کی تھی اور بہت عرصہ بعد حرمِ مطہر میں جس کی یاد تازہ ہوئی:۔

"مناجات"

اے بے کسوں کے والی پھر ایک بار سن لے
رحم و کرم کا صدقہ پروردگار سن لے

تیرے سوا جہاں میں ہے کون سننے والا
کون و مکاں کے مالک پروردگار سن لے

پھر کوئی دل شکستہ رو رو کے کہہ رہا ہے
اے بے کسوں کے والی پھر ایک بار سن لے

آنکھوں میں اشکِ خونیں لب پر دعائے توبہ
اب دل سے تیرا بندہ ہے شرمسار سن لے

مجبور بے کسوں کی فریاد سننے والے
بے آس ہو رہا ہوں امیدگار سن لے

بے کس کی التجا ہے ناشاد کی دعا ہے
آمرزگار سن لے پروردگار سن لے

در پر ترے کھڑا ہے محزون ہو رہا ہے
کچھ تجھ سے کہہ رہا ہے اے کردگار سن لے

○○○○○

دل عزیز ز رحماں طلب کنم شش چیز
بصد ہزار تضرع ز روے عجز و نیاز

من درست دل شاد و طالع فرخ
شکوہِ وافر و عقلِ سلیم و عمر دراز

عمرہ سے واپسی پر ایک روز گھر پر اعزاء و اقرباء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میرے بھانجے علی گوہر نے کہا " ماموں صاحب آنجناب کی ایک نوٹ بک آپ کے طالبِ علمی کے زمانہ کی میرے پاس موجود ہے کہئے تو لا دوں ۔ " میں نے کہا میاں نیکی اور پوچھ پوچھ ضرور لا دیجئے ۔ چنانچہ چند روز بعد میاں علی گوہر ڈائری کے ساتھ حاضر ہوئے اور مجھے پیش کر دی ۔ پچاس سال سے زائد پرانی ڈائری دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی ۔ پوری مناجات اسی ڈائری سے نقل کر رہا ہوں ، حرم میں تو چند شعر ہی یاد آئے تھے ، داشتہ آید بکار ۔ کل شہر مدینہ ، دانش گاہِ اول اور اجداد کے شہر کو الوداع کہنا ہے ۔ کون ایسے شہر سے جدا ہونا چاہے گا لیکن نظامِ زمانہ کے تحت چارو ناچار الوداع اے شہر مدینہ الوداع کہنا ہی ہے ۔ یاد نہیں کب تک حرم میں یعنی جنتِ ارضی میں درود و سلام پڑھتا رہا اور سجدے کرتا رہا کیونکہ پروردگارِ عالم خود قرآن کریم میں درود شریف پڑھنے کے لئے ہدایت فرماتا ہے ۔

" بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (آگے اللہ تعالیٰ حکماً ارشاد فرماتا ہے) اے ایمان والو درود بھیجو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور سلام بھیجو ان کی آل پر " وہاں سے اٹھا تو مواجہ شریف تک جا پہنچا ۔ آج میری خوش نصیبی ہے کہ ازدحام کم تھا ، کافی دیر سر جھکائے دعائیں پڑھتا رہا اور جلد دوبارہ حاضری کے لئے عاجزانہ

التجا کرتے کرتے باہر آگیا۔ باہر نکلا تو گھڑی پر نظر پڑی جو صبح کے آٹھ بجا رہی تھی سیدھا ہوٹل پہنچا کیونکہ اہلیہ کو ہمراہ لے کر دوبارہ حرمِ مطہر میں آنا تھا۔ اہلیہ تیار بیٹھی منتظر تھیں۔ چند منٹ آرام کیا اور ان کو ساتھ لے کر پھر ہم حرم میں حاضر ہوگئے۔ حسبِ دستور گیارہ بجے تک حرم میں رہے۔ باہر آئے اور بقیع میں حاضری دینے پہنچ گئے۔ اہلیہ تو باہر کھڑی رہیں دعا وسلام پڑھتی رہیں لیکن میں اندر بقیع میں داخل ہوگیا۔ ہوا یوں کہ اسی وقت ایک میت دفن کے لئے لائی گئی تھی میں بھی اس میت کے ساتھ داخلِ بقیع ہوگیا۔ میت اور میت کے ساتھ والے تو آگے نکل گئے اور میں گورہائے مقدساتِ اہلبیتؑ پر رک گیا:

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہِ خاک
دفن ہو گا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

اگرچہ وہاں کوئی شرطہ (سپاہی) موجود نہ تھا لیکن میں نے مروجہ قانون کی پوری پاسداری کی اور کھڑے کھڑے زیارتیں پڑھیں اور کچھ دیر بعد بہ چشمِ نم اور دل گرفتہ باہر آگیا اہلیہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔ وہاں سے چل کر ہوٹل پہنچے اور کچھ دیر آرام کیا۔ اہلیہ تو ہوٹل ہی میں مقیم رہیں لیکن میں ظہر کی اذان کے ساتھ حرمِ مطہر پہنچ گیا اور وہیں مقیم رہا یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا ہوئی۔ میں نے آج صبح ہی اہلیہ کو بتا دیا تھا کہ حرم سے نکلتے ہوئے روانگی کی اجازت خاتم النبیین رحمت للعالمینؐ اور ان کی چہیتی بیٹی خاتونِ جنت

حضرتِ فاطمہؑ سے لے لیں کیونکہ آج شام قبلِ مغرب ہمیں علی عباس سلمہ کے گھران کے ساتھ جانا ہے رات وہیں قیام کرنا ہے اور صبح کو جدہ کے لئے روانہ ہو جانا ہے ۔ علی عباس کا گھر شہر سے باہر مطار (ایئرپورٹ) کے پاس ہے ۔ نمازِ عصر کے بعد ہم فوراً ہوٹل پہنچے اہلیہ کو ساتھ لیا ان کو حرم میں تو لے نہیں جاسکتے تھے لیکن ایک بار پھران کو جنت البقیع کی زیارت کرادی جس کی وہ بہت متمنی تھیں ۔ جیساکہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں گذشتہ شب اور آج کے دن کا بیشتر حصہ میں نے حرم میں گذارا کیونکہ شام کو روانہ ہو جانا ہے خدا جانے کیوں رات ہی سے مضمحل مضمحل سا تھا لیکن میں نے اس کا ذکر اہلیہ سے نہیں کیاکہ کہیں وہ پریشان نہ ہو جائیں، میں سمجھتا ہوں وجہ محض مدینہ سے جدائی کا غم تھاگذشتہ رات سو بھی نہ سکا تھا ۔ کل صبح کی پرواز یعنی گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر جدہ روانہ ہو جانا تھا ۔ مطار (ہوائی اڈہ) پر دو گھنٹے قبل پہونچنا تھا ۔ روزہ افطار سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل میں نے علی عباس سلمہ کے گھر ٹیلیفون کیا اور ان کی زوجہ زریں سلمہا سے کہاکہ علی عباس سے دفتر فون کر کے کہیں کہ وہ مجھے فون کریں ۔ چند منٹ بعد ان کا فون آیا تو میں نے علی عباس سے کہاکہ شام کو اپنی کار سے نہ آئیں کیونکہ پارکنگ کا سخت مسئلہ ہو گا بلکہ ٹیکسی سے آجائیں ۔ چنانچہ وہ افطار سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل آگئے ۔ ہم تیار بیٹھے تھے ہوٹل کا حساب کیا اور روانہ ہوگئے ۔ حساب کے وقت ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا آپ بھی سن لیجئے ۔ علی عباس نے ہوٹل والے سے کہاکہ ہم ایک شب پہلے ہوٹل چھوڑ رہے ہیں لہذا ہوٹل چارج

ایک دن کے کم کریں ۔ مینجر نے کہا کہ ممکن نہیں ، ہمارا کمرہ خالی رہے گا ۔ علی عباس نے کہا کہ ماہِ رمضان میں کمرہ خالی رہے یہ کیسے ممکن ہے ؟ گفتگو جاری تھی کہ دو افراد آن پہنچے اور دونوں کمرہ کے طالب ہوئے ۔ ایک کے ساتھ دونفر تھے اور دوسرے کے ساتھ تین ۔ دونفر والے صاحب سے مینجر نے کہا کہ کمرہ مل جائے گا دوسرے سے کہا کہ کچھ دیر انتظار فرمائیں ۔ پہلے شخص نے پوچھا کہ کرایہ کیا ہوگا ۔ جواب ملا تین سو ریال ۔ وہ تیار ہوگئے ۔ علی عباس بول اٹھے لیجئے دو سو ریال کے بدلے آپ کو تین سو ریال مل رہے ہیں لہذا ہمارے حساب میں دو سو ریال کم کیجئے ۔ بہر حال مینجر سو ریال کم کرنے پر رضامند ہوگیا ۔ ہوٹل والوں کو مفت دو سو ریال کا فائدہ ہوا اور ہمیں سو ریال کا ۔ صورت حال یہ ہے کہ جوں جوں عید الفطر قریب آتی جاتی ہے کمروں کے کرائے بڑھتے جاتے ہیں ۔ ہم تو پوری رقم دینے کو تیار تھے لیکن علی عباس نے کہا کہ یہاں مول بھاؤ ضروری ہے اور یہاں مول تول میں لطف بھی آتا ہے ۔ اہل مدینہ اہل مکہ کے مقابلہ میں بہت بھلے ، نیک دل اور شیریں گفتار ہیں لیکن مول بھاؤ میں پکے پھر بھی جو بات کہہ دی اس پر عمل کرتے ہیں ۔ اہل مکہ وعدہ کرکے بھی مکر جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کرلیتے ہیں ۔

جیسا کہ پہلے عرض کرچکا ہوں علی عباس پانچ بجے ہوٹل پہنچ چکے تھے ۔ ہم نے سامان قلی کو دیا اور پیدل ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چل پڑے ۔ بازار سے گذر رہے تھے راستہ میں جوھری کی دکان پر نظر پڑی اہلیہ وہاں پہونچ گئیں ۔

عورتوں کے ساتھ شاپنگ بڑا مشکل کام ہے، لیکن اہلیہ کو وقت کا احساس تھا جلد ہی دو انگوٹھیاں نواسیوں کے لئے خریدیں اور چند منٹ میں باہر آ گئیں ہم بہت خوش ہوئے کہ خواتین بھی کبھی کبھی جلد شاپنگ کر لیتی ہیں۔ افطار کا وقت قریب آ رہا تھا، ٹیکسی ملنے میں دیر ہو رہی تھی لہذا ایک PICK UP میں بیٹھ کر علی عباس کے گھر افطار سے قبل ہی پہنچ گئے۔ آسانی یوں ہوئی کہ PICK UP والا اسی طرف کا رہنے والا تھا جہاں ہم کو جانا تھا اور اپنے گھر جا رہا تھا کرایہ بھی اس نے نہایت مناسب لیا کسی قسم کی قیل و قال نہیں کرنی پڑی۔ میں نے علی عباس کی بیوی زریں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آج کھانا گھر پر نہیں کھائیں گے لہذا صرف افطار کا معمولی سا انتظام کر لیں اور بس۔ گھر پہنچے، اذان ہوئی تھوڑی دیر بعد محلہ کی مسجد سے اقامت کی آواز آئی۔ نمازِ مغرب ادا کی، افطار کیا، ایک پیالی چائے پی، کچھ دیر آرام کیا اور اذانِ عشاء کے بعد گھر سے نکلے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یہاں دکانیں عشاء کے بعد ساری رات کھلی رہتی ہیں اور نمازِ صبح کے بعد بند ہوتی ہیں۔ کچھ دکانیں تو ظہر کے وقت ہی کھل جاتی ہیں صرف نماز کے اوقات میں چند منٹ کے لئے بند ہوتی ہیں۔

ہم ریستوران کی تلاش میں ساڑھے نو بجے گھر سے نکلے۔ بچوں سے پوچھا کہاں چلنا ہے۔ سب نے بہ یک زبان کہا (KENTUCKY) میں نے علی عباس سے کہا کہ مدینہ اور کینٹوکی (KENTUCKY) - جواب ملا ہاں مگر یہاں مرغ حلال ہوتے ہیں۔ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ میں نے کہا ظاہر ہے یہاں تو ماشاءاللہ سب مسلمان ہیں۔ علی عباس کہنے لگے بچوں نے یہ جگہ

یوں پسند کی ہے کہ یہاں بچوں کے لئے کھیل کا انتظام ہے، بچے کھیل کود بھی کریں گے اور مرغ و ماہی کھائیں گے کوک (COKE) پئیں گے ان کو اور کیا چاہیئے ۔ چنانچہ ہم سب کار میں بیٹھے اور پندرہ بیس منٹ میں وہاں پہنچ گئے ۔ بچے کھیل کود میں مشغول ہوگئے ۔ ہم نے کھانے کا آرڈر دیا اور کھانے کا انتظار کرنے لگے ۔ کھانا آیا یعنی مرغ اور سلاد وغیرہ ساتھ میں آبِ میوہ بھی اور کوک (COKE) بھی ۔ بچوں کو پلایا گیا بچوں نے میرے خیال میں مرغ کم کم اور ٹماٹر کی چٹنی زیادہ کھائی جو بچ رہا وہ پیک کروالیا کہ سحری میں کام آئے گا ۔ یہاں بچے ہوئے کھانے کو گھر لے جانا معیوب نہیں سمجھا جاتا ۔ اگر وہاں چھوڑ آتے تو کھانا ضائع ہوتا اور رزق کا ضائع کرنا گناہ ہے ۔ ہمیں تو بچپن میں بتایا گیا تھا کہ چاول کا ایک دانہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے ایک دانہ بھی زمین پر گر گیا تو روزِ جزا آنکھ سے اٹھانا پڑے گا اللہ تعالیٰ ضیاع سے بہت ناراض ہوتا ہے ۔ ہم تو اس ثقافت اور ماحول میں پروان چڑھے ہیں جب کہ بچپن سے ہی روزِ حشر اور اللہ تعالیٰ کا حساب کتاب اپنی ہر نعمت کا لینا ، دل اور دماغ میں بٹھا دیا جاتا تھا ۔ لہذا ہم کیسے اسراف اور ضیاع کر سکتے ہیں ۔ چلتے ہوئے علی عباس نے میرے لئے دہی کا ایک ڈبہ خرید لیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ میں سحری میں صرف دہی کھاتا ہوں کسی نمکین شے کو ہاتھ نہیں لگاتا ۔ دہی کے علاوہ اور دیگر اشیا خوردنی بھی خرید لیں تاکہ سحری کا پورا بندوبست ہو جائے آج میں خوش نصیبی سے میزبان تھا ، مہمان نہیں ۔ صورتِ حساب یعنی BILL آیا تو علی عباس نے بٹوہ کھولا میں نے ہاتھ پکڑ لیا اور بزرگانہ شفقت

سے کہا " بزرگوں کے سامنے بچے ایسی جسارت نہیں کرتے تم گو بیوی بچوں والے ہو لیکن میرے سامنے بچے ہی ہو بل کی ادائیگی میں کروں گا تم نہیں " کہنے لگے آپ میرے مہمان ہیں یہ کیسے ممکن ہے - میں نے کہا تم اس وقت میزبان نہیں ، میں تمہارے گھر پہنچ کر پھر مہمان ہو جاؤں گا فکر مت کرو - پوری گفتگو بڑے خوشگوار ماحول میں ہوئی بچے اور بڑے سبھی شاداں و فرحاں رہے -

مسجدِ قبلتین میں حاضری

یہاں سے نکل کر ہم سب دوبارہ مسجدِ قبلتین میں حاضر ہوئے نمازیں ادا کیں اور مسجد کے مختلف حصوں کی زیارت کی - نمازِ تراویح ہو رہی تھی کچھ لوگ نمازِ تراویح میں مشغول تھے ، لیکن زیادہ تر لوگ نمازِ انفرادی پڑھ رہے تھے ، ہم بھی ان ہی میں تھے - اہلیہ اور زرین مسجد کے بیرونی حصہ سے بالائی منزل پر گئیں اور وہیں نماز ادا کی کیونکہ وہ حصہ مستورات کے لئے مخصوص ہے - ان سے باہر آنے کا وقت مقرر ہو گیا تھا چنانچہ سب وقت مقررہ پر باہر آ گئے کسی کو انتظار نہیں کرنا پڑا - اب تو یہ ایک عالیشان مسجد ہے پورے فرش پر دیوار بہ دیوار قالین بچھے ہوئے ہیں - اس مسجد کا پچھلے صفحات پر بھی ذکر ہو چکا ہے لہذا میں آپ کو یہاں محض اپنے ایک سچے جذبے کی بات بتاؤں گا اور پھر دیگر مقامات کا ذکر کروں گا - ۱۹۶۰ء میں حج کے دوران مجھے یہاں بھی حاضری دینے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جب یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی ، فرش پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور بیرونی فرش کچا تھا لیکن مجھے

کچے فرش اور چٹائیوں پر نماز پڑھ کر زیادہ سکون کی دولت نصیب ہوئی تھی ۔ نہ جانے مجھے کیوں خاک پر سجدہ کر کے بڑی لذت ملتی ہے اس کی وجہ میں خود نہیں جانتا لہذا بیان کرنے سے قاصر ہوں ۔ بے شک میرا پروردگار میری اس کیفیت سے بخوبی واقف ہے اور وہی مجھے دلی سکون کا سامان بہم پہنچاتا ہے ۔ یہ اپنے اپنے دل کی بات ہے کوئی سجدۂ شکر ادا کر کے سکون حاصل کرتا ہے تو کوئی کسی اور طریقے سے ، یہ اپنی اپنی سوچ ہے ۔ میرا تو ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ جب کبھی مجھے کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوئی یا خوشی کا موقع ہوا میں نے رب العالمین کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا ۔ نمازِ تشکر میں میری عجیب کیفیت ہوتی ہے ، اکثر ایسا ہوا ہے کہ سورۃ الحمد پڑھتے پڑھتے دل بھر آتا ہے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ، الفاظ کی صحیح ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے ۔ یہ کیفیت صرف نمازِ تشکر میں ہوتی ہے کاش ایسا ہر نماز میں ہوتا ۔ خدارا میرے اس جذبہ کو خود نمائی یا خود ستائی پر محمول نہ کیجئے گا....... حقیقت یہی ہے کہ میرا ذہن اس جذبہ کے اظہار کی اجازت نہیں دیتا تھا لیکن دل سے مجبور ہو کر اس جذبہ کا اظہار کر دیا ۔

میں عقل کے افکار کو ٹھکراتا ہوں
اور قلب کا اقرار بجا لاتا ہوں

اگر قارئین کو اس امر واقعی میں کوئی خودنمائی یا خود ستائی نظر آئے تو مجھے معاف فرمادیں اور اس حصہ تحریر کو حرفِ غلط سمجھ کر حذف کر دیں ۔ مسجدِ قبلتین سے نکلے تو علی عباس کے گھر پہنچے ان کے متعلقین کو گھر پر چھوڑا

اور ہم دونوں ایک بار پھر حرم کے لئے روانہ ہو گئے ۔ نمازِالوداع جنتِ ارضی میں ادا کی ۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھے ہونٹ کپکپائے ، جسم میں لرزہ پیدا ہوا ، زبان گنگ ہو گئی اور آنکھیں پرنم ہو گئیں اسی کیف و مستی میں بیٹھے رہے عجیب عالم تھا بیان سے باہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا بھی وقت آتا ہے ، جب ہاتھ دعا کو اٹھتے ہیں لیکن حرفِ دعا کھو جاتے ہیں لیکن دل کی بات اللہ تعالیٰ بن کہے ہی سن لیتا ہے ۔ مواجہ شریف میں درود و سلام پڑھتے ہوئے باہر آ گئے اس وقت دل کی کیا کیفیت تھی الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی ۔ ایک نظر جنت البقیع کی طرف ڈالی ، دور ہی سے سلام پیش کیا اور آہستہ آہستہ شارعِ ابی ذر غفاری پر آ گئے اور بازار میں داخل ہو گئے ۔ سارا بازار جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا ۔ کچھ تحائف خریدنے تھے علی عباس نے بڑی مدد کی ان کو معلوم تھا کون سی شے کہاں ملتی ہے ۔ دو سو تسبیحیں خریدیں جن کے دانوں پر اللہ لکھا ہوا تھا ۔ کچھ رومال ، سرمہ ، عطر ، مدینہ کی یہی سوغاتیں ہیں اس کے علاوہ کچھ اور چھوٹی موٹی سوغاتوں کی خریداری کی اور بس اس کے بعد علی عباس کے گھر کے لئے روانہ ہو گئے ۔ ہم نے وہ راستہ اختیار کیا کہ جہاں تک ممکن ہو حرمِ مطہر دیکھتے رہیں اور سبز گنبد کے مکین پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے رہیں جو باعثِ برکت و ثواب ہے گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے بارہ بج چکے تھے وضو کیا اور دعائیں پڑھتے پڑھتے سو گئے کیونکہ صبح سویرے جلد اٹھنا ہے اور نو بجے صبح مطار (ایئرپورٹ) پہنچنا ہے چونکہ پرواز قبلِ ظہر ہے لہذا ہم نے روزہ قصر کیا ۔ علی عباس کی ڈیوٹی صبح پانچ بجے سے دس بجے تک اور پھر دو بجے سے پانچ بجے تک ہوتی ہے لیکن وہ آج صبح نو بجے ہی آ گئے ۔ ہم

تیار بیٹھے تھے گاڑی میں مختصر سامان رکھا اور روانہ ہوگئے ۔ تقریباً بیس منٹ میں ہوائی اڈہ پر پہنچ گئے ۔ چونکہ پرواز اندرون ملک تھی ۔ اس لئے ایئر پورٹ پر زیادہ دیکھ بھال نہیں ہوئی اور ہم آسانی سے ڈپارچر لاؤنج میں پہنچ گئے ۔ علی عباس بھی ڈپارچر لاؤنج تک ساتھ آئے میں نے خدا حافظ شما وما کہا، انھوں نے معانقہ کیا اور بہ سلامت روی و بازآئی کہا اور رخصت ہوگئے ۔

ڈپارچر لاؤنج میں ایک بک اسٹینڈ(BOOK STAND) تھا میں نے ادھر کا رخ کیا لیکن افسوس اس امر کا ہوا کہ وہاں موجود کتابیں قابلِ فروخت نہ تھیں میں دیکھتا رہا اور دل مسوستا رہا آخر صبر کا پیمانہ لبریز ہوا میں بابِ خروج تک پہنچا اور وہاں موجود مردِ عرب سے عرض کیا کہ میں چند کتابیں خریدنا چاہتا ہوں ، وہ گویا ہوئے یہ قابلِ فروخت نہیں ہیں ۔ پھر نہ جانے ان کے دل میں کیا خیال آیا ، وہ میرے ساتھ ہولئے ۔کتابیں دیکھتے رہے دیکھتے رہے پھر میری جانب ایک کتاب بڑھا دی اور فرمایا یہ حاضر ہے ۔ میں نے پہلے تشکر کہا اور عرض کیا کہ اس کا ہدیہ کیا پیش کروں ۔ فرمایا کچھ نہیں ، یہ کتابیں برائے فروخت نہیں ہیں ۔ یہ کتاب آپ کی نذر ہے ۔ میں نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور کتاب رکھ لی ۔کتاب کا نام ہے **الحج و العمرہ** اور اس کے مرتب محمد حسام الربانی ہیں ۔ اس کتاب میں مناسکِ حج و عمرہ کے علاوہ مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے نقشے ہیں جو میرے اس سفر نامہ کے لئے بہت مفید معلومات فراہم کرتے ہیں ۔ وہ مردِ عرب انگریزی بڑی روانی سے بول رہا تھا جس کی وجہ سے مجھے بڑی

آسانی ہوئی، اس کے علاوہ خلیق بھی تھا۔ کہتے ہیں پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔

جدہ میں آمد

جہاز وقت مقررہ یعنی ساڑھے گیارہ بجے مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ ٹھیک وقت پر تیس پینتیس منٹ بعد جدہ میں زمیں بوس ہوا۔ جدہ میں سامان ملنے میں کافی دیر ہوئی۔ حمال اردو بولنے والا ملا طبعیت بھی خوش ہوئی اور آسانی بھی، ایئرپورٹ پر بہت بھیڑ بھاڑ تھی بڑی مشکل سے نصف گھنٹہ کے بعد کار کی رسائی پورچ تک ہوئی۔ سامان رکھا اور بلال میاں یعنی اپنے میزبان کے گھر پہنچے، وہ تو ہمیں چھوڑ کر دفتر روانہ ہوگئے اور ہم نے بستر سنبھالا اور ایسے سوئے کہ پانچ بجے جگائے گئے تو جاگے۔ شام کو بلال میاں کے بھائی ڈاکٹر ہلال جو مکہ یونیورسٹی میں جسمیات (PHYSIOLOGY) کے پروفیسر ہیں ان کے یہاں ہم لوگ افطار اور کھانے پر مدعو تھے، وہاں ہم وقت سے پہلے ہی پہنچ گئے انہوں نے پر تکلف دعوت کا انتظام کیا تھا کھانے والے کم لیکن کھانا بہت زیادہ اور لذیذ تھا سب نے جی بھر کر کھایا۔

واقعہ غزوۂ خیبر

قبل اس کے کہ جدہ سے روانگی اور پھر وہاں کے حالات لکھوں میرا دل و دماغ مجبور کرتا ہے کہ غزوۂ خیبر کا مختصر ذکر کروں جس کی تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ میں نے علی عباس سلمہ سے کہا تھا کہ کوئی ایسی صورت

پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم خیبر کی زیارت کر لیں ۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا یہ ممکن نہیں ہے ۔ اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے میں خاموش رہا کیونکہ وہ وہاں ملازمت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے ان کو پریشانی لاحق ہوجائے میں دل مسوس کر رہ گیا ۔ کاش قلعہ قموص دیکھ سکتا جس کو مولائے کائنات حضرت علیؓ نے فتح کیا اور جس کی بشارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی کہ "کل صبح میں علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ بھی اسے دوست رکھتا ہے اور اس کے ہاتھ سے کل قلعہ فتح ہو گا ۔" (بخاری شریف)

چنانچہ قلعہ قموص جو مرحب کے زیر کمان تھا ، اور وہ خود ہزار سواروں کے برابر بہادر سمجھا جاتا تھا بیس روز تک اسلامی لشکر کے پے در پے حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا تھا وہ شیر خدا حیدر کرار علیؓ مرتضیٰ کے ہاتھوں نہایت آسانی سے فتح ہوا ۔ مرحب غرور و نخوت کا پہاڑ ایک ہی حملہ میں زمین پر ڈھیر ہو گیا اور اس کے بعد جناب علی مرتضیٰؓ نے قلعہ پر قبضہ کر کے درِ خیبر اکھاڑ پھینکا ۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ۔ اس طرح فلک آسا اور نا قابلِ تسخیر قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا (قلعۂ قموص کی تصویر نذر قارئین ہے) جب حیدر کرارؓ فاتح خیبر واپس ہوئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر گرمجوشی سے استقبال کیا ۔ اور فرمایا کہ "علیؓ میں تجھ سے راضی ہوں" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور یہی سب سے بڑی جزا ہے ۔ میری تمنا ہے اور کوشش بھی کہ اگلے سفر میں خیبر جا کر

ان مقامات کو دیکھ سکوں ۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر ہلال اس بار میری مدد کریں گے کیوں کہ وہ وہاں مکہ یونیورسٹی میں استاد ہیں اور استادوں کی قدر و منزلت ابھی باقی ہے ۔ شاعر شیریں بیاں میرانیس نے اس واقعہ کو ایک بند میں بڑی خوبی سے قلم بند کیا ہے :

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب
بخشا علم رسولؐ خدا نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرؐ رب
در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتا درخت سے

اب میں آپ کو پھر اپنے سفر کی طرف لئے چلتا ہوں جو آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے ، تو میں ذکر کر رہا تھا ڈاکٹر ہلال کے یہاں دعوتِ افطار و طعام کا ۔ کھانے تمام اقسام کے اور پاکستانی ذائقہ والے ، خوب سیری ہوئی اور ہم نے رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور میزبان کے اس حسنِ سلیقہ اور حسنِ انتظام کی داد دی ۔

ان کی بیگم بھی کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں لیکن ان دنوں چھٹی لیکر جدہ میں مقیم تھیں ، انہوں نے شاندار دعوت تو ہم لوگوں کی کی ہی تھی مگر چلتے چلتے میری اہلیہ کو ایک جوڑا بھی تحفہ میں پیش کیا ، یعنی دعوت بھی خوب مزے لے کر اڑائی اور تحفہ بھی وصول کیا ، اس کو کہتے ہیں ہم خورما اور

ہم ثواب ۔ اصل میں ہمارے اس خاندان سے ۱۹۴۷ سے تعلقات چلے آ رہے ہیں ۔ پاکستان کے ابتدائی چند سال جیکب لائن کراچی میں قیام رہا تھا پھر سب جدا جدا ہوگئے لیکن دوری کے باوجود دل سے قریب رہے ۔ دعوت سے لوٹے تو بلال میاں نے بچوں کو گھر چھوڑا اور ہم پیدل چل پڑے ۔ تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بڑا بازار تھا وہاں جا پہنچے ۔ ونڈو شاپنگ شروع ہوئی گھومتے پھرتے ایک کارپٹ شاپ میں پہنچ گئے ۔ بہت خوبصورت قالین آویزاں تھے اور تہ بہ تہ رکھے ہوئے تھے ۔ دکان کا مالک ایک افغانی تھا، جس کا اندازہ بعد میں ہوا ۔ ایک چائنیز کارپٹ دیکھ کر دل للچایا پوچھا کہ قیمت کیا ہے ۔ بولے جو دے دیں قالین ۲ X ۴ فیٹ کا تھا، بہت خوبصورت رنگ آمیزی تھی اور ابریشم کا بنا ہوا تھا ۔ پھر پوچھا خان صاحب قیمت کیا ہے ؟ بولے چار سو پچاس ریال ۔ خریداری کا خیال تو تھا نہیں بے خیالی میں کہہ دیا دو سو ریال اور چلنے لگے ۔ خان صاحب نے فرمایا چلے کیوں قالین لینا نہیں ہے میں نے مزاحاً کہا صرف دو سو ریال میرے پاس ہیں ۔ فرمایا وہی دیدیجئے ۔ انہوں نے قالین لپیٹ کر میری طرف بڑھایا اور میں نے دو سو ریال ان کی خدمت میں پیش کئے ۔ میں حیران تھا کہ خان صاحب نے مجھے لوٹا یا خان صاحب خود لٹ گئے ۔ وطن پہنچا بچوں کو بہت پسند آیا ۔ بڑے بیٹے نے پوچھا ہے کتنے کا ؟ میں نے کہا اندازہ لگاؤ ۔ انہوں نے قیمت بتائی وہ میری دی ہوئی قیمت سے زیادہ تھی پھر مجھے اطمینان ہوا کہ میں لٹا نہیں ۔ اس کو کہتے ہیں تکے کا سودا ۔ اس کے بعد چھوٹی موٹی چند چیزیں اور خریدیں ۔ دونوں پسرزادے زین علی اور سیف علی ہر وقت ذہن میں رہے ان کا بھاگنا دوڑنا ،

نت نئی شرارتیں کرنا، آپس میں لڑنا اور پھر دادا سے شکایتیں کرنا نظروں کے سامنے رہا۔ ان کے لئے چند کھلونے اور لباس میں نے کم ان کی دادی نے زیادہ خریدے۔ علاوہ ازیں نواسوں اور نواسیوں کے لئے بھی بیٹوں اور بیٹیوں اور بہوؤں کے لئے بھی، غرض اچھا خاصا وزن ہوگیا تھا، کچھ دیر بعد بلال میاں کے بیوی اور بچے بھی اسی بازار میں آن ملے۔ ان کے ساتھ بھی کچھ شاپنگ ہوئی۔ ڈاکٹر بلال مکہ مکرمہ سے ایک بڑا ڈرم آب زم زم ہمارے لئے لائے تھے دوسرا قدرے چھوٹا ڈرم مکہ سے براہِ مدینہ ہم خود لائے تھے۔ اسطرح جدہ میں اچھا خاصا وزن ہمارے ساتھ ہوگیا۔ جمعرات کا دن آرام کر کے اور شب شاپنگ اور احباب سے ملاقات میں گذرے بہت دیر میں سوئے تھوڑی دیر کے بعد سحری کے لئے اٹھے سحری حسب عادت کی اور نماز پڑھ کر پھر سوگئے۔

حجازِ مقدس میں آخری جمعہ

آج جمعہ کا دن ہے مارچ کی چوتھی تاریخ ہے۔ سارا گھر سو رہا ہے اور میں یاد داشت لکھ رہا ہوں۔ آبِ زم زم اور دیگر تحائف عزیز و اقارب اور احباب میں تقسیم کے لئے لائے تھے۔ ہم تو عمرہ کی نیت سے گئے تھے جو بحمد اللہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمرہ کو قبول فرمائے اور ہم لوگوں کو بار بار توفیق عطا کرے کہ ہم اس سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ آمین۔ عمرہ کے تمام ارکان بہ حسن و خوبی پورے ہوئے تمام زیارتوں سے مشرف ہوئے، مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ :

تمنائیں حدِ نظر بن گئی ہیں
دعائیں سراپا اثر بن گئی ہیں

(شاطر حکیمی)

جیسا کہ ابھی ذکر کر چکا ہوں سارا گھر محوِ خواب ہے اور میں یادداشت (روز نامچہ) سپردِ قلم کر رہا ہوں ۔ یادداشت اگر ہر روز نہ لکھی جائے تو سفر نامہ لکھنا محال ہوتا ہے ۔ جن حضرات نے اس میدان کی خاک چھانی ہو میری اس رائے سے ضرور متفق ہوں گے ۔ یوں تو کچھ حضرات ایسے بھی ملیں گے جو بغیر سفر کئے سفر ناموں اور کتابوں کی مدد سے سفر نامہ لکھ ڈالتے ہیں لیکن ایسا سفر نامہ بہ بانگِ دہل کہتا ہے کہ یہ "غیر سفری" ہے ۔

آج جمعۃ المبارک اور ماہ مارچ کی پانچویں تاریخ ہے ۔ دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں اور گھر والے بیدار ہونا شروع ہو گئے ہیں ۔ میں نے پہلے ہی غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کپڑے تبدیل کر لئے ہیں ، اہلیہ بھی تیار ہیں سامان درست کر رہی ہیں ۔ بارہ بجے تک سب لوگ بیدار ہو گئے اور نمازِ جمعہ کی تیاری میں لگ گئے ۔ سوا بارہ بجے قریب کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے پہنچے مسجد بھر چکی تھی چنانچہ ہم کو بالائی منزل پر جگہ ملی ۔ مختصر خطبہ پڑھا گیا اور نہایت مختصر سی نماز ہوئی ۔ نماز فرض کے بعد زیادہ تر لوگ چلے گئے اور کچھ نمازِ سنت اور نفل انفرادی طور پر پڑھتے رہے ۔ اس طرز نماز پر مجھے شریعت کا حکم یاد آیا کہ فرض نمازیں پیشِ امام کو اختصار سے پڑھانی چاہئیں ممکن ہے کہ نمازیوں میں ضعیف ہوں ، مسافر ہوں اور مریض ہوں

سب کا لحاظ لازمی ہے ۔ اسلام فطری اور سہل العمل دین ہے اس میں دشواری پیدا نہیں کرنی چاہیئے ۔ بعدِ نماز کچھ پاکستانی حضرات سے ملاقات ہوئی ایسا محسوس ہوا ہم عرب میں نہیں اپنے عزیز ملک پاکستان میں ہیں ۔ لوگ بھی اپنے جیسے خلوص کا پیکر ، زبان بھی شیریں اور دل آویز ، لباس بھی پاکستانی ۔ کئی حضرات نے افطار اور کھانے کی دعوت دی میں نے معذرت کی اور کہا میں مہمان ہوں بلال میاں کا لیکن آج میزبان بھی ہوں کہ چند دوست کھانے پر تشریف لا رہے ہیں آپ بھی تشریف لائیے ۔ جب میں نے بتایا کہ آج میری روانگی ہے تو سب کو ملال ہوا ۔ میں مجبور تھا پروگرام بدل نہیں سکتا تھا ، عرض کیا کہ دوبارہ آنا ہوا تو ان شاءاللہ جدہ میں قیام کے لئے چند دن ضرور رکھوں گا ۔ بہر حال احباب سے رخصت ہوا اور بلال میاں کی منزل چند منٹ میں پہنچ گیا ۔ مسجد سے واپسی پر سب نے آرام کیا اور شام سے پہلے بلال نے سامان پیک کیا اور کچھ اپنا سامان بھی میرے سامان کے ساتھ رکھ دیا چند ماہ بعد ان کی دختر نیک اختر کی کراچی میں شادی ہونا قرار پائی ہے وہ سامان بچی کے لئے تھا جو بہ آسانی میرے ساتھ کراچی پہنچ گیا ۔ اسی دوران میں نے بڑے بھائی (احسن صدیقی صاحب) کو فون کیا اور خیریت معلوم کی ۔ پتہ چلا جن دنوں میں مدینہ منورہ میں تھا ان کی اہلیہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی قدرے بہتر ہوئی ، بعد میں ان کی طبیعت یکایک مزید خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کو واپس کراچی آنا پڑا ، بڑے بھائی وہیں رک گئے ان کا ارادہ تھا کہ اب حج کی سعادت حاصل کر کے ہی وطن واپس آئیں گے ۔ قدرت کو کچھ اور منظور تھا بڑے بھائی جو بظاہر ٹھیک تھے ایسے بیمار پڑے کہ

جدہ میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ یہ حادثہ اس وقت کا ہے جب وطن واپسی کے بعد میں چند روز کے لئے ڈھاکہ گیا ہوا تھا ۔ اللہ مغفرت کرے ان کی اہلیہ جن کی زندگی سے سب مایوس ہو چکے تھے بحمد اللہ اب بھی حیات ہیں ۔ اللہ کے بھید اللہ ہی جانے ۔ موت کا حال اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتایا اس کا وقت معین ہے جو ٹل نہیں سکتا" چوں قضا آید طبیب ابلہ شود ۔"

شام کو جناب ظفر رضا صاحب جن کا ذکر ابتدا میں کر چکا ہوں میرے پاس تشریف لائے ۔ اصل وجہ تو انہیں ہم کو خدا حافظ کہنا تھا اور مجھے ان کا شکریہ ادا کرنا تھا ۔ میں ان کی عنایاتِ بے کراں سے بوجھل تھا ان سے مل کر دلی خوشی ہوئی ۔ ظفر صاحب کچھ رقم مجھے دینے لگے فرمایا یہ وہ رقم ہے جو ڈاکٹر نجم الحسن صاحب مکہ مکرمہ میں ہوٹل والے کو جلدی میں نہ دے سکے تھے ۔ میں نے عرض کیا وہ مولانا سید عابد شبر صاحب قبلہ کے داماد ہیں میں یہ رقم ان سے نہیں لے سکتا لیکن وہ بضد رہے اور فرمایا یہ رقم ان کی جانب سے امانت ہے آپ کو لینا پڑے گی ۔ میرے بار بار انکار کے باوجود وہ یہ رقم چھوڑ گئے ۔ میں نے گذارش کی کہ آج روزہ ہمارے ساتھ افطار فرمائیں ۔ وہ کہنے لگے یہ امر تو میرے لئے باعثِ سعادت ہوتا لیکن آج میں ایک جگہ پہلے ہی سے مدعو ہوں ۔ یہ بہر حال ان کی مجبوری تھی میں خاموش ہو گیا ۔ جاتے ہوئے فرما گئے مجھے کراچی آنا ہے ان شاءاللہ ضرور نیاز حاصل کروں گا چنانچہ چند ماہ بعد وہ تشریف لائے ۔ ان کے پدرِ بزرگوار سے بھی نیاز حاصل ہوا ۔ ہم ایک دوسرے سے (یعنی والدِ محترم ظفر رضا صاحب) سے غائبانہ طور پر متعارف تو تھے لیکن ملاقات پہلی بار ہوئی ۔ ہوا یہ کہ جب ظفر رضا صاحب

کراچی تشریف لائے تو میں نے ان کے اعزاز میں چند حضرات کو دعوتِ طعام دی جس میں ان دو حضرات کے علاوہ چند اور افراد مثلاً مولانا مدبر صاحب مولانا عبد اللہ جوہری صاحب جو ایران (مشہد) میں مقیم ہیں غریب خانہ پر تشریف لائے اور سب سے نیاز حاصل ہوا۔

اب میں قارئین کو ایک بار پھر واپس جدہ لئے چل رہا ہوں تاکہ سفر کا آخری حصہ بھی آپ ہی کے ساتھ طے ہو۔

میں ظفر رضا صاحب کو باہر چھوڑنے آیا تو اسی وقت ڈاکٹر ہلال مع اہلِ خاندان تشریف لائے۔ آج ان لوگوں کو بھی ہمارے ساتھ افطار اور کھانا نوش فرمانا تھا۔ ہم سب واپس مکان میں داخل ہوئے۔ پہلے روزہ افطار کیا پھر بلال میاں نے ہمارا باقی سامان پیک کیا اور پھر سب نے کھانا کھایا۔ بلال میاں نے بہت اہتمام کیا تھا میری جلد روانگی سے وہ لوگ ملول تھے لیکن میری اور میری اہلیہ کی کیفیت بالکل مختلف تھی۔ وطن لوٹنے کی خوشی تھی تو ساتھ ساتھ حجازِ مقدس جو ہمارے جدِ اعلیٰ کا وطن مالوف تھا چھوڑنے کا غم بھی۔ خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے سعادتِ عمرہ حاصل کر چکے تھے مدینہ منورہ کی زیارت کر چکے تھے اور وہاں کے مقدس مقامات بہ چشمِ نم دیکھ چکے تھے۔ سیری تو نہ ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ سیری کبھی ہو بھی نہیں سکتی۔ ایک غمِ دائمی لے کر آیا ہوں اور جب بھی اس سرزمینِ پاک کی زیارت ہوئی اس میں اضافہ ہی ہوا:

کرشمہ سازی چشم برہم ، قرار دل کو نہیں کوئی دم
میں جس قدر دور ہٹ رہا ہوں اسی قدر پاس آ رہا ہوں

اسلامی ثقافت کا نام و نشان مٹتا جا رہا ہے بلکہ مستقل مٹایا جا رہا ہے جس کا غم سارے عالم اسلام کو ہے۔

ہم وہاں احباب سے مل کر سوا آٹھ بجے شب مطار (ایئرپورٹ) کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا پی۔آئی۔اے کا جہاز لیٹ ہے، کوئی نئی بات نہیں۔ہم تو اس کے عادی ہو چکے ہیں لیکن کوفت بہت ہوئی۔ اب ہم جلد از جلد وطن پہنچنا چاہتے تھے۔ مطار (ایئرپورٹ) جلد پہنچ گئے۔ سڑکیں خالی خالی تھیں۔ یہاں سڑکوں پر تراویح اور نمازِ عشاء کے بعد سخت ازدحام ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایئرپورٹ کے لئے وقت سے بہت پہلے روانہ ہو گئے تھے۔ مطار (ایئرپورٹ) پر بھی سوائے اس امر کے کہ مجمع زیادہ تھا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو پی۔آئی۔اے میں کام کرتے ہیں، بہت خوش خوش میرے پاس آئے اور فرمایا آپ نے نہ تو آنے کی خبر دی اور نہ جانے کی ہم کو کچھ تو خدمت کا موقع دیا ہوتا، میں نے ان کا خلوص سے ملنے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ میں باوجود کوشش کے ان کو پہچان نہ سکا مگر کسی طور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں ان کو پہچان نہیں سکا ہوں، میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کے دل کو ٹھیس لگے۔ اس قسم کے واقعات میرے ساتھ اکثر ہو جاتے ہیں اور رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خوش اسلوبی سے نباہ کر لیتا ہوں یہ محض پروردگار کا کرم ہے۔

جہاز میں سوار ہوا۔ سواری کی دعا پڑھی اور ایسا لگا کہ پاکستان پہنچ گیا۔ ساتھ والی سیٹ پر کراچی کے ایک بڑے تاجر اپنی اہلیہ کے ساتھ بیٹھے تھے،

سارے راستہ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اسطرح باتوں باتوں میں جدہ سے کراچی تک کا سفر ختم ہوگیا ۔ کراچی ہوائی اڈہ پر تمام عزیز و اقارب و احباب موجود تھے ۔ سب سے مل کر بہت خوشی ہوئی ۔ بڑا پسر زادہ زین علی میری گود میں اور چھوٹا سیف علی اپنی دادی حضور کی گود میں ۔ ہم سب خوش و خرم گھر کو روانہ ہوئے اس طرح ہمارا سفر بخیر و خوبی ۵ مارچ ۱۹۹۴ء مطابق ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کو تمام ہوا ۔

خداوندا: ۔

گلستانے ز خاکِ من بر انگیز
نم چشم بخون لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغ علی را
نگاہے دہ چو شمشیر علی تیز

OOOOO

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۔

OOOOOO

سید علی اکبر رضوی

B-81, KDA 1A

کارساز روڈ، کراچی 75350

فون نمبر 4932750 (منزل)

کتابیات

سفرنامہ "ارضِ جلال و جمال" کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی:

۱۔ سیرت البم — شاہ مصباح الدین شکیل
ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ، کراچی

۲۔ الحرمین الشریفین — عظمت شیخ، ۱۳۹۱ھ

۳۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ (تقاریر) — مولانا کوثر نیازی مرحوم، دسمبر، ۱۹۹۴ء

۴۔ خانہ کعبہ — علامہ محمد طاہر الکردی، ترجمہ، عبدالصمد صارم،
ناشر: مکتبہ جدید، لاہور

۵۔ مثنوی مولا علیؑ — فضل حق
ناشر: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور

۶۔ خلفائے راشدین — شاہ معین الدین احمد ندوی
ناشر: ادارۂ اسلامیات، انارکلی، لاہور، ۱۹۸۷ء

۷۔ آئینۂ حرم — محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں
ناشر: سید اعجاز علی ولد حاجی زاہد علی مرحوم،
نصیرآباد، کراچی، ۱۹۸۷ء

۸۔ سیدہؑ کالال — علامہ راشد الخیری
ناشر: عصمت بکڈپو، کراچی

۹۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ (ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک) — مصباح الدین شکیل
ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ، کراچی

۱۰۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ (اردو) — زیرِ اہتمام، دانش گاہ، پنجاب، لاہور

۱۱۔ مدینہ شناسی (فارسی) — سید محمد باقر نجفی
ناشر: کولون جرمنی، ۱۳۵۷ھ

۱۲۔ حج و انقلابِ اسلامی (فارسی) — وزارتِ ارشاد اسلامی، ادارۂ کل انتشارات و تبلیغات، تہران ۱۳۵۷ء

۱۳ ـ	التاریخ الشامل للمدینۃ المنورہ (عربی) ۳ جلدیں	ڈاکٹر عبدالباسط بدر، ۱۴۱۴ھ
۱۴ ـ	تاریخ ارض القرآن (کامل)	مولانا سید سلیمان ندوی ناشر: دارالاشاعت، کراچی
۱۵ ـ	داستان حرمین	الحاج محمد منیر قریشی ناشر: اردو بازار، لاہور
۱۶ ـ	دیوان حضرت علیؑ	اسد جاوید ناشر: بک پرنٹرز، لاہور
۱۷ ـ	تاریخ مکہ المکرمہ	محمد عبدالمعبود ناشر: مکتبہ رحمانیہ، راولپنڈی
۱۸ ـ	پی۔آئی۔اے۔(برائے حج و زیارات)	ناشر: پی۔آئی۔اے
19	Makkah A Hundred Years Ago (Albums)	Edited by Angelo PeseE London, 1986
20	An Historic Journey through Al-Masjid al Haram	Tareeq Al Noor.
21	Dictionary of Islam	T.P. Hughes Premier Book House, Lahore
22	The life and Times of Muhammad (PBUH)	John Bagot Glubb (Glubb Pasha)
23	Muhammad (PBUH) and the Course of Islam	H.M. Balyuzi (GR) Gerdge Ronald
24	The Road to Mecca	Muhammad Asad Max Rein Hardt , London 1954
25	The Arabs	Peter Mansfield Penguin Book Ltd., London 1976